كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ
مرض الموت
سے لحد تک
مسالکِ اربعہ کے مطابق بیماری علاج موت دفن کفن
جنازہ تعزیت ترکہ اور وصیت کے بارے میں
جملہ مسائل کا حل
محمد ممتاز لیاقت
پروگریسو بکس

مسالکِ اربعہ کے مطابق بیماری، علاج، موت، دفن، کفن، جنازہ، تعزیت، ترکہ اور وصیّت کے بارے میں جملہ مسائل کا حل

تالیف

محمد ممتاز لیاقت

یوسف مارکیٹ ۰ غزنی سٹریٹ ۰ اردو بازار ۰ لاہور

Voice 7352795
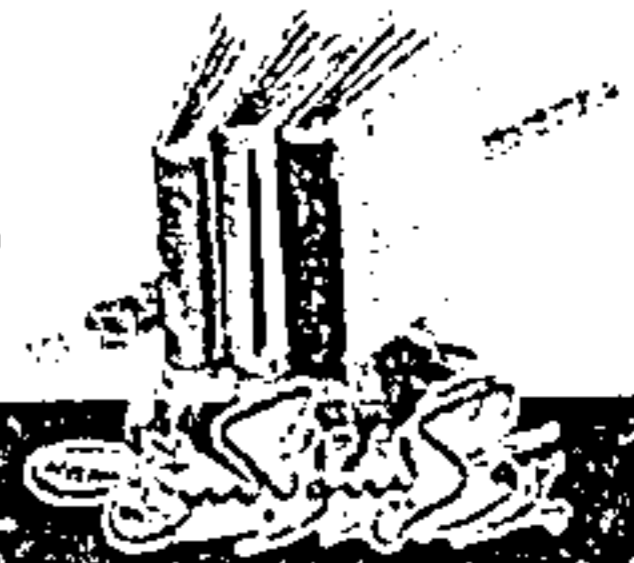
نام کتاب:............... مرض الموت سے لحد تک

مؤلف:............... محمد ممتاز لیاقت

اشاعت اول............ مارچ 2004ء

تعداد:............... 1100

پرنٹرز:............... زاہد بشیر پرنٹرز

ناشر:.......... چوہدری غلام رسول۔میاں جواد رسول

قیمت:...............

☆ملت پبلی کیشنز۔فیصل مسجد اسلام آباد۔فون نمبر 2254111

☆اسلام بک ڈپو 12۔گنج بخش روڈ لاہور

☆احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی

انتساب

مرحوم والدین کے نام، جن کی تربیت، وتہذیب کے باعث
حق کی جستجو کا جذبہ واشتیاق پیدا ہوا۔

اللھم اغفرلی

والوالدیّ وللمؤمنین والمومنات

فہرست

باتیں چند

رب رحیم وکریم نے انسان کو فانی تخلیق کیا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب وہ تمام مال و دولت اور اہل و اولاد، سب کو چھوڑ چھاڑ کر اس دنیا سے سفرِ آخرت اختیار کرتا ہے۔ چھوٹا ہو یا بڑا، کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں، چنانچہ رب رحیم وکریم، جس نے اس دنیا میں انسانی جان و مال، عزت و ناموس وغیرہ کی سلامتی اور حفاظت کے لیے احکامات نازل کیے ہیں، اس نے مرنے کے بعد بھی انسان کے عزّ و وقار کا پورا لحاظ رکھا ہے، اور مرنے کے بعد اس کے لیے ایسے انتظامات کرنے کا حکم دیا ہے کہ انسانی عزت واحترام میں کوئی فرق نہ آئے۔ اس کی بے ادبی کو ایسا ہی سنگین جرم بتایا ہے، جیسا کہ اس کی زندگی میں ہے۔

بعثتِ اسلام سے اب تک کتنے ہی بزرگوں نے رب رحیم وکریم کے ان احکامات کی روشنی میں انسان کی بیماری سے تجہیز و تکفین تک کے مسائل کے بارے میں بمع دلائل مستقل کتابیں لکھی ہیں جن کی مدد سے ہر ایک کورانہ تقلید اور گروہی تعصبات سے آزاد ہو کر صحیح راستہ کا انتخاب کر سکتا ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ہمارے بیشتر بالخصوص اردو اور دیگر علاقائی زبانوں میں لکھنے والے مصنفین و مولفین اور ان کے قاری اپنے مخصوص اور تنگ دائروں سے باہر نہیں نکلتے، جس کے نتیجہ میں وقت گزرنے کے ساتھ مسائل و معاملات ذاتی و گروہی عصبیتوں کے جھاڑ جھنکار میں دب کر رہ گئے ہیں۔

کہنے کو تو ہم تمام محدثین کرام اور آئمہ مسالک اور ان کے اجتہاد و استنباط کو حق اور قابل تقلید قرار دیتے ہیں، لیکن جب بھی ہم سے کوئی ایک کسی فروعی اور ضمنی مسئلے میں گروہی روایت اور مسلک سے ہٹ کر انہی بزرگوں میں سے کسی دوسرے کی رائے پر عمل کرتا ہے، تو ہمارے تعصبات جاگ اٹھتے ہیں اور اختلاف رائے کو باعث رحمت قرار دینے اور تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنے

کے بجائے اس بیچارے پر مختلف النوع فتوے لگائے جاتے اور مناظرے کیے جاتے ہیں۔ اس طرح نہ صرف ہم عملاً اپنے قول کی نفی کرتے ہیں بلکہ متشددانہ اور فرقہ وارانہ رویہ اختیار کر کے امت میں انتشار وافتراق کی راہوں کو مزید ہوا دیتے ہیں اور ستم یہ کہ اپنی غلط رائے کو عین اسلام قرار دینے کے لیے یہ دلیل لاتے ہیں کہ چونکہ مسئلہ زیر بحث میں ہماری رائے اور رویے کے بارے میں قرآن وحدیث میں واضح طور پر ''نہی'' نہیں آئی، اس لیے ہم جو کچھ کہہ اور کر رہے ہیں وہی عین اسلام ہے اور ہم سے اختلاف کرنے اور مختلف رویہ رکھنے والے قابلِ گردن زدنی ہیں۔ حالانکہ اسی دلیل کی بنا پر دوسرے کو بھی ہم سے مختلف رویہ اختیار کرنے کا حق ہے، کہ واضح ''نہی'' نہ ہونے سے کسی امر اور عمل کے مباح ہونے کا جواز تو پیدا کیا جا سکتا ہے، دوٹوک الفاظ میں حلال یا حرام کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ ایسا کوئی حکم لگانے سے قبل اس بات پر ضرور غور کیا جانا چاہیے کہ جب خیرالقرون میں ہم سے ہزار گنا بہتر مسلمانوں نے ایک عمل نہیں کیا، تو آج اُس بارے میں اس قدر شدت کیوں اختیار کی جائے۔

ستم یہ ہے کہ یہ شدّت ان غیر ضروری اور فروعی مسائل ومعاملات میں اختیار کی جاتی ہے، جن کے کرنے نہ کرنے سے ایمان میں خلل آتا ہے نہ ہی میّت کو کوئی فائدہ یا نقصان پہنچتا ہے، اس کے برعکس ان معاملات میں ہم سب منافقت ومداہنت کا شکار ہیں۔ جن کا کرنا تمام مسالک میں ضروری قرار دیا گیا ہے اور جن کے نہ کرنے سے میّت کو تکلیف پہنچتی ہے، مثلاً میت پر واجب قرضے کی ادائیگی کے بارے مین ہم اکثر کوئی اہتمام نہیں کرتے جس کی ضرورت ہے حالانکہ جب تک میّت کے ذمے قرضہ کا معاملہ صاف نہ ہو اس کی روح زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے، یہ ایسا سنگین معاملہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مقروض میّت کی نماز جنازہ خود نہ پڑھاتے تھے بلکہ صحابہؓ کو حکم دیتے تھے کہ وہ پڑھ لیں، یہ الگ بات ہے کہ وہ معاشرہ ایسا تھا، کہ جس میں یہ گوارہ نہ تھا کہ کوئی مسلمان ساتھی سرورِ کائنات کی دعائے مغفرت سے محروم رہ جائے اس لیے حاضرین میں سے بعض میّت کے قرضے کی ادائیگی اپنے ذمے لے لیتے تھے۔ قرض لے کر واپس نہ کرنا سراسر گھاٹے کا سودا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ دنیا کی رسوائی اور آخرت میں اپنے نیک اعمال کے ثواب سے محرومی، اس نادہندہ کا مقدر بنتی ہے، اسی طرح دوسرے کا مال غصب کرنا یا ظلم وجبر کے ذریعے کسی کو حق سے محروم کرنا انتہائی سنگین گناہ ہے۔ چاہیے

تو یہ کہ ہم اپنی عاقبت کی بہتری کے لیے زندگی ہی میں ایسے حرکات سے توبہ کریں اور حقدار کو حق لوٹا دیں، اور اگر کسی کو یہ توفیق نہیں ہوتی تو اس کے ورثاء پر لازم ہے کہ اس کے ظلم کا ازالہ کرے اور مال مغوضہ حق داروں کو لوٹا دیں تا کہ مرحوم پر بوجھ کم ہو۔

۱۹۸۵ء میں والد مرحوم کا انتقال ہوا اور ۱۹۸۸ء میں والدہ مرحومہ نے سفرِ آخرت اختیار کیا تو ان دونوں موقعوں پر میرے ایک بھائی نے جو ایک مذہبی سیاسی جماعت سے وابستہ تھے میّت کی تدفین اور متعلقہ مسائل میں جو رویہ، بلکہ متضاد رویہ اختیار کیا اور اپنی بات ہی کو عینِ اسلام قرار دینے کی کوشش کی تو اس سے زندگی کے اس آخری مرحلہ کے بارے میں کتاب وسنت اور فقہائے اربعہ کے احکامات کا مطالعہ کرنے کا اشتیاق واحساس پیدا ہوا۔ یہ دراصل اسی مطالعہ کا حاصل ہے۔ گو اس مطالعے میں فقہ حنفی کی متعلقہ کتابیں ہی اصل مآخذ اور بنیاد رہیں تاہم بعض اہم مسائل ومعاملات کے بارے میں دوسرے مسالک کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا گیا۔ چنانچہ زیرِ نظر کتاب انسان کے سفرِ آخرت کے بارے میں اہلسنت کے مسالک اربعہ اور سلفی حضرات کے رویے اور مسائل کا مجموعہ ہے اور یہ غالباً زندگی کے اس مرحلے کے بارے میں اردو میں اپنے انداز کی پہلی کوشش ہے جس میں بیماری سے آغوشِ لحد تک بلکہ تقسیم میراث اور زیارۃ القبور جیسے معاملات ومسائل کے حوالے سے آئمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم) کے دینی اور فقہی رویوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کتاب کی تالیف وتدوین میں اولیت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو دی گئی ہے، جبکہ آئمہ مسالک کے فقہی رویوں کی حیثیت ثانوی ہے۔ حوالہ جات میں تفصیل کو عمداً نظر انداز کیا گیا ہے کہ اس سے ایک تو کتاب کے حجم میں اضافہ ہو جاتا، دوسرے عام آدمی کے لیے یہ زیادہ اہمیت بھی نہیں رکھتے، اس لیے اصل ماخذ کا نام دینے ہی کو کافی سمجھا گیا۔ بعض احادیث وآثار کی مختلف مقامات پر تکرار اور اعادہ ضرورتاً کیا گیا ہے۔

سید المرسلین سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ آخرت کا باب اس لیے شاملِ کتاب کیا ہے کہ کسی بھی مسئلے اور معاملے میں رسول اللہ کے عملی نمونہ سے بہتر کوئی مثال نہیں ہو سکتی، اس لیے اسے ترتیب دیتے وقت تجہیز وتکفین کے علاوہ دیگر معاملات کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ اب قارئین پر

منحصر ہے کہ وہ اپنے اعزہ واقارب کے سفرِ آخرت کو رب رحیم وکریم اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند اور احکام کے مطابق انجام دینے اور اپنے اور میت کے لیے آسان اور باکفایت بنانے میں کس قدر کامیاب ہوتے ہیں اور بدعات واختراعات سے کس حد تک احتراز اور اعراض کرتے ہیں، کہ اصل کامیابی ان سے بچنے ہی میں ہے۔ اہل علم سے گزارش ہے کہ اگر وہ کتاب میں کوئی غلطی دیکھیں تو مصنف و پبلشر کو ضرور مطلع کریں تا کہ اصلاح ہو سکے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ وہ کتاب کی تدوین پر میرے والدین اور اساتذہ کے لیے مغفرت اور بلندئ درجات کے لیے دعا ضرور فرمائیں۔

میں رب رحیم وکریم کا بے حد شکر گزار ہوں کہ یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی اس کے لیے اپنے ناشر جواد رسول کے تعاون کا بھی ممنون ہوں۔

۳۱ اگست ۲۰۰۲

ممتاز لیاقت

۷۹۶۔ ماڈل ٹاؤن، اسلام آباد

بیماری، مصیبت اور علاج

☆ - رب کریم ورحیم کا ارشاد ہے کہ

''کہہ دو کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ (خدا) مجھے شفا بخشتا ہے'' [1]

اور یہ کہ ''اگر خدا تم کو سختی پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر کوئی نعمت وراحت پہنچائے تو کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے۔'' [2]

اور یہ کہ ''جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے وہ تمہارے اپنے فعلوں سے (ہوتی ہے) اور وہ (اللہ) بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔'' [3]

اور یہ کہ ''کہہ دو کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی۔ بجز اس کے جو خدا نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو خدا ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔'' [4]

○ حدیث قدسی ہے کہ ''بلا ہر روز پوچھتی ہے کہ آج کس طرف رُخ کروں؟ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ میرے مطیع اور فرمانبردار بندوں کی طرف، تیری وجہ سے لوگوں میں سے بہترین کو جانچتا ہوں اور ان کے صبر کا امتحان لیتا ہوں اور ان کے گناہوں کو زائل کرتا ہوں اور تیری ہی وجہ سے ان کے درجات بلند کرتا ہوں۔ فراخی وخوشحالی (بھی) روز اللہ سے پوچھتی ہے کہ آج کدھر کا رُخ کروں؟ ارشاد ہوتا ہے۔ میرے دشمنوں اور میرے نافرمانوں کی طرف (کہ وسعت دے کر) ان کی سرکشی بڑھانا چاہتا ہوں۔ ان کے گناہوں میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں اور تیری وجہ سے ان کی فوری گرفت کرتا ہوں۔ اور تیری وجہ سے

ان کی غفلت زیادہ کرنا چاہتا ہوں۔'' ۵

اور یہ کہ ''جب بندہ بیمار پڑتا ہے، تو اللہ پاک دو فرشتوں کو اس کے پاس یہ کہہ کر بھیجتے ہیں۔ ذرا دیکھو! اپنی عیادت کو آنے والوں سے یہ کیا کہتا ہے؟ پھر اگر وہ بندہ بیمار پرسی کے لیے آنے والوں سے اپنی اس حالت پر اللہ کی تعریف کرتا ہے تو فرشتے اس کی بات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں حالانکہ اللہ رحیم و کریم زیادہ جاننے والے ہیں۔ پھر ملائکہ سے ارشاد ہوتا ہے کہ اسؔ کو اگر موت دی تو اس کو جنت میں داخل کروں گا اور اگر شفا دی تو پہلے گوشت سے بہتر گوشت اور پہلے خونؔ سے بہتر خون اس کو دوں گا اور اس کے گناہوں کو معاف کر دوں گا۔'' ٦

اور یہ کہ ''مریض کا دردؔ سے کراہنا تسبیح ہے اور درد سے چیخنا تہلیل ہے، اور سانس لینا صدقہ ہے۔ بستر پر لیٹنا عبادت ہے۔ ایک پہلو سے دوسرے پہلو کی طرف کروٹ لینا ایسا ہے، جیسا کہ اللہ کی راہ میں دشمن سے قتال کر رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ صحت کی حالت میں وہ جو عمل کیا کرتا تھا۔ اس سے زیادہ بڑھیا اعمال اس کے عمل نامہ میں لکھو۔ جب وہ صحت یاب ہو کر بستر سے اٹھ کر چلتا ہے تو اس طرح ہو جاتا ہے جیسا کہ اپنی ماں سے پیدائش کے دن تھا۔'' ۷

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

○ ''مومن جب بیمار ہو پھر اچھا ہو جائے تو اس کی بیماری گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، اور آئندہ کے لیے نصیحت...... اگر منافق بیمار ہو کر اچھا ہو تو اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے کہ جسے مالک نے باندھا، پھر کھول دیا۔ اسے نہ یہ معلوم کہ کیوں باندھا، نہ یہ کہ کیوں چھوڑا'' ۸

○ ''بخار کو برا نہ کہو کہ وہ آدمی کی خطاؤں کو اس طرح دور کرتا ہے، جیسے بھٹی لوہے کے میل کو (دور کر دیتی ہے)''۔ ۹

○ ''بندے کو کوئی تکلیف کم و بیش نہیں پہنچتی مگر گناہ کے سبب، اور جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے، وہ بہت زیادہ ہیں، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ''اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ اس کے سبب ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا۔'' [10]

○ ''جتنی بلا (مصیبت) زیادہ ہوگی اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا اور اللہ جب کسی قوم کو محبوب رکھتا ہے تو اسے بلا (مصیبت) میں ڈال دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو گیا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا ہے، اور جو ناراض ہوا، اس کے لیے رب تعالیٰ کی ناراضی ہے۔'' [11]

○ ''جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا ہی میں سزا دیتا ہے، اور جب شر کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے گناہ کا بدلہ نہیں دیتا بلکہ قیامت کے دن اسے پورا بدلہ دے گا۔'' [12]

○ ہر بیماری چونکہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، اس لیے مومن کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہے، ویسے بھی بے صبری اور اضطراب سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ مرض سے شفا اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی سے ہوتی ہے۔ البتہ مومن پر لازم ہے کہ وہ دوا اور دعا دونوں جاری رکھے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مومن کا معاملہ بھی خوب ہے، اس کا ہر حال بہتر ہی ہوتا ہے، اور یہ بات مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔ اگر خوشی نصیب ہو تو شکر گزار ہوتا ہے اور اگر تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں ہی باتیں اس کے لیے بہتر ہیں۔'' [13]

○ ''جب مسلمان کسی بدنی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ (مریض کے) ویسے ہی اعمال لکھ (جیسا وہ اس وقت کرتا تھا) جب مرض میں مبتلا نہ تھا۔ پھر اگر شفا دیتا ہے تو (گناہوں سے) دھو دیتا ہے اور پاک کر دیتا ہے، موت دیتا ہے تو بخش دیتا ہے اور رحم فرماتا ہے۔'' [14]

○ ''جب کسی مسلمان کو بیماری یا کسی اور وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو اس طرح گراتا ہے (یعنی اس کو گناہوں سے پاک کرتا ہے) جس طرح (خزاں میں) درخت اپنے پتوں کو گراتا ہے۔''[۱۵]

○ ''جب کسی مومن بندے کو ایک کانٹا چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے ایک درجے کو بلند کرتا ہے اور اس کے ایک گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔''[۱۶]

○ ''مومن کو جو کوئی بھی بیماری، پریشانی یا رنج وغم یا اذیت پہنچتی ہے۔ یہاں تک کہ کانٹا بھی لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعہ اس کے گناہوں کی صفائی فرما دیتا ہے۔''[۱۷]

○ ''جب کسی بندہ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے، جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پا سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی پریشانی یا صدمے میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر اس کو صبر کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ ان مصائب و تکالیف اور ان پر صبر کی بدولت بندے کو اس مقام بلند پر پہنچا دیا جاتا ہے جو اس کے لیے طے ہو چکا ہوتا ہے۔''[۱۸]

○ ''قیامت کے روز بیماری سے محفوظ رہنے والے جب مصائب اور تکالیف میں مبتلا رہنے والوں کے اجر و ثواب کو دیکھیں گے تو کہیں گے، کاش! ہمارے چمڑوں کو قینچیوں سے کاٹا جاتا۔''[۱۹]

○ ''آدمی میں جتنا دین ہوتا ہے، وہ اسی کے اندازہ سے بلا میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر دین میں قوی ہے، بلا بھی اس پر سخت ہو گی اور دین میں کمزور ہے تو اس پر آسانی کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ زمین پر یوں چلتا ہے جیسے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔''[۲۰]

دوا کا استعمال

○ بیماری میں صبر کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ دوا استعمال نہ کی جائے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ مرض میں دوا کرتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی کسی طبیب حاذق سے علاج

کرانے اور پرہیز کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔[۲۱] چنانچہ کتب احادیث میں ''کتب الطب'' کے تحت بہت سی بیماریوں کے علاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مرض پیدا کیا تو دوا بھی اتاری اور تم دوا کیا کرو۔''[۲۲]

○ ''ہاں اللہ کے بندو! دوا استعمال کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک کے علاوہ ہر مرض کے لیے شفا رکھی ہے اور وہ ایک مرض بڑھاپا ہے۔''[۲۳]

○ مسلمانوں کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ حرام چیزوں سے علاج کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ فرمایا:''اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی۔''[۲۴]

○ ''اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی دوا اثر نہیں کرتی، نیز یہ کہ''ہر بیماری کی دوا ہے، دوا جب بیماری کے موافق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریض اچھا ہو جاتا ہے۔''[۲۵]

...... ہر حالت میں اللہ ہی سے رجوع کرنا چاہیے،کوئی ایسی بات یا ٹونے جادو نہیں کرنے چاہئیں جس سے ربِّ کریم پر ایمان میں خلل یا ضعف آتا ہو۔دوا تو ایک سبب ہے، حقیقی شفا دینے والا ربِّ کائنات ہی ہے۔

○ ''جب بندہ بیمار ہو یا سفر میں جائے اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے اپنی عبادت وغیرہ کے معمولات پورا کرنے سے مجبور ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال اس طرح لکھے جاتے ہیں، جس طرح وہ صحت وتندرستی کی حالت میں اور زمانۂ اقامت میں کیا کرتا تھا۔''[۲۶]

موت کی یاد

☆ ربِّ رحیم وکریم کا ارشاد ہے

○ ''ہر نفس کو موت کو چکھنا ہے، پھر تمہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔''[۲۷]

○ ''جو کچھ زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے، اور آپؐ کے رب ذوالجلال والاکرام کی

ذات باقی رہے گی۔"[۲۸]

"موت جس سے تم گریز کرتے ہو وہ تو تمہارے سامنے آ کر رہے گی۔ پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے ہو وہ تمہیں سب بتائے گا۔"[۲۹]

○ مومن کے لیے حکم ہے کہ وہ کبھی بھی اپنے رب کی طرف سے مایوس نہ ہو، حتیٰ کہ مرض الموت میں بھی اپنے ربّ سے نیک توقع رکھے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

○ "تم میں سے جو اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہو، اسے اپنے رب کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا چاہیے۔"[۳۰]

☆ ربّ رحیم وکریم نے ارشاد فرمایا۔

○ "جس آدمی نے یہ یقین کر لیا کہ میں گناہوں کی مغفرت پر قادر ہوں تو میں اس کی مغفرت کر دوں گا مجھے کوئی پرواہ نہیں، جب تک وہ میرے ساتھ شرک نہ کرے۔"[۳۱]

○ "ایسے موقع پر (جب بندہ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہو) کسی بندے کے دل میں یہ دو چیزیں پیدا ہو جائیں (یعنی اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید یا گناہوں کا خوف) تو اللہ اسے اس کی امید کے مطابق دے دیتا ہے، اور جس بات کا اسے غم ہو، اس سے محفوظ کر دیتا ہے۔"[۳۲]

○ "موت مومن کا تحفہ ہے۔"[۳۳] اور "موت کو یاد کرو اور یاد رکھو کہ یہ دنیا کی لذتوں کو ختم کرنے والی ہے۔"[۳۴]

موت کی تمنا نہ کرنا

مرض خواہ کتنا ہی شدید ہو، مشکلات ومصائب خواہ کیسے ہی گمبھیر ہوں، اسلام موت کی تمنا کرنے کی اجازت نہیں دیتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

○ ''تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر وہ نیک ہے تو ہوسکتا ہے، وہ مزید نیکیاں کرے، اگر برا ہے تو ممکن ہے وہ توبہ کرلے۔''[۳۵]

○ ''مومن کی عمر نیکیوں میں اضافے کا سبب بنتی ہے''[۳۶] اور یہ کہ ''تیری عمر لمبی ہو گی اور تیرے عمل اچھے ہوں گے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے۔''[۳۷]

○ ''اگر کسی وجہ سے زندگی بوجھ محسوس ہونے لگے تو بھی موت کی تمنا کرنے کے بجائے صرف اتنا کہے ''اے اللہ! جب تک میرا زندہ رہنا میرے لیے بہتر ہے اس وقت تک زندہ رکھ، اور جب میرا مرجانا میرے لیے بہتر ہو تو میری روح کو قبض کرلیجو۔''[۳۸]

○ ''جو شخص حالتِ مرض میں یہ دعا چالیس مرتبہ پڑھے، اگر مرا تو شہید کے برابر ثواب پائے گا۔ اگر اچھا ہو گیا تو تمام گناہ بخشے جائیں گے:

لَاَ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ط [۳۹]

اگر مریض یہ دعا پڑھے اور مرجائے تو اس کو دوزخ کی آگ نہ لگے گی۔

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰـهُ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ . ط [۴۰]

○ زمانہ بیماری میں سچے دل سے یہ دعا پڑھا کریں:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِی شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ

(اے اللہ! مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے موت اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں دیجیے)۔

اللهم اعنی غمرات الموت و سکرات الموت اللهم المغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلی [۴۱]

اے اللہ موت کی سختیوں میں میری مدد فرما۔ اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما اور مجھے اوپر والے ساتھیوں میں پہنچا دے۔

○ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب خود بیمار ہوتے معوّذات [۴۲] پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے اور خود اپنا دستِ مبارک اپنے جسم پر پھیرتے۔ پھر جب آپ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ نے وفات پائی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ وہی معوّذات پڑھ کر آپؐ پر دم کرتیں جن کو آپؐ پڑھ کر دم کیا کرتے تھے اور آپؐ کے جسم پر آپؐ کا دستِ مبارک پھیرتیں۔ [۴۳]

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

○ ''اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت مانگتے رہو کیونکہ یقین سے بڑھ کر، عافیت (سلامتی) سے بڑھ کر تم سے کسی شخص کو کوئی نعمت نہیں ملی (یعنی سلامتی ہی سب سے بڑی نعمت ہے)۔'' [۴۴]

○ ''حضرت جبرائیلؑ میرے پاس تشریف لائے اور یوں ارشاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ ان کلمات کے ساتھ دعا مانگا کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک آپؐ کو ضرور عطا فرمائیں گے''۔ دعا یہ ہے:

''اے اللہ! میں چاہتا ہوں تیری عافیت کا جلد آنا، اور تیری بلا کا پلٹ جانا اور تیری دنیا سے نکلنا تیری عافیت کی طرف۔ [۴۵]

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے ''اے اللہ! مجھے عافیت عطا فرما میرے بدن میں، اے اللہ! مجھے عافیت دے میری سماعت میں، اے اللہ! مجھے عافیت دے میری نظر میں۔'' [۴۶]

حواشی

۱ سورہ الشعراء : ۲۶
۲ سورہ الانعام : ۱۷
۳ الشوریٰ : ۴۲
۴ التوبہ : ۵۱
۵ دیلمی، طبرانی، ابن عساکر
۶ دار قطنی
۷ الخطیب
۸ ابوداؤد
۹ سنن ابن ماجہ، مسلم
۱۰ ترمذی
۱۱ ترمذی
۱۲ ترمذی، ابن ماجہ
۱۳ مسلم
۱۴ مشکوٰۃ المصابیح، شرح السنۃ
۱۵ بخاری و مسلم
۱۶ مسلم
۱۷ بخاری و مسلم
۱۸ مسند امام احمد، سنن ابی داؤد
۱۹ ترمذی
۲۰ ابن ماجہ، دارمی
۲۱ مسند امام احمد، ابن ماجہ
۲۲ مسند امام احمد، ابن ماجہ
۲۳ سنن ابی داؤد، ترمذی
۲۴ زاد المعاد
۲۵ مسلم، مشکوٰۃ المصابیح
۲۶ صحیح بخاری، معارف الحدیث
۲۷ العنکبوت : ۵۷
۲۸ سورہ الرحمٰن : ۲۷
۲۹ سورہ الجمعہ : ۸
۳۰ مسلم
۳۱ طبرانی فی الکبیر، حاکم
۳۲ ترمذی
۳۳ بیہقی
۳۴ ترمذی، ابن ماجہ
۳۵ بخاری
۳۶ مسلم
۳۷ مسند امام احمد
۳۸ بخاری، مسلم، ترمذی، سنن ابی داؤد
۳۹ امام حاکم بحوالہ شرح الصدور
۴۰ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ
۴۱ حصن حصین
۴۲ معوذات سے سورہ فلق، اور سورہ الناس مراد ہیں۔ بعض سورہ اخلاص کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں۔ انہیں پڑھ کر ہتھیلیوں پر دم کیا جائے پھر ان کو سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم پر پھیر لیا جائے۔ ایسا تین مرتبہ کیا جائے۔
۴۳ بخاری، مسلم، معارف الحدیث
۴۴ ترمذی، نسائی
۴۵ حاکم، ابن حبان
۴۶ ابوداؤد، حاکم

بیمار پرسی

○ ایک مسلمان پر اپنے بیمار مسلمان بہن بھائی کی عیادت واجب اور بعض کے نزدیک سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مومن جب اپنے صاحبِ ایمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ گویا باغ جنت میں ہوتا ہے''[1] (اتنی دیر گویا وہ جنت کے پھول چنتا رہا)۔

○ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ بن ارقم کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جب انہیں آشوبِ چشم کی شکایت تھی۔[2]

○ صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔[3]

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

''جو شخص مریض کی عیادت کو جاتا ہے آسمان سے منادی کرتا ہے ''تو اچھا ہے، اور تیرا چلنا اچھا اور جنت کی ایک منزل کو تو نے اپنا ٹھکانا بنالیا۔[4]

''جو اچھی طرح وضو کر کے بغرض ثواب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جائے اس کو جہنم سے ساٹھ برس کی راہ تک دور کر دیا جاتا ہے۔''[5]

○ ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت اگر صبح کے وقت کرے تو شام تک اس کے لیے ستر ہزار فرشتے دعا کرتے ہیں، اور اگر شام کو عیادت کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔''[6]

○ ”مریض کے پاس ہمیشہ اچھی بات کہو کیونکہ تم جو کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔“ ۷

○ ”تم کسی مریض کی عیادت کے لیے جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے۔ اس لیے کہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کے مانند ہوتی ہے۔“ ۸

○ ”تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو۔“ ۹ یعنی اس کی عمر اور اس کی زندگی کے بارے میں امید بھری باتیں کرو۔ اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو رد تو نہیں کر سکیں گی، لیکن اس سے مریض کا دل خوش ہو گا اور یہی عیادت کا مقصد ہے۔

○ ”مریض کے پاس جاؤ تو اسے تسلی دو اور خوشگوار باتیں کرو۔“ ۱۰

○ مریضوں کے پاس شور و شغب نہ کرنا اور کم بیٹھنا بھی سنت ہے۔ ۱۱ افضل عیادت یہ ہے کہ جلد اٹھ آئے۔ ۱۲

○ ”مریض کی پوری عیادت یہ ہے کہ تم اپنا ہاتھ مریض کی پیشانی یا نبض پر رکھ کر اس سے (حال) پوچھو۔ اور تمہارے آپس میں سلام کا تمام مصافحہ سے مکمل ہوتا ہے۔“ ۱۳

○ مریض کی عیادت کے لیے کوئی دن یا وقت مقرر نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ دن رات تمام اوقات میں (حسب ضرورت وحسب فرصت) مریضوں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ ۱۴

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو بیمار کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے، اور اگر وہ کچھ مانگتا تو اس کے لیے وہ چیز منگواتے اور فرماتے ”مریض جو مانگے وہ اس کو دو بشرطیکہ نقصان دہ نہ ہو“۔ ۱۵

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے جاتے تو مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے، پھر اس کے سینے اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتے اور دعا کرتے ”اے اللہ اسے شفا دے۔“

۱۶ اور فرماتے ''کوئی فکر کی بات نہیں انشاء اللہ تعالیٰ سب ٹھیک ہو جائے گا!'' بسا اوقات آپ فرماتے: ''یہ بیماری گناہوں کا کفارہ ہے اور طہور بن جائے گی۔'' ۱۷

○ ''جب کوئی آدمی بیمار کی عیادت کرے تو یوں کہے ''اے اللہ عزوجل اپنے بندے کو شفا عطا فرما تاکہ تیرے دشمن کو تیرے لیے ہلاک و زخمی کرے اور تیری خوشنودی کے لیے کسی جنازے کے ساتھ چلے''۔ ۱۸

○ ''کوئی مسلمان کسی مسلمان کی عیادت کے لیے جائے تو سات بار یہ دعا پڑھے:

اَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْم رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْم اَنْ يَّشْفِيَكَ.

''میں سوال کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے جو بڑا ہے اور عرش عظیم کا رب ہے کہ تجھے شفا بخشے''۔

اگر موت دور نہیں تو اسے شفا ہو جائے گی۔ ۱۹

○ ''پانچ چیزیں ہیں کہ جو فرد ان میں سے ایک بھی کرے گا اللہ کی حفاظت میں آ جائے گا: (۱) مریض کی عیادت کرے، (۲) جنازے کے ساتھ جائے، (۳) غزوہ کو جائے (یعنی جہاد میں شرکت کرے)، (۴) امام کی عزت و توقیر کے ارادے سے اس کے پاس جائے، (۵) اپنے گھر میں بیٹھا رہے کہ لوگ اس سے سلامت رہیں اور وہ لوگوں سے سلامت رہے''۔ ۲۰

شفا کے لیے دعائیں

○ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی پیشانی یا دکھتی ہوئی جگہ پر داہنا ہاتھ رکھ کر دعا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا

''اے لوگوں کے ربّ! تکلیف کو دور فرما اور شفا دے تو ہی شفا دینے والا

ہے تیری شفا کے علاوہ کوئی (کہیں) شفا نہیں ہے، ایسی شفا دے جو ذرا مرض نہ چھوڑے"۔

- "جب تم میں سے کسی کو غم یا تنگی پیش آئے تو چاہیے وہ یوں کہے:
  اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّی لَا اُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا ۲۱
  اور اس دعا کو سات بار پڑھے"۔

- حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جسم میں درد کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس جگہ پر ہاتھ رکھو جہاں تکلیف ہے اور تین دفعہ کہو بسم اللہ اور سات مرتبہ کہو:
  اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَ قُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ
  "میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کی اس تکلیف کے شر سے جو میں پا رہا ہوں اور جس کا مجھ کو خطرہ ہے۔"
  حضرت عثمانؓ نے ایسا ہی کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تکلیف دور کر دی۔ ۲۲

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھ کر حضرات حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دونوں صاحبزادوں اسماعیل و اسحاق علیہما السلام پر ان کلمات سے دم کرتے تھے:
  اُعِیْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْطٰنٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّةٍ ؀
  "میں تمہیں پناہ میں دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ تامہ کی ہر شیطان کے شر سے اور ہر زہریلے جانور سے اور اثر ڈالنے والی آنکھ (نظر بد) سے"۔ ۲۳

- اگر کسی کے زخم یا پھوڑا یا کوئی اور تکلیف ہوتی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی انگلی زخم پر رکھ دیتے، پھر یہ دعا پڑھتے اور اس جگہ انگلی پھیرتے:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا

''(میں) اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں، یہ ہماری زمین کی مٹی ہے جو ہم میں سے کسی کے تھوک میں ملی ہوئی ہے تا کہ ہمارے بیمار کو ہمارے ربّ کے حکم سے شفا دے''۔ ۲۴

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خود بیمار ہوتے تو معوّذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے (یعنی سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ الناس) اور خود اپنا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے تھے ۲۵ (طریقہ یہ ہے کہ ان سورتوں کو پڑھ کر ہتھیلیوں پر دم کیا جائے پھر ان ہتھیلیوں کو سر سے پاؤں تک تمام جسم پر پھیر لیا جائے اور تین مرتبہ ایسا کیا جائے)۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

○ ''جس شخص نے کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر (دل میں) وہ زندگی بھر اس مصیبت سے محفوظ رہے گا''۔

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اس مصیبت واِبتلا سے مجھے عافیت عطا فرمائی، جس میں اسے مبتلا کیا اور اپنی بہت سی مخلوق پر مجھے نمایاں فضیلت عطا فرمائی''۔ ۲۶

○ ''جب تم میں کوئی آدمی اپنے کسی بھائی کو مصیبت و بلا میں دیکھے تو اسے چاہیے کہ دل ہی دل میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے اور اس کو سنائے نہیں کہ اس کو دکھ پہنچے گا''۔ ۲۷

○ ''بیمار کی دعا رد نہیں کی جاتی حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے''۔ ۲۸ اور یہ کہ ''مغرب کی جانب ایک دروازہ ہے (جس کے طول کا تو کیا پوچھنا) اس کے عرض کی مسافت چالیس سال/ستر سال ہے۔ ربّ رحیم و کریم نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اس دن اس دروازہ کو کھلا ہوا پیدا فرمایا اور یہ دروازہ کبھی بند نہ ہوگا یہاں تک کہ سورج مغرب کی جانب سے نکلے''۔ ۲۹

حواشی

۱ مسلم، بخاری
۲ مسند احمد، سنن ابی داؤد
۳ زادالمعاد
۴ ابن ماجہ
۵ سنن ابی داؤد
۶ زادالمعاد
۷ مسلم، مشکوٰۃ
۸ ابن ماجہ، مشکوٰۃ
۹ ترمذی، ابن ماجہ، معارف الحدیث
۱۰ ابن ماجہ
۱۱ زادالمعاد
۱۲ بیہقی
۱۳ زادالمعاد
۱۴ ترمذی
۱۵ حصن حصین
۱۶ زادالمعاد
۱۷ زادالمعاد، بخاری
۱۸ سنن ابی داؤد
۱۹ ترمذی، سنن ابی داؤد
۲۰ ابی داؤد
۲۱ طبرانی، ترمذی
۲۲ مسلم، معارف الحدیث
۲۳ بخاری، معارف الحدیث
۲۴ زادالمعاد
۲۵ بخاری، مسلم
۲۶ ترمذی، ابن ماجہ
۲۷ ابن نجار
۲۸ ابن ابی لدنیا
۲۹ ترمذی، وبیہقی

دمِ واپسیں اور حاضرین

☆ ربِّ رحیم و کریم کا ارشاد ہے کہ:

○ ''ہر شے چکھنے والی ہے موت کو اور بات یہی ہے کہ تم پورے دیئے جاؤ گے اپنی اجرتیں قیامت کے دن، تو جو کوئی آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ یقیناً کامیاب ہو گیا اور نہیں ہے دنیوی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔''[1]

○ ''جس جگہ بھی تم ہو گے، موت تم کو پا لے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ ہو۔''[2]

○ ''ان (مومنین) کی کیفیت یہ ہے کہ جب فرشتے ان کی جانیں نکالنے لگتے ہیں اور یہ (کفر و شرک) سے پاک ہوتے ہیں تو (فرشتے) السلام علیکم کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کچھ عمل تم کیا کرتے تھے، ان کے بدلے میں بہشت میں داخل ہو جاؤ۔''[3]

○ کہ ''اے نفس مطمئنہ واپس چلو اپنے ربّ کی طرف اس حال میں، کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔''[4]

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

○ ''جس کے مال یا جان میں مصیبت پہنچی اور اس نے اس کو چھپائے رکھا اور لوگوں سے اس کی شکایت نہیں کی تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ اس کی مغفرت فرما دیں۔''[5]

○ ''جب مسلمان کا دل اللہ کے راستے میں کپکپانے لگے تو اس کی خطائیں ایسے

جھڑتی ہیں جیسے (تیز ہوا چلنے سے) کھجور کے گوشے گر جاتے ہیں۔[6]

○ ''اللہ کے خوف سے جس بندے کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اس کے گناہ اس کے جسم سے ایسے جھڑتے ہیں جیسے سوکھے درخت سے اس کے پتے۔''[7]

کلمہ کی تلقین

○ جب اندازہ ہوجائے کہ مریض کا آخری وقت آ گیا ہے تو اس کے قریب بیٹھ کر خود لا الہ الا اللہ پڑھو اور مریض کو بھی لا الہ الا اللہ (کلمہ طیبہ) پڑھنے کی تلقین کرو''۔[8] ''جس کا آخری کلام کلمۂ شہادت ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔[9] مالکیہ کے نزدیک یہ امر مستحب ہے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس مریض کے پاس سورہ یٰسین پڑھی جائے اس کی موت خوشگوار ہوگی، قبر میں شادابی ہوگی اور قیامت میں تروتازہ اٹھایا جائے گا۔[10] بعض تابعین سورہ رعد اور بعض انصار سورہ بقرہ پڑھنا پسند کرتے تھے کہ اس سے موت کی سختی کم ہو جاتی ہے[11] لیکن امام الالبانی کے قریب سورہ یٰسین یا قرآن کی کوئی بھی سورۃ پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں۔ اسی طرح مالکیہ کے نزدیک قریب المرگ کے پاس قرآن سے کچھ پڑھنا مکروہ ہے۔

○ قریب المرگ مریض جب ایک دفعہ کلمہ پڑھ لے تو کافی ہے۔ یہ کوشش نہ کرو کہ وہ برابر کلمہ پڑھتا رہے مبادا حالت کرب میں وہ ''نہیں'' کہہ دے۔ مطلوب فقط اتنا ہے کہ سب سے آخری بات جو اس کے منہ سے نکلے کلمہ ہونا چاہیے[12]

○ نزع کے وقت تلقین کلمہ کا سبب یہ ہے کہ اس وقت شیطان آدمی کا ایمان بگاڑنے آتا ہے اور لا الہ الا اللہ سے مراد پورا کلمہ طیبہ ہے[13]۔ دمِ نزع دو شیطان مریض کے والدین کی شکل میں اس کے پہلو میں آ کر بیٹھتے ہیں اور اسے یہودی یا نصرانی ہونے کے لیے کہتے ہیں، اسی لیے تلقین کلمہ کا حکم ہوا ہے۔[14]

○ جب تم کسی شخص کو نزع میں دیکھو تو اسے تلقین کرو کہ اپنے رب عزوجل سے اچھا گمان رکھتے ہوئے ملے ۱۵۔ اس وقت مرنے والے اور جملہ حاضرین کے لیے کثرت سے دعائیں کرنا بھی مستحب ہے۔

○ مریض کو دمِ آخر توبہ کی تلقین بھی کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اس وقت تک توبہ قبول فرماتا ہے جب تک غرغرہ کی حالت پیدا نہ ہو۔" ۱۶

○ "قریب المرگ شخص کے بارے میں صرف اچھی بات کہو کیونکہ فرشتے بھی تمہاری بات پر آمین کہتے ہیں"۔ ۱۷ اسی بنا پر علماء کا کہنا ہے کہ اس وقت کوئی ایسی بات نہ کرو کہ اس کا دل دنیا کی طرف مائل ہو، بلکہ ایسی باتیں کرو کہ دنیا سے دل پھیر کر اللہ کی طرف رجوع کر لے۔ ۱۸

○ مرتے وقت مریض کی زبان سے خدانخواستہ کوئی کفریہ کلمہ نکل جائے تو اس کا چرچا نہ کیا جائے اور نہ ہی اس پر کوئی حکم لگائیں یا بات کریں۔ ممکن ہے کہ موت کی سختی میں عقل جاتی رہی ہو اور بے ہوشی میں یہ کلمہ منہ سے نکل گیا ہو۔ ۱۹

○ جس پر نزع کا عالم طاری ہو، اس کے پاس نیک اور پرہیزگار لوگوں کو ہونا چاہیے اور خوشبو کا ہونا بھی مستحب ہے۔ مثلاً لوبان یا اگربتیاں سلگا دیں۔ ۲۰

○ قریب المرگ شخص کے پاس اس کے عزیز ترین رشتہ داروں اور احباب کا موجود ہونا مستحب ہے، مبادا وہ کوئی وصیت کرنا چاہے۔ البتہ حیض و نفاس والی عورت، جنبی مرد اور ایسی اشیا اس کے قریب نہ ہوں، جنہیں فرشتے برا سمجھتے ہوں، مثلاً لہو و لعب کا سامان اور کتا وغیرہ۔ ۲۱

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مومن کی خطاؤں میں سے اگر کوئی خطا باقی رہ جاتی ہے تو مرتے وقت پیشانی کے پسینہ سے اس کا کفارہ کر دیا جاتا ہے"۔ ۲۲

○ سنت ہے کہ جب موت کا وقت قریب آ جائے اور علامات پائی جائیں تو قریب المرگ کو داہنی کروٹ لٹا کر قبلہ رو کر دیا جائے بشرطیکہ ایسا کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہو، ورنہ اسے چت لٹا دیا جائے اور پائنتی قبلہ کی طرف کر کے سر کسی قدر اونچا کر دیا جائے تا کہ منہ قبلہ رو ہو جائے۔۲۳ امام الالبانی کے نزدیک اس بارے میں کوئی حسن حدیث بھی نہیں، البتہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت ہے کہ مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب قبلہ رو کرنے کو ناپسند کرتے ہوئے کہا "کیا مرنے والا مسلمان نہیں ہے؟"۔

○ کسی کافر کی موت کے وقت مسلمان کے لیے اس کے پاس جانے اور دعوتِ اسلام دینے میں کوئی حرج نہیں شاید وہ مسلمان ہو جائے۔۲۴ اور اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کا جنازہ ادا کیا جائے۔۲۴

○ بیمار کی کنپٹیاں دھنس (بیٹھ) جانا، ناک ٹیڑھی ہو جانا، پاؤں بے جان اور ٹانگیں ڈھیلی ہو جانا کہ وہ کھڑا نہ ہو سکے، سانس کا اکھڑ جانا اور جلدی جلدی چلنا، فوطوں کی کھال دراز ہو جانا، فوطے سکڑ جانا علامات موت ہیں۔۲۵

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کسی شخص کی موت واقع ہو جائے یا کسی کے وصال کی خبر سنیں تو یہ دعا پڑھیں:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن، اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا ۲٦

"بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اے اللہ! میری مصیبت میں اجر دے اور اس کے عوض مجھے اچھا بدلہ دے۔"

حواشی

۱۔ آل عمران:۱۸۴۔۱۸۵
۲۔ سورہ النساء:۷۸
۳۔ سورہ النحل:۳۲
۴۔
۵۔ طبرانی
۶۔ حاکم
۷۔ بیہقی
۸۔ مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد
۹۔ ابوداؤد
۱۰۔ امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ
۱۱۔ مروزی، شعمی
۱۲۔ بہشتی زیور، بہار شریعت
۱۳۔ مجمع بحار انوار، فتح القدیر، فتاوئ رضویہ
۱۴۔ المدخل
۱۵۔ شرح الصدور، بخاری و مسلم
۱۶۔ ترمذی
۱۷۔ مسلم
۱۸۔ بہشتی زیور
۱۹۔ درمختار، بہار شریعت، بہشتی زیور
۲۰۔ فتاوئ عالمگیری، مسافر آخرت، بہار شریعت
۲۱۔ شامی، فتاوئ عالمگیری
۲۲۔ شرح الصدور
۲۳۔ ہدایہ، عالمگیری، درمختار
۲۴۔ بخاری، کتاب الجنائز، مسند احمد
۲۵۔ مراۃ شرح مشکوۃ
۲۶۔ ترمذی

حسن خاتمہ

☆ سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

○ ''مرنے والے میں تین علامتیں دیکھو: (۱) اگر اس کی پیشانی پر پسینہ آئے، (۲) آنکھوں میں آنسو آجائیں (۳) اور نتھنے پھیل جائیں تو یہ اللہ کی رحمت ہے، اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ (۱) وہ اس طرح آواز نکالے جس طرح نوجوان اونٹ کا گلا گھونٹا گیا ہو، (۲) رنگ پھیکا پڑ جائے (۳) جھاگ ڈالنے لگے (یعنی منہ سے تھوک نکالنے لگے) تو یہ اللہ عزوجل کا عذاب نازل ہونے کی علامت ہے۔''[۱] (استغفر اللہ)

○ درج ذیل سے مرنے والے میں کوئی بھی نشانی پائی جائے تو یہ خوشخبری سے کم نہیں:

(ا) آخری سانسوں کے ساتھ ہی کلمہ توحید کی ادائیگی۔ ''جس نے آخری بات لا الــہ الا اللہ کہی، جنت میں داخل ہو گیا۔[۲]

(ب) ''مومن کی موت کے وقت پیشانی پر پسینہ ہوتا ہے''[۳]۔

(ج) ''جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو، اللہ تعالیٰ اسے فتنہ قبر سے محفوظ کر دیتا ہے۔''[۴]

(د) میدان جہاد میں شہادت۔ ''جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ، خوش وخرم اور مطمئن ہیں۔''[۵] رسول اللہؐ نے فرمایا: ''شہید کے لیے چھ خصوصیات ہیں (۱) خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی بخشش ہو جاتی ہے (۲) جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا اور عذاب قبر سے محفوظ ہوتا ہے (۳) قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا (۴) زیورِ ایمان سے آراستہ

کر دیا جاتا ہے (۵) خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے نکاح ہوگا (۶) ستّر قریبی رشتہ داروں کے حق میں اس کی شفاعت قبول ہوگی۔''[۶]

(ہ) ''جو راہ (مسافرت) میں قتل ہوا وہ بھی شہید، جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا وہ بھی شہید، جو طاعون کی بیماری سے مرا وہ بھی شہید، جو پیٹ کی بیماری سے مرا وہ بھی شہید، پانی میں ڈوب کر اور ملبے کے نیچے دب کر مرنے والا بھی شہید ہے۔''[۷]

(و) ''وہ عورت جو بچے کی پیدائش (زچگی) کے سبب فوت ہو جائے شہید ہے۔[۸]

(ز) ''پہلو کے درد سے مرنے والا اور جل جانے والا بھی شہید ہے۔''[۹]

(ح) ''مرض سل سے مرنا شہادت ہے۔''[۱۰]

(ک) ''جو آدمی اپنے مال کا دفاع کرتا ہوا مارا گیا، جو آدمی اپنے اہل وعیال کی عزت و حرمت کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا، جو اپنے دین کے اور خون کے دفاع میں مارا گیا، شہید ہے۔''[۱۱]

(ی) ''جہاد فی سبیل اللہ کے انتظار میں موت آنا شہادت ہے''۔[۱۲]

ک) ''حضرت حمزہؓ سید الشہدا ہیں اور وہ آدمی بھی شہید ہے جس نے ظالم حکمران کو برائی سے روکا اور نیکی کی تلقین کی اور اس حکمران نے اسے قتل کر دیا۔''[۱۳]

(ل) ''ایک دن اللہ کی راہ میں پہرہ چوکی دینا ایک ماہ کے روزوں اور شب بیداری سے بہتر ہے، اگر وہ (پہرہ دینے والا) اسی حالت میں مر جائے تو بھی اس کا رزق جاری رہے گا اور وہ فتنے سے بھی محفوظ رہے گا۔''[۱۴]

(ن) ''جو شخص اسلامی ملک کی سرحدات کی حفاظت کرتے ہوئے انتقال کر گیا وہ قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور قیامت کے ہولناک حالات میں بھی اس کو اطمینان ہوگا۔''[۱۵]

(ق) ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہمیشگی کرتے ہوئے مرا، وہ جنت میں داخل

ہوگا۔"۱٦

○ "جس میت کے بارے میں کم ازکم دو سچے مسلمان اچھی رائے کا اظہار کریں، اور اس کے دین دار ہونے کی شہادت دیں، اس کے لیے یہ امر موجب جنت ہوگا"۔۱۷

○ "جس مسلمان میّت کے بارے میں دو مسلمان (صاحبانِ علم وتقویٰ) بھلائی کی گواہی دیں، تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیتے ہیں اور جنت میں داخل فرماتے ہیں۔"۱۸

○ "جو مسلمان مرے اور چار (ایک روایت تین) قریبی پڑوسی اس کے حق میں گواہی دیں یعنی اس کے بارے میں اچھی رائے کا اظہار کریں، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "میں نے تمہاری بات مان لی اور جو بات تم نہیں جانتے، اسے بھی معاف کردیا۔"۱۹

○ "جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے لا الہ الا اللّٰہ کہا اور اسی پر مرا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ رضاءِ الٰہی کے لیے کسی دن کا روزہ رکھا اور یہی عمل مسلسل کرتے ہوئے مرا تو بھی جنت میں داخل ہوگا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے صدقہ کیا اور عمر بھر کرتا رہا، وہ بھی جنت میں داخل ہوگا۔"۲۰

☆ حدیث قدسی ہے: "جب مسلمان بندہ لاالہ الا اللہ کہتا ہے تو یہ کلمہ آسمانوں کو چیرتا ہوا اللہ کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ ربّ رحیم وکریم ارشاد فرماتے ہیں: تو ٹھہر جا، وہ عرض کرتا ہے کہ کیسے ٹھہر جاؤں حالانکہ میرے پڑھنے والے کی مغفرت نہیں ہوئی۔ ربّ رحمان ورحیم فرماتے ہیں میں نے اس کی مغفرت کرنے کے لیے ہی تو تجھ کو اس کی زبان پر جاری کیا تھا۔"۲۱

حواشی

۱	شرح الصدور	۲	مستدرک حاکم
۳	مسند امام احمد	۴	ترمذی
۵	آل عمران : ۱۶۹۔۱۷۵	۶	ترمذی، ابن ماجہ
۷	بخاری، مسلم	۸	مسند امام احمد
۹	موطا امام مالک	۱۰	مجمع الزوائد
۱۱	ابوداؤد، ترمذی، نسائی	۱۲	مسلم
۱۳	مستدرک حاکم	۱۴	مسلم
۱۵	بحوالہ جہاد مفتی محمد شفیع	۱۶	مستدرک حاکم
۱۷	مسلم	۱۸	صحیح بخاری، مسند امام احمد
۱۹	فتح الباری، مسند امام احمد	۲۰	مسند امام احمد
۲۱	دیلمی		

انا للہ وانا الیہ راجعون

بعداز مرگ، حاضرین کی ذمہ داری

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

○ ''جس نے اپنے بیٹے (کسی بھی مرنے والے عزیز و رشتہ دار) کی موت پر صبر کیا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے، کہ جاؤ میرے (اس) بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔''[1]

○ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اہل دنیا میں سے اپنے مومن بندے کے محبوب کی جان جب میں قبض کرتا ہوں اور وارث اس پر ثواب و اجر کی امید رکھتے ہوئے صبر کرتا ہے تو اس کی جزا میرے پاس اس کے لیے جنت ہے''[2] نیز یہ کہ ''صبر وہ ہوتا ہے جو صدمہ پہنچنے کے پہلے وقت میں ہو''۔[3]

☆ حضرت ابوسلمہؓ کا انتقال ہوا تو ان کے اہل خانہ نے رونا چلانا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ''اپنے لیے بھلائی طلب کرو، اس لیے کہ تم جو کہتے ہو، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں''۔ پھر آپؐ نے اس طرح دعا فرمائی ''اے اللہ! ابوسلمہؓ کو بخش دے اور ہدایات یافتہ لوگوں میں اس کے درجات کو بلند کر دے اور اس کے پیچھے اس کے گھر والوں میں نگہبان بن جا۔ اے اللہ رب العالمین! ہمیں اور اس کو بخش دے۔ اس کی قبر کو وسیع کر دے اور اس کے لیے اس میں روشنی کر دے''۔[4]

☆ سرور کائنات ﷺ نے حضرت ابو سلمہؓ کے انتقال پر حضرت ام سلمیٰؓ کو تلقین فرمائی کہ ''جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اللہ کے حکم کے مطابق انا للہ و انا الیہ راجعون کہے اور دعا مانگے ''اے اللہ! مجھے میری مصیبت پر اجر سے نواز اور جو لیا ہے، اس سے بہتر مجھے عطا فرما''۔ اور جب مصیبت زدہ یہ دعا پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے جو لیتا ہے اس سے بہتر عطا فرما دیتا ہے''۔[۵]

☆ جب انسان کی روح پرواز کر جائے تو حاضرین پر کئی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:

(۱) کپڑے کی ایک چوڑی پٹی لے کر میت کے جبڑنے کے نیچے سے سر پر لے جا کر باندھ دیں تا کہ منہ کھلا نہ رہے، اور انگلیاں اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیں اور انہیں کپڑے کی کترن سے باندھ دیں۔[۶]

(۲) آنکھیں نرمی سے بند کریں اور اس وقت درج ذیل دعا پڑھیں۔ مالکیہ کے نزدیک آنکھوں کا ڈھانپنا سنت نہیں مستحب ہے اور اس دعا کا بھی کوئی حکم نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ۔ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَ سَهِّلْ عَلَيْهِ مَابَعْدَهٗ وَاسْعِدْهُ بِلِقَائِكَ وَ اجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَيْهِ خَيْرًا مِمَّا خَرَجَ عَنْهُ

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر، اے اللہ اس میت پر اس کا کام آسان فرما اور اس پر وہ حالات آسان فرما جو اب اس کے بعد آئیں گے اور اس کو اپنے دیدارِ مبارک سے مشرف فرما اور جہاں گیا ہے (یعنی آخرت) اس کو بہتر کر دے، اس جگہ سے جہاں سے گیا ہے (یعنی دنیا سے)''۔[۶]

(۳) میّت کے سارے جسم کو ڈھانپ دیں۔ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اطہر پرواز کر گئی۔ تو آپ کو دھاریدار چادر سے ڈھانپ دیا گیا''۔[۸] یہ حکم غیر محرم کے لیے ہے البتہ محرم (جس نے حج یا عمرہ کی غرض سے احرام باندھ لیا ہو) کا

سر اور چہرہ نہیں چھپایا جائے گا۔ نہ محرم کے کفن کو خوشبو لگائی جائے گی۔ ۹

(۴) میت کو زمین پر نہ چھوڑیں بلکہ کسی چار پائی یا چوکی پر رکھیں تا کہ زمین کی ٹھنڈک نہ پہنچے اور پیٹ پر کوئی وزنی چیز رکھ دیں تا کہ پھول نہ جائے۔ ۱۰

(۵) میت کے جسم کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں کیونکہ مسلمان کو بعد موت ایذا دینا ویسا ہی ہے جیسے زندگی میں۔ ۱۱

- جب موت واقع ہو جائے تو تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے۔ ۱۲
- جس علاقے میں مرا ہو، وہیں دفن کیا جائے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ وادی حبشہ میں فوت ہوئے تھے، وہ دفن کے لیے وہاں سے مدینہ لائے گئے تو فرمایا "مجھے صرف اس بات کا غم ہے کہ اسے مکانِ وفات پر دفن کیوں نہ کیا گیا"۔ ۱۳

"اگر مرنے والا نقل جسد کی وصیت کرے تو بھی اس پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ نقلِ جسد حرام ہے"۔ ۱۴

- مرحوم کا قرض اس کے مال سے فوراً ادا کر دیا جائے، خواہ سارا مال ختم ہو جائے۔ اگر مال نہ چھوڑا ہو تو حکومت ادا کرے یا کوئی مسلمان احساناً ادا کر دے۔ ۱۵
- غسل سے پہلے میت کے پاس قرآن نہ پڑھا جائے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے البتہ دعاءِ مغفرت کرنا مستحب ہے۔ اگر میسر ہو تو خوشبو جلا کر میت کے پاس رکھ دیں۔ ۱۶
- میت کے چہرے سے کپڑا اٹھا کر آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کو بوسہ دیا۔ ۱۷
- قریبی رشتہ داروں پر لازم ہے کہ وہ صبر و رضا سے کام لیں۔ ۱۸ موت کی خبر سن کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھیں اور اللہ سے اجر کی دعا کریں۔ ۱۹
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو آدمی کسی مصیبت کے موقع پر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتا ہے، اس کے لیے تین اجر ہوتے ہیں:

اول: یہ کہ اس پر اللہ کی طرف سے رحمت اور سلامتی اترتی ہے۔

دوم: یہ کہ اس کو حق کی تلاش وجستجو کا اجر ملتا ہے۔

سوم: یہ کہ اس کے نقصان کی تلافی کی جاتی ہے اور اس کو فوت ہونے والی چیز کا اس سے اچھا بدلہ دیا جاتا ہے۔[۲۰]

موت کا اعلان

○ حضرت حذیفہ بن یمانؓ بغرض تشہیر کسی کی وفات کا اعلان نہ کرنے کے حق میں تھے کیونکہ وہ اسے ''نعی'' میں شمار کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''نعی'' سے منع فرماتے تھے۔[۲۲] لیکن تمام مسالک کے نزدیک وفات کی اطلاع کرنا جائز اور مستحب ہے بشرطیکہ وہ جاہلانہ رسم کے مطابق نہ ہو۔ نجاشی کی موت پر رسول اللہؐ نے اس کی اطلاع تمام مسلمانوں کو کی۔[۲۳] یہ اطلاع ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے تاکہ اس کے جنازے میں شرکت کی جائے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے جنازے میں شریک ہوں[۲۴] جیسا کہ حدیث میں ہے جس پر تین صفوں نے نماز (جنازہ) پڑھی، اس کے لیے جنت و مغفرت واجب ہے۔[۲۵] لیکن حنابلہ اور مالکیہ پکار کر میت کی اطلاع دینے کو مکروہ سمجھتے ہیں، البتہ تحریری اطلاع کو مباح قرار دیتے ہیں۔

○ میّت کی چارپائی برصغیر پاک و ہند میں شمالاً جنوباً رکھی جائے، اور منہ قبلہ کی طرف کیا جائے البتہ کوئی مجبوری ہو تو یہ پابندی لازمی نہیں۔

حواشی

۱	مسند امام احمد، ترمذی	۲	بخاری
۳	بخاری، مسلم، ابوداؤد	۴	مسلم، ابوداؤد
۵	مسلم	۶	درمختار، بہشتی زیور
۷	درمختار جلد اول	۸	بخاری، مسلم
۹	مسلم	۱۰	فتاویٰ عالمگیری جلد ۱، ا
۱۱	مشکوٰۃ	۱۲	بخاری، مسلم
۱۳	البیہقی	۱۴	الاذکار
۱۵	مسافر آخرت	۱۶	مسافر آخرت
۱۷	بخاری، نسائی	۱۸	سورہ بقرہ : ۱۵۵ تا ۱۵۷
۱۹	مسلم	۲۰	طبرانی

۲۱ نعی سے مراد دورِ جاہلیت کی طرح گلی کوچوں میں اعلان کا بطور خاص اہتمام کرنا ہے۔

۲۲	ترمذی	۲۳	بخاری، مسلم
۲۴	فتاویٰ عالمگیری، درمختار	۲۵	طبرانی

سوگ ونوحہ

○ اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے غم پر تو سزا نہیں دیتا، کہ اس پر بندہ کا اختیار نہیں لیکن نوحہ و ماتم کرنے پر سزا دیتا ہے اور تین دن غم جائز ہے۔

○ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ فوت ہوئے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا ''آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور دل غمزدہ ہے لیکن زبان سے وہی کہیں گے جس پر ہمارا رب راضی ہے'' ۔[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کے رضاعی والدین کو تین دن تک رونے اور سوگ منانے کی اجازت دی۔[2] اسی طرح اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے بیٹے کی موت پر آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تاہم حضرت زینبؓ کو یہی تلقین فرمائی: ''بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو اس نے لیا اور جو اس نے عطا فرمایا۔ ہر ایک کا اس کے پاس وقت مقرر ہے۔ میری بیٹی کو چاہیے کہ اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھے اور صبر کرے'' ۔[3]

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

○ ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میں اپنے ایمان والے بندے (یا بندی) کو اٹھا لوں اور پسماندگان ثواب کی امید میں صبر کریں تو ان کے لیے جنت ہے'' ۔[4]

○ ''جس مسلمان کے تین نابالغ بچے مر جائیں اور وہ ان پر صبر کرے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ اس کی بخشش کا سبب وہ فضل ورحم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا ان بچوں پر ہے۔ اگر دو بچے مر جائیں تب بھی صبر پر یہی اجر ہے'' ۔ ''اللہ تعالیٰ ماں اور باپ دونوں کو جنت میں

داخل فرمائے گا''۔۵

نوحہ کرنے کی ممانعت

○ ''میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جن کو وہ کبھی چھوڑے گی نہیں؟

(۱) حسب پر فخر کرنا (۲) نسب میں طعن کرنا (۳) ستاروں سے مینہ چاہنا (بارش کا حساب لگانا) (۴) نوحہ کرنا اور نوحہ کرنے والی نے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے دن اس طرح کھڑی کی جائے گی کہ اس پر ایک کرتا قطران کا ہوگا اور ایک خارپشت کا''۔۶

حسب پر فخر کرنا سے مراد اپنے کمالات یعنی شجاعت وفصاحت کا مبالغہ آمیز تذکرہ ہے ابن سکیتؒ کے مطابق حسب اکرم وہ کمالات ہیں جو انسان کی اپنی ذات میں پائے جائیں۔ مجد وشرف وہ کمالات ہیں جو اس کے آباء واجداد میں پائے جائیں۔ اپنا اور اپنے آبا کا حسب بیان کرنے میں فخر بوجہ تکبر یا غیر کو حقیر سمجھنے کے لیے کرنا ناجائز ہے اور نسب میں طعن کرنے سے مراد کسی کے آباء واجداد کو حقیر اور اپنے آباء واجداد کو دوسروں پر فوقیت دینا اور افضل سمجھنا ہے۔ یہ عمل بھی ناجائز ومکروہ ہے۔ البتہ اسلام کے حوالے سے کفار پر برتری بیان کرنا جائز ہے۔

ستاروں سے بارش تلاش کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کفار کا طریقہ تھا کہ فلاں ستارہ فلاں مقام پر ہوگا تو بارش ہوگی، یہ ناجائز ہے بلکہ یہ کہے کہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوتی ہے۔

نوحہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ میّت کے غلو آمیز محاسن بیان کر کے ''بین'' کرنا، جیسے ہائے میرا شیر، ہائے پہاڑ! اس قسم کے اور ہائے حسرت، ہائے مصیبت وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرنا اور بے قراری و اضطراب کا اظہار اور شور وغل وغیرہ۔ نوحہ کرنے والی عورت موت سے پہلے توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے روز سب کے سامنے ذلیل کی جائے گی۔ اس کی یہ رسوائی اس کے نوحہ کی سزا ہوگی۔ اسی طرح اس کے جسم پر قطران (سیاہ رنگ کے تیل) اور درع (خارش زدہ کو پہنائے جانے والے کپڑے) کی قمیص پہنائی جائے گی،

کہ وہ اس دنیا میں سیاہ ماتمی لباس پہنتی تھی یا تو حقیقتاً اسے خارش اور جسم کو رگڑنے کھرچنے کے مرض میں مبتلا کر دیا جائے گا اور اونٹوں کی طرح خارش والا سیاہ تیل جسم پر لگایا جائے گا۔ یا پھر سیاہ تیل لگا کر اسے ذلیل کیا جائے گا۔ مرقاۃ المصابیح میں ہے کہ سیاہ رنگ کے تیل کی قمیص اس لیے پہنائی جائے گی کہ دنیا میں اپنے ماتمی سیاہ لباس پہننے اور کیے کا مزہ چکھے یہ اس کی سزا ہوگی۔

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

○ "وہ شخص جس نے منہ پیٹا، گریبان چاک کیا یا جاہلیت کی باتیں کیں اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں"۔ ۷

○ "اللہ عزوجل آنکھ کے آنسو اور دل کے غم کے سبب عذاب نہیں فرماتا لیکن زبان (سے نوحہ و ماتم) کے سبب عذاب یا رحم فرماتا ہے اور گھر والوں کے رونے پیٹنے سے میت پر عذاب ہوتا ہے"۔ ۸ اے اللہ کے بندو! اپنے مردے کو تکلیف نہ دو۔ جب تم (بلند آواز سے) رونے لگتے ہو وہ بھی روتا ہے"۔ ۹

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر نوحہ و واویلا کرنے، منہ پیٹنے، گریبان چاک کرنے، چہرہ نوچنے، بالوں کو پراگندہ کرنے یا شدت غم اور بے صبری سے سر منڈوانے اور کپڑے پھاڑنے والوں سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ ۱۰

○ "رب رحمان و رحیم فرماتے ہیں کہ اپنے مومن بندے کے بیٹے کی روح کو جب میں قبض کر لیتا ہوں پھر وہ مومن بندہ (صبر کرتے ہوئے) اس پر ثواب کی امید رکھتا ہے تو جنت کے سوا کوئی اس کا بدلہ نہیں ہے"۔ ۱۱

○ حضرت ابن سنانؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ابھی اپنے بیٹے کو دفن کر رہا تھا اور ابھی قبر میں ہی تھا کہ اچانک حضرت ابوطلحہؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: کیا میں تم کو خوشخبری سناؤں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں؟ ۔۔۔ کہنے لگے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی آدمی کا بیٹا مر جائے تو رب رحمان ورحیم ملک الموت سے ارشاد فرماتے ہیں۔ اے ملک الموت! تو نے اس کے بچے کو لے لیا۔ اس کی آنکھ کی ٹھنڈک اور دل کے پھول کو تم نے لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں، جی ہاں! رب رحمان وکریم ارشاد فرماتے ہیں تو پھر میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ آپ کی تعریف کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ارشاد ہوتا ہے میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو جس کا نام بیت الحمد (تعریف کا گھر) رکھ دو"۔[۱۲]

○ حضرت معاویہ ابن قرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی کا ایک ننھا سا بچہ ان کے پیچھے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آ جاتا تھا، ایک دن وہ صحابی محفل سے غیر حاضر تھے۔ رسالت مآبؐ کو جب وجہ معلوم ہوئی کہ وہ ننھا بچہ انتقال کر گیا ہے تو آپؐ تعزیت کے لیے تشریف لے گئے اور فرمایا: اے فلانے، تمہیں ان دونوں میں سے کون سی بات زیادہ محبوب ہے کہ تم زندگی بھر اپنے بیٹے سے نفع اٹھاتے یا جنت کے دروازوں میں سے تم جس دروازے پر جاؤ وہ تمہارے لیے اسے کھولے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے کہ وہ جنت کے دروازوں کی طرف مجھ سے آگے بڑھ جائے اور میرے لیے جنت کے دروازے کھولے۔ فرمایا: تیرے لیے ایسا ہی ہوگا۔۔۔ پھر فرمایا: یہ فضیلت یہ اعزاز (ان) سب کے لیے ہے (جن کا معصوم بچہ انتقال کر جائے اور وہ صبر کریں)"۔[۱۳]

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے گزشتہ شب ایک عجیب خواب دیکھا (انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں) کہ میرے ایک امتی کو (عذاب کے) فرشتوں نے گھیر رکھا ہے۔ پس اس کا وضو مجسم ہو کر آیا اور اس کو فرشتوں کی گرفت سے چھڑا دیا۔ اپنے ایک اور امتی کو دیکھا کہ اس کی ترازو کا (نیک اعمال کا) پلڑا بہت ہلکا ہو رہا ہے۔ پس اس کی پیش رو اولاد آئی (وہ اولاد جو لڑکپن میں مر گئی تھی) اور اپنا وزن پلڑے میں ڈال کر برابر کر دیا"۔[۱۴]

○ میّت پر تین روز تک سوگ منانے کی اجازت ہے۔[۱۵] عورت کے لیے بطور افسوس ہر قسم کی زینت سے اجتناب صبر کے منافی نہیں ہے۔ اپنے بچے یا کسی عزیز کا تین روز تک سوگ مناسکتی ہے، البتہ شوہر کے لیے چار ماہ دس دن تک سوگ منائے۔[۱۶]

○ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے: ''اپنے فوت شدہ افراد کو برامت کہو، انہوں نے جیسے کام کیے، اس کا بدلہ پاچکے''۔[۱۷] ''اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کیا کرو اور ان کی برائیوں سے زبان کو بند رکھو''۔[۱۸] ''مرنے والے کی خوبیاں بیان کیا کریں اور اس کی برائیوں کا ذکر نہ کریں''۔[۱۹]

○ حضرت ابراہیم ابن سرور کائنات کا انتقال ہوا تو اس وقت سورج گرہن لگا ہوا تھا، آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! سورج یا چاند گرہن کسی کی موت کی وجہ سے نہیں لگتا۔ سن لو، یہ تو اللہ کی دو نشانیاں ہیں، کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے نہیں گہناتیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ چنانچہ جب تم ایسی صورت دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو، دعا کرو، استغفار کرو، صدقہ کرو، غلام آزاد کرو، مسجدوں میں جاکر نماز ادا کرو، حتیٰ کہ یہ وقت ٹل جائے''۔[۲۰]

حواشی

۱ بخاری، مسلم
۲ سنن ابی داؤد
۳ بخاری، مسلم
۴ بخاری
۵ متفق علیہ
۶ مسلم
۷ بخاری، مسلم
۸ بخاری، مسلم
۹ بخاری و مسلم
۱۰ بخاری
۱۱ بخاری، ابوداؤد، نسائی
۱۲ مسند امام احمد، ترمذی، ابن حبان
۱۳ نسائی و بیہقی
۱۴ ابن عبدالرزاق
۱۵ ابوداؤد، نسائی
۱۶ بخاری
۱۷ بخاری
۱۸ ابوداؤد
۱۹ عالمگیری
۲۰ بخاری، مسلم

میت کو غسل دینا (نہلانا)

○ تجہیز کے معنی ہیں مردے کو دفن کے لیے تیار کرنا اور تکفین سے مراد کفن دینا، کفنانا، کفن پہنانے کا عمل ہے۔ تجہیز و تکفین سے مراد کفن دفن کا سامان تیار کرنا اور گور گڑھا کرنا وغیرہ ہیں۔ یعنی میّت کی آخری رسومات ادا کرنا مراد لیا جاتا ہے۔ اس میں مردے کو نہلانے، کفن پہنانے، جنازہ تیار کرنے بلکہ دفن تک کے تمام مراحل شامل ہیں اور پہلا مرحلہ غسل دینے کا ہے۔

○ میت کے کفن دفن کی تیاری جلدی کی جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا یہی ارشاد ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت طلحہؓ کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے اور واپس جاتے ہوئے فرما گئے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ طلحہ کی موت کا وقت اب قریب آ گیا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے، تو مجھے خبر کی جائے اور ان کی تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے کیونکہ کسی مسلمان کی میت کو اس کے اہل و عیال کے پاس زیادہ دیر رکھنا مناسب نہیں۔[1]

○ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب تمہارا کوئی آدمی انتقال کر جائے تو اس کو دیر تک گھر میں مت رکھو اور قبر تک پہنچانے اور دفن کرنے میں سرعت سے کام لو''۔[2] ---
لہٰذا مسلمان میت کی تجہیز و تکفین میں غیر ضروری تاخیر نہیں کرنی چاہیے البتہ کوئی بہت قریبی عزیز ہو تو اس کا تھوڑا بہت انتظار کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

○ تجہیز و تکفین کے تمام تر مشروع اخراجات میّت کے ترکہ میں سے ادا کیے جائیں

گے بلکہ اس کے ترکہ میں یہ اخراجات سرفہرست ہیں، اس کے بارے میں تفصیل آگے بیان کی گئی ہے

○ ترکہ سے دوسرے نمبر پر میّت کے ذمے قرضوں کی ادائیگی آتی ہے۔ اس کا جلد اہتمام ہونا چاہیے۔[۳] کیونکہ فرمان رسولؐ ہے کہ ''مومن کی روح قرض کے سبب (زمین و آسمان کے درمیان) معلق رہتی ہے۔ جب تک اس کے ذمے جو قرض اور دین ہے وہ ادا نہ ہو جائے''۔[۴]

○ میّت نے اگر کوئی ترکہ نہ چھوڑا ہو تو تجہیز و تکفین کے اخراجات اس کے وارث دیں یا سرکاری خزانے سے ادا کیے جائیں یا مسلمان باہم مل کر برداشت کریں ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

○ میّت کی تجہیز و تکفین کے اخراجات کسی نے ورثا کی موجودگی میں ادا کیے ہوں تو ورثا سے جبراً وصول نہیں کرسکتا کیونکہ یہ احسان ہے جو اس نے ازخود کیا تھا۔[۶]

○ زکوٰۃ کی رقم کسی میّت کی تجہیز و تکفین پر خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، خواہ میّت فقیر ہی کیوں نہ ہو، البتہ زکوٰۃ کی رقم کسی زندہ مستحق فرد کو دی جائے اور وہ اپنی آزادانہ مرضی سے تجہیز و تکفین میں خرچ کر دے تو اسے ثواب ہوگا اور زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔

○ مردے کو غسل دینا زندوں کے اوپر فرض کفایہ ہے جس نے رضائے الٰہی کے لیے کسی مسلمان میّت کو غسل دیا اور میّت کی ناپسندیدہ باتوں کی پردہ پوشی کی، اس کے بارے میں رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں''۔[۷] نیز یہ کہ ''جو میّت کو غسل دے، اسے کفنائے، خوشبو لگائے، اس پر نماز پڑھے اور اس کے عیب کو چھپائے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے''۔[۸]

○ میّت کو نہلانے کا پہلا حق اس کے قریب ترین رشتہ داروں کا ہے لیکن کوئی دوسرا

شخص بھی نہلا سکتا ہے بشرطیکہ وہ ضروری مسائل سے واقف اور دین دار ہو۔ اجرت لے کر غسل دینے والا ثواب کا مستحق نہیں ہوگا۔۹

○ مردوں کو مرد اور عورتوں کو عورتیں غسل دیں جو آداب و مسائل غسل سے واقف ہوں۔۱۰ البتہ میاں بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں، مگر حنفیہ کے نزدیک بیوی تو شوہر کی میّت کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ وہ اس کی عدّت میں ہوتی ہے۔ شوہر بیوی کی میت کو غسل نہیں دے سکتا اور نہ ہی اسے چھو سکتا ہے کیونکہ فوت ہونے پر وہ اس کی زوجیت سے نکل جاتی ہے، اسی طرح حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک وہ بیوی بھی شوہر کو غسل نہیں دے سکتی جسے طلاق بائنہ دی جا چکی ہو خواہ وہ عدّت ہی میں کیوں نہ ہو۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ یہ روایت درست نہیں کہ حضرت فاطمہؓ کو حضرت علیؓ نے غسل دیا تھا بلکہ انہیں غسل حضرت ایمن رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔

○ غسل دینے والا پاک وصاف اور باوضو ہو، جنبی مرد یا حیض ونفاس والی عورت کا میّت کو غسل دینا مکروہ ہے، گو غسل ہو جائے گا، اسی طرح اگر کوئی بے وضو میّت کو نہلا دے، تو اس میں کراہت بھی نہیں ہے۔۱۲

○ کمسن اور معصوم بچے یا بچی کو غسل دینے میں عورت و مرد کی کوئی قید نہیں ہے۔۱۳ البتہ ایسے نابالغ لڑکے اور لڑکی کو جسے دیکھنے سے شہوت ہوتی ہو بالترتیب مرد اور عورت غسل دیں۔

شرائط غسل

○ میّت کو غسل دینے کے لیے میت کا مسلمان ہونا پہلی شرط ہے۔ کافر کو غسل دینا حرام ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں حرام نہیں۔ کیونکہ یہ غسل ستھرائی کے لیے ہوگا مذہبی حکم کے طور پر نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ میت ساقط شدہ یا کچا بچہ نہ ہو۔۱۴ ساقط شدہ بچے کو غسل دینا فرض نہیں شافعیہ کہتے ہیں اگر ساقط بچے میں جان پڑ چکی ہو تو غسل واجب ہوگا۔ حنابلہ کے

نزدیک اگر حمل ماں کے پیٹ میں پورے چار ماہ رہے اور ساقط ہو جائے تو غسل دینا واجب ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ساقط شدہ بچے میں زندگی کی کوئی علامت پائی جائے تو غسل واجب ہے ورنہ مکروہ ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ میّت کے جسم کا کچھ حصہ مل جائے خواہ وہ کتنا ہی تھوڑا ہو، اس میں شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے، لیکن حنفیہ کے لیے میّت کا بیشتر حصہ یا نصف حصہ مع سر موجود ہونا چاہیے۔ بصورت دیگر نہ غسل ہے نہ کفن نہ نماز۔15 جب کہ مالکیہ کے نزدیک میّت کا دوتہائی حصہ نہ ہو تو غسل دینا فرض نہیں۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ میّت شہید کی نہ ہو کیوں کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو غسل نہ دیا جائے گا، کہ ان کا ''ہر زخم یا خون قیامت کے روز مشک کی طرح مہکتا ہوگا''۔16

غسل کا طریقہ

○ بہتر ہے کہ غسل دینے سے قبل غسل کے لیے درکار تمام چیزیں جمع کر لی جائیں یہ اشیاء حسب ذیل ہیں:

(۱) پانی کے برتن (۲) لوٹا (۳) غسل کا تختہ (۴) استنجے کے ڈھیلے ۳/۵ عدد، (۵) بیری کے پتے (۶) لوبان ایک تولہ (۷) عطر ۳ ماشہ (۸) روئی نصف چھٹانک (۹) گل خیرو یا نہانے کا صابن (۱۰) کافور چھ ماشہ (۱۱) تہبند دو عدد (بالغ مرد کے لیے ۱۴ گرہ یا ایک چادر بھی کافی ہے اور عورت کے لیے ۱۴ گرہ x سوا گز کپڑے کی دو چادریں اور بہ امر مجبوری ایک چادر کافی ہے۔ (۱۲) موٹے کپڑے کے دو دستانے یا تھیلیاں۔

○ غسل دینے میں گھر کے برتن استعمال کیے جائیں۔ نئے برتن منگوانا ضروری نہیں۔ یہ جو غسل کے گھڑے توڑنے یا قبر پر رکھنے کی رسم ہے اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ انہیں پاک کر کے عام استعمال میں لایا جائے۔17

○ غسل ایسی جگہ دیا جائے، کہ پانی بہہ کر پھیل نہ جائے ورنہ لوگوں کے چلنے پھرنے میں تکلیف ہوگی۔18

○ پانی دستیاب نہ ہونے یا میّت کے جل جانے یا کسی اور سبب سے نہلانے کے قابل نہ رہنے کے باعث میّت کو غسل دینا دشوار ہو تو اس کا تیمّم کیا جائے۔ اور اگر تیمّم کے بعد پانی مل جائے تو اس کو غسل دے دینا چاہیے۔[19] البتہ میّت کا بدن اگر ایسا ہو گیا ہو کہ ہاتھ لگانے سے کھال ادھڑنے کا خدشہ ہو تو ہاتھ نہ لگائیں، صرف پانی بہا دیں۔[20]

○ غسل دینے والے پر لازم ہے کہ وہ میّت میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو ظاہر نہ کرے، لیکن کوئی اچھی علامت دیکھے تو اسے بیان کرنا مستحب ہے مثلاً چہرہ کی نورانیت وغیرہ۔[20] رسول اللہؐ نے فرمایا ''جس نے کسی مسلمان کو غسل دیا اور اس کے عیب کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اسے چالیس مرتبہ معاف فرمائیں گے''۔[22]

غسل میّت کے مستحباب

☆ غسل دینا صرف ایک بار فرض ہے اس طور کہ تمام بدن پر پانی پھیل جائے، حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تین بار غسل دینا سنت ہے لیکن مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ غسل تین، پانچ یا سات یا اس سے زیادہ مرتبہ بھی دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ طاق عدد میں ہو۔[23]

○ بنت رسولؐ حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ ''طاق غسل دینا یعنی تین، پانچ، سات مرتبہ اور آخری مرتبہ کافور سے کچھ لگا دینا''۔[24]

○ جب میّت کو تین بار اس طرح غسل دے دیا جائے کہ ہر بار اس کا بدن دھل جائے اور صاف ہو جائے تو اس سے زیادہ مرتبہ غسل دینا مکروہ ہے۔ تین بار غسل دینا سنت اور ضروری ہے خواہ اس سے کم ہی میں جسم صاف ہو گیا ہو۔ لیکن اگر بطریق مذکورہ تین بار تمام جسم کو غسل دینے سے بدن صاف نہ ہو تو تین دفعہ سے زیادہ دھونا مستحب ہے، تاکہ بدن صاف ہو جائے، لیکن غسل کی تعداد طاق ہو۔ البتہ مالکیہ آٹھ بار سے زائد غسل دینے کے

حق میں نہیں، صفائی ہو یا نہ ہو۔ حنابلہ عدم صفائی کی صورت میں سات بار سے بھی زیادہ بلکہ اتنی دفعہ تک غسل دینے کو جائز قرار دیتے ہیں جتنی دفعہ میں صفائی ہو سکے بہر حال غسل کی تعداد طاق ہونی چاہیے۔

○ میت کو جس پانی سے غسل دیا جائے دوسرا امر مستحب یہ ہے کہ اس میں بیری کے پتوں یا کوئی دوسری میل دور کرنے والی شے جیسے صابن وغیرہ ملا لیا جائے تاکہ صفائی حاصل ہو، اور آخری بار کے غسل کے پانی میں خوشبو کی آمیزش کی جائے، اس کے لیے کافور افضل ہے۔ ۲۵ البتہ حنابلہ اور شافعیہ اس میّت کے آخری پانی میں خوشبو ملانے کو روا نہیں رکھتے جو حالت حج میں احرام کے لباس میں ہو، جبکہ حنفیہ اور مالکیہ ایسا کوئی فرق نہیں رکھتے۔ مالکیہ پہلا غسل صاف اور سادہ پانی سے دینے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

○ تیسرا امر مستحب یہ ہے کہ غسل ٹھنڈے پانی سے دیا جائے، البتہ سخت سردی یا میل کچیل کاٹنے کی مجبوری ہو تو نیم گرم پانی بھی روا ہے، حنابلہ اور شافعیہ اس پر متفق ہیں۔ مالکیہ ٹھنڈے یا نیم گرم یا گرم پانی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ بہر حال گرم پانی افضل ہے۔

○ چوتھا مستحب امر یہ ہے کہ غسل دینے کے بعد میّت کے سر اور داڑھی میں خوشبو ترجیحاً کافور لگایا جائے، لیکن زعفران نہ ہو۔ اسی طرح میّت کی پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں، دونوں پاؤں، دونوں کانوں، دونوں آنکھوں نیز بغلوں کے نیچے بھی خوشبو (ترجیحاً کافور) لگائی جائے۔ مالکیہ کے سوا اس پر سب متفق ہیں۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ سر اور داڑھی میں خوشبو لگانا مستحب نہیں ہے۔

○ پانچواں امر مستحب یہ ہے کہ میّت کے قریب دھونی دی جائے، حنفیہ تین موقعوں پر دھونی دینے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ ۲۷ پہلی بار جان کنی کے فوراً بعد، دوسری مرتبہ میّت کو اونچی جگہ رکھنے سے پہلے بھی اس تختے یا چبوترے کے گرد انگیٹھی یا دھونی کے برتن کو تین،

پانچ، یا سات بار پھرایا جائے اس کے بعد میّت کو اس پر رکھا جائے۔ دوسری بار غسل دینے سے پہلے نہلانے کے تختے کے اردگرد اسی طرح پھرایا جائے، تیسری مرتبہ کفن پہنانے کے وقت اسی طرح کیا جائے۔ حنابلہ غسل سے فراغت تک غسل کی جگہ دھونی دینے کا کہتے ہیں۔شافعیہ کہتے ہیں کہ میّت کے قریب جان نکلنے کے بعد سے جنازہ پڑھنے تک دھونی دی جائے، مالکی دھونی دینے کو امر مستحب قرار نہیں دیتے۔

○ مستحب ہے کہ غسل دینے کے وقت میّت کو نہلانے کے تختے وغیرہ پر اس طرح لٹایا جائے کہ سر شمال کی طرف ہو اور قبلہ اس کے دائیں طرف ہو، اگر کچھ مشکل ہو تو جس طرف چاہیں لٹادیں۔[۲۸] میّت کو نہلانے کے لیے تختے کو شمالاً جنوباً یا شرقاً غرباً رکھنے کی کوئی قید نہیں جو صورت آسان ہو اس پر عمل کریں۔[۲۹]

○ مستحب یہ ہے کہ میّت کے پاس غسل دینے والے اور اس کے معاون کے سوا اور کوئی نہ ہو، نیز غسل دینے کی جگہ باپردہ ہو۔[۳۰]

○ چھٹا امر مستحب یہ ہے کہ غسل کے وقت میّت کے تمام کپڑے سوا لباس ستر اتار دیئے جائیں۔نہلانے کی غرض سے میّت کے اوپر کوئی بڑا اور موٹا کپڑا ڈال کر اس کے تمام کپڑے اتارے جائیں۔ یہ کپڑا اتنا موٹا ہو کہ بھیگنے کے بعد اندر کا بدن نظر نہ آئے، مرد کے لیے یہ کپڑا ناف سے پنڈلی تک ہوگا۔[۳۱] جب کہ عورت کا ستر سینے کے اوپر کے حصے سے پنڈلی تک ہے۔[۳۲] اس لیے عورت کے اوپر ڈالا جانے والا کپڑا گردن سے پنڈلی تک ہوگا اور اس طرح ڈالا جائے کہ کوئی عورت بھی اس کے ستر کو نہ دیکھ سکے۔اس پر تین آئمہ کا اتفاق ہے۔شافعیہ کہتے ہیں کہ میّت کو اس باریک کرتے میں جس سے پانی کے بہنے میں رکاوٹ نہ ہو، نہلانا مستحب ہے۔اگر یہ ممکن ہو تو نہلانے والا کرتے کی چوڑی آستین میں ہاتھ ڈال کر دھوئے۔اگر ایسا ممکن نہ ہو تو آستین کو دونوں طرف سے پھاڑ لیا جائے۔

○ میّت کا ستر ڈھانپنا اور اسے نہ چھونا واجب ہے یہ پابندی صرف نہلانے والے پر

ہی نہیں بلکہ کسی کے لیے بھی میّت کا ستر دیکھنا اور چھونا حلال و روا نہیں۔

- میّت کو غسل دینے والے کے لیے لازم ہے کہ غسل شروع کرنے سے پہلے اپنے بائیں ہاتھ میں کپڑے کی دھجی لپیٹ لے یا دستانہ پہن لے۔ پھر میّت کو مٹی کے تین یا پانچ ڈھیلوں سے استنجا کرائے۔ پھر دستانے/ دھجی کو تر کر کے اگلی پچھلی شرم گاہوں کو دھوئے یعنی پانی سے پاک کرے اور اگر بدن پر کوئی ناپاکی لگی ہو تو اسے صاف کرے۔ بہتر ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ پر دستانہ پہن کر کپڑے کے نیچے ہاتھ لے جا کر میّت کا ڈھیلے سے تین/ پانچ مرتبہ استنجا کرایا جائے پھر پانی سے طہارت کی جائے، ازاں بعد پہلی دھجی/ دستانہ اتار کر پھینک دے پھر نیا دستانہ پہن کر میّت کا وضو کرائے۔[۳۳]

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "غسل دائیں طرف اور وضو کی جگہوں سے شروع کریں"[۳۴]

- (طہارت کے بعد اور غسل سے پہلے) میّت کا وضو کرایا جائے۔ وضو میں ابتدا چہرے کو دھونے سے ہونی چاہیے۔ پھر وضو اس طرح کرائیں کہ نہ کلی کرائیں نہ ناک میں پانی ڈالیں، نہ پہنچے (گٹے) تک ہاتھ دھلائیں بلکہ روئی کا پھایا یا کوئی دھجی پانی سے تر کر کے بالترتیب ہونٹوں، دانتوں اور مسوڑھوں پر پھیر کر پھینک دیں، اس طرح تین دفعہ کریں۔ پھر اسی طرح ناک کے دونوں سوراخوں (نتھنوں) کو روئی کے پھاہے سے صاف کریں، یہ عمل بھی تین دفعہ کریں۔[۳۵] حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک غسل کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے ساتھ کرایا جائے جبکہ حنفیہ صرف جنبی مرد اور حیض و نفاس والی عورت کی میّت کے غسل میں منہ اور ناک میں پانی ڈالنے کو ضروری قرار دیتے ہیں اور وہ اس طرح کہ پانی منہ اور ناک میں ڈال کر کپڑے سے نکال لیا جائے تاہم متاخرین حنفیہ میّت کو کلی کرانے اور ناک میں پانی ڈالے بغیر غسل کرانے کو روا سمجھتے ہیں۔ ازاں بعد ناک، منہ اور کانوں میں روئی رکھ دی جائے تاکہ وضو اور غسل کرتے وقت پانی اندر نہ جائے۔[۳۶] پھر منہ دھلائیں، پھر

ہاتھ کہنیوں سمیت دھلائیں اور سر کا مسح کرائیں اور تین دفعہ دونوں پاؤں دھوئیں۔[۳۷]

جب وضو کرا چکیں تو سر کو گل خیرو یا خطمی یا کھلی یا صابن وغیرہ سے مل کر دھوئیں۔ میّت اگر مرد کی ہے تو داڑھی کے بالوں کو بھی کسی میل کاٹنے والی (صابن وغیرہ سے) چیز سے دھوئیں۔ جب کہ عورت کی مینڈھیاں کھول کر بال اچھی طرح دھوئے جائیں تا کہ اچھی طرح صاف ہو جائیں۔ اب میّت کو بائیں کروٹ لٹا کر بیری کے پتوں میں پکایا ہوا یا صابن ملا نیم گرم (جیسا بھی ہو) پانی دائیں کروٹ پر تین یا پانچ مرتبہ سر سے پاؤں تک اتنا ڈالا جائے کہ پانی نیچے کی بائیں کروٹ تک پہنچ جائے، پانی ڈالنے کے دوران میں میّت کے جسم کو ہاتھ سے دھوئیں اور ''غفرانک یا رحمٰن'' پڑھتے رہیں۔ پھر دائیں کروٹ لٹا کر بائیں کروٹ پر اسی طرح تین یا پانچ مرتبہ پانی ڈالیں یہ پہلا غسل ہوا اور فرض کفایہ ادا ہو گیا۔ اس کے بعد دو غسل اور دیئے جائیں تو سنت ادا ہو جائے گی ان کا طریقہ یہ ہے کہ میّت کو اسی طرح پہلے بائیں پھر دائیں کروٹ لٹا کر تین تین بار پانی بہایا جائے بعد ازاں غسال میّت کو اپنے بدن کی ٹیک لگا کر بٹھانے کے قریب کر دے اور اس کے پیٹ کو اوپر سے نیچے کی طرف آہستہ آہستہ دبائے (حاملہ عورت کی میّت کو دبایا نہ جائے)۔ اس سے اگر کچھ نجاست وغیرہ خارج ہو تو اسے پونچھ دیں، یہ دوسرا غسل ہو گا۔ اس کے بعد میّت کو پھر بالترتیب بائیں اور دائیں کروٹ لٹا کر بطریق سابق پانی بہایا جائے یہ تیسرا غسل ہو گا۔ ابتدائی دو غسل نیم گرم پانی سے اور میل کاٹنے والی شے کے ساتھ دیئے جائیں تیسرے یعنی آخری غسل میں کافور استعمال کیا جائے۔ اس کے بعد میّت کے بدن کو پونچھ کر خشک کر لیا جائے، تہبند بدل دیں اور غسل کے تختے سے اٹھا کر کفن پر رکھ دیں، ناک اور کان وغیرہ کی روئی نکال دیں اور میّت کے سر کے بالوں اور داڑھی وغیرہ پر کوئی خوشبو اور پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیوں، گھٹنوں اور پاؤں پر کافور مل دیں، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہی طریقہ مسنون ہے۔[۳۸]

مالکیہ کے نزدیک پہلا غسل خالص پانی سے اور دوسرا اور تیسرا غسل صابن کے پانی سے دیا جانا چاہیے اور آخری پانی میں کافور ملا لینا چاہیے۔ اگر تیسری بار نجاست صاف نہ ہو تو چوتھا غسل سادہ پانی سے دیا جائے اور پانچواں صابن ملے پانی سے۔ اسی طرح چھٹی بار غسل پانی سے دیا جائے، پھر ساتواں اور آٹھواں، اگر پھر بھی صفائی نہ ہو تو نواں غسل نہ دیا جائے۔ شافعیہ کے نزدیک نو بار غسل دینا مسنون ہے۔ حدیث سے تین، پانچ، سات یا اس سے بھی زیادہ بار غسل دیا جانا ثابت ہے، بشرطیکہ غسل طاق عدد میں ہو۔ لیکن اگر میّت کو اس طریقہ سے نہ بھی نہلایا جائے اور صرف ایک دفعہ سارا بدن دھو ڈالا جائے تب بھی فرض ادا ہو جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ غسل دینے کے وقت میّت کو کسی اونچی چیز مثلاً نہلانے کے پٹڑے (تختے) پر رکھا جائے اور غسل دینے سے پہلے تین بار، پانچ بار یا سات بار دھونی کی انگیٹھی کو پٹڑے کے گرد پھرایا جائے۔ پھر میّت کے تمام کپڑے سوا لباس ستر کے اتار دیئے جائیں اور میّت کا غسل کرایا جائے جبکہ مالکیہ کہتے ہیں کہ میّت کو اونچی جگہ رکھا جائے۔ پھر لباس ستر کے علاوہ تمام کپڑوں کو اتار دیا جائے۔ ستر عورت مغلظہ یا مخففہ کا باقی رکھنا واجب ہے۔ اس کے بعد میّت کے ہاتھوں کو تین بار دھونا چاہیے۔ پھر اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ دبانا چاہیے تاکہ اندر کی غلاظت پہلے خارج ہو جائے، غسل کے بعد نہ نکلے۔ پھر غسّال اپنے ہاتھ پر موٹی دھجی لپیٹ لے اور آگے پیچھے کی راہ کو پانی بہا کر دھوئے۔ پھر بدن پر جو ناپاکی لگی ہو اسے دھوئے پھر کلی کرائے اور ناک صاف کرے، اس وقت میّت کے سر کو آہستہ آہستہ اپنے سینے کی جانب کر لے پھر اس کے دانتوں اور نتھنوں کے اندرونی حصے کو دھجی سے صاف کرے اور پورے طور پر وضو کرائے۔ ہر عضو کو تین بار دھوئے۔ پھر تین بار میّت کے سر پر پانی ڈالے۔ اس کے بعد میّت کا دایاں پہلو، پیٹھ اور پیٹ سمیت دھویا جائے۔ اس طرح پہلا غسل مکمل ہو گیا۔ پھر دوسرا اور تیسرا غسل اسی طرح دیا جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ میّت کواونچی جگہ پر رکھنا، اور غسل علیحدہ جگہ پر دینا جہاں نہلانے والے اور اس کے مددگار کے سوا کوئی نہ ہو مستحب ہے اور یہ کہ جسم پر پتلے کپڑے کا کرتہ ہو جس کے اندر سے پانی بہنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ اگر نہلانے والے کے لیے میّت کی آستینوں میں ہاتھ ڈال کر دھونا ممکن نہ ہو تو کرتے کو دونوں طرف سے پھاڑ لیا جائے۔ اگر کرتا نہ ہو تو میّت کے ستر کا ڈھکنا واجب ہے اور مستحب یہ ہے کہ غسل کے آغاز ہی سے چہرہ پر پردہ ڈال لیا جائے۔ پھر غسل دینے والا آہستگی سے میّت کو کسی اونچی جگہ بٹھائے۔ اپنا دایاں ہاتھ میّت کے مونڈھے پر رکھے اور انگوٹھا گدی پر ہو اور دائیں گھٹنے سے میّت کی پیٹھ کو سہارا دیے رکھے۔ بایاں ہاتھ میّت کے پیٹ پر پھیرے اور چند بار آہستہ آہستہ دبائے تاکہ پیٹ کا فضلہ باہر آجائے۔ اس وقت مستحب ہے کہ اس کے پاس دھونی والی انگیٹھی ہو۔ پانی کثرت سے بہایا جائے تاکہ بدبو نہ پھیلے۔ بعد ازاں میّت کو پیٹھ کے بل لٹایا جائے اور غسال اپنے دائیں ہاتھ پر دھجی لپیٹ کر آگے پیچھے کی راہوں اور ستر کے باقی حصوں کو دھوئے۔ پھر نجاست آلود دھجی کو اتار کر اپنا ہاتھ پانی اور صابن سے دھوئے۔ پھر دوسری دھجی بائیں ہاتھ کی انگشت شہادت پر لپیٹ کر میّت کے دانتوں اور نتھنوں کو صاف کرے اور اگر دانتوں میں نجاست ہو تو انہیں کھولنے میں حرج نہیں۔ پھر اسی طرح میّت کو وضو کرائے جس طرح زندوں کا وضو ہوتا ہے یعنی کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے ساتھ۔ غسال پر وضوئے میّت کی نیت کرنا واجب اور غسل کی نیت کرنا سنت ہے۔ اس کے بعد میّت کے سر اور داڑھی کو دھویا جائے۔ اس میں بالخشک نہ رہ جائیں۔ غسل کے پانی میں بیری کے پتے یا صابن وغیرہ ہونا چاہیے۔ میّت غیر محرم کے داڑھی اور سر کے بال جڑ گئے ہوں تو موٹے دندانے والی کنگھی اس طرح کی جائے کہ کوئی بال نہ جھڑے۔ اگر کوئی بال جھڑے تو اسے میّت کے کفن میں لپیٹ دینا چاہیے۔ کنگھی کے بعد میّت کے دائیں پہلو کو گردن سے پاؤں تک چہرے کی (اگلی) جانب سے دھونا چاہیے۔ اسی طرح بائیں پہلو کو بھی۔ پھر میّت کو بائیں

پہلو بدل کر دائیں پہلو کو گدّی اور پیٹھ سے قدم تک دھویا جائے، پھر اسی طرح بائیں پہلو کو دھویا جائے، اور دھونے میں صابن کا استعمال کیا جائے۔ (میّت کو اوندھے منہ لٹانا احترام کے پیش نظر حرام ہے)۔ اس کے بعد میّت کے اوپر سر سے لے کر قدم تک پانی بہایا جائے تاکہ صابن وغیرہ ڈھل جائے اور آخر میں سادہ پانی بہادیا جائے۔ یہ پہلا غسل ہے۔ آخری یا تیسرے غسل کے آخر میں سادہ پانی میں کافور وغیرہ ملا کر میّت پر بہایا جائے۔ کافور اتنا ملایا جائے کہ اس سے پانی کی صفات میں فرق نہ آئے۔ اگر اس غسل پر اکتفا کیا جائے تو فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔ دوسرا اور تیسرا غسل بھی اسی طرح دینا سنت ہے۔ غسل کی تعداد نو (۹) ہو جائے تو ستر چہرے اور داڑھی کو ہر بار دھونا پڑے گا اور ایسا کرنا مستحب ہے۔

حنابلہ کے نزدیک غسل دینے کا ارادہ کیا جائے تو واجب ہے کہ میّت کے ستر کو ڈھکا جائے پھر اس کے لباس کو بطریق مستحب اتارا جائے۔ قمیص پتلی اور آستین چوڑی ہو تو اس میں غسل دینا جائز اور میّت کو آنکھوں سے اوجھل رکھنا سنت ہے۔ اگرچہ چھت یا خیمہ کے نیچے ہو۔ غسل دیتے وقت میّت کے سر کو اس قدر اونچا اٹھالیا جائے کہ وہ بیٹھنے کے قریب ہو جائے۔ پھر آہستہ آہستہ پیٹ کو دبایا جائے تاکہ غلاظت باہر نکل آئے۔ اس وقت کثرت سے پانی بہایا جائے تاکہ غلاظت بہہ جائے۔ اسی طرح نہلانے کی جگہ خوشبو کی دھونی دی جائے تاکہ بدبو نہ آئے۔ پھر غسال ہاتھ پر موٹی دھجی باندھے اور میّت کی شرم گاہ کو دھوئے۔ پھر دوسری دھجی باندھ کر دوسری شرم گاہ کو دھوئے۔ مستحب یہ ہے کہ کپڑا لپیٹے بغیر میّت کے تمام بدن کو ہاتھ نہ لگایا جائے اور جب اس طرح آگے پیچھے سے دھولیا جائے تو غسال غسل دینے کی نیت کرے ورنہ غسل صحیح نہ ہوگا۔ اس کے بعد غسال صرف ''بسم اللہ'' کے الفاظ کے بعد میّت کے دونوں ہاتھ دھلائے پھر میّت کے جسم پر جو نجاست ہو اسے دھویا جائے بعد ازاں غسّال اپنی کلمہ کی (بڑی) انگلی اور انگوٹھے پر ایک موٹی سی دھجی لپیٹ کر اسے پانی میں بھگوئے۔ اس سے دانتوں اور نتھنوں کو صاف کرنا مستحب ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ نہلانے

سے پہلے میّت کو وضو کرایا جائے اس میں کلی اور ناک کا صاف کرنا نہیں ہے۔ پھر داڑھی اور سر کو صابن وغیرہ میل کاٹنے والی شے سے دھویا جائے۔ پھر دایاں ہاتھ مونڈھوں تک، پھر مونڈھے، پھر سینے کا بایاں پہلو دھویا جائے۔ غسال پر لازم ہے کہ وہ دونوں جانب دھوتے ہوئے میّت کے پہلو کو بدلتا رہے۔ پھر میّت کے دائیں پہلو کو اونچا کر کے اس کی پیٹھ، کولھے اور رانوں کو دھویا جائے۔ منہ کے بل اوندھا نہ کیا جائے، پھر بائیں پہلو کو بھی اسی طرح دھویا جائے اور بالآخر سادہ پانی میّت کے تمام بدن پر بہا دیا جائے۔ یہاں پر ایک غسل مکمل ہو جائے گا۔ اسی پر اکتفا کرنا جائز ہے لیکن سنت یہ ہے کہ اسی طرح تین بار غسل دیا جائے۔

- میّت کے اوپر پانی برس جائے یا وہ کسی اور طرح سے بھیگ جائے یا پانی میں ڈوب کر مر جائے اس کے باوجود غسل دینا ضروری ہے کہ میّت کو غسل دینا زندوں پر واجب کیا گیا ہے۔ ہاں اگر ڈوب کر ہلاک ہونے والے کو پانی سے نکالتے وقت غسل کی نیت سے پانی میں حرکت دے دی جائے تو غسل کا فرض ادا ہو جائے گا۔[۳۹]
- غسل کے صحیح ہونے کے لیے نیّت ضروری نہیں، البتہ ادائے فرض کفایہ پر ثواب حاصل کرنے کے لیے نیّت شرط ہے۔[۴۰]
- میّت کو غسل دینے والے کے لیے بعد میں خود غسل کرنا ضروری نہیں البتہ مستحب ہے۔ اسی طرح جو جنازہ اٹھائے وہ وضو کر لے، حدیث رسولؐ میں ہے ''جب میّت کو غسل دو تو تمہارے لیے غسل کرنا ضروری نہیں کیونکہ تمہارے مردے نجس نہیں، بس اپنے ہاتھ دھو لو۔ یہ کافی ہے۔ امام محمد، امام ابوحنیفہ، امام ترمذی اور امام شافعی سب کا یہی مسلک ہے۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میّت کو غسل دینے والے پر غسل نہیں''۔[۴۲]
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے ''ہم میّت کو غسل دیا کرتے تھے کوئی غسل کر لیتا تھا اور کوئی نہیں کرتا تھا''۔[۴۳]
- میّت کے سر میں یا داڑھی کے بالوں میں کنگھی کرنا، ناخن کاٹنا یا کسی جگہ کے بال

مونڈنا یا کترنا مکروہ تحریمی ہے۔ حکم یہ ہے کہ جس حالت پر ہو اسی حالت پر دفن کر دیں۔ ہاں اگر ناخن ٹوٹا ہو تو لے سکتے ہیں اور اگر ناخن یا بال تراش لیے تو کفن میں رکھ دیں۔ ۴۳؎

○ حنفیہ کے نزدیک میّت سے نجاست بعد غسل خارج ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ کفنانے سے پہلے بہ خیال صفائی اسے دھو دینا چاہیے، کفنانے کے بعد ایسا ہو تو دھونا نہیں چاہیے۔ ۴۴؎ البتہ حنابلہ کے نزدیک بعد از غسل کفنانے سے پہلے نجاست خارج ہونے کی صورت میں اسے دھونا اور دوبارہ غسل دینا واجب ہے، خواہ سات بار کیوں نہ غسل دینا پڑے۔ ساتویں غسل کے بعد خارج ہونے والی نجاست کو دھونا واجب ہے، غسل دینا لازم نہیں۔ البتہ کفنانے کے بعد ایسا ہو تو دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔

○ نہلانے کے بعد اگر ناک، کان، منہ اور دیگر سوراخوں میں روئی رکھ دیں تو کوئی حرج نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ نہ رکھیں۔ ۴۵؎

○ میّت کے دونوں ہاتھ کروٹوں میں رکھیں۔ سینہ پر نہ رکھیں کہ یہ کفّار کا طریقہ ہے۔ بعض جگہ ناف کے نیچے اس طرح رکھتے ہیں جیسے نماز کے قیام میں رکھتے ہیں، یہ بھی نہ کریں۔ ۴۶؎

حواشی

۱ ابی داؤد
۲ بیہقی، شعب الایمان
۳ عالمگیری
۴ ترمذی، ابن ماجہ
۵ درمختار، شامی
۶ درمختار، شامی
۷ مستدرک حاکم، طبرانی
۸ ابن ماجہ، نیل الاوطار، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق
۹ شامی، درمختار
۱۰ عالمگیری
۱۱ درمختار وغیرہ
۱۲ عالمگیری، جلد اول
۱۳ عالمگیری جلد اول
۱۴ عالمگیری، درمختار
۱۵ دالمگیری، درمختار
۱۶ مسند احمد
۱۷ بہشتی زیور، فتاویٰ رضویہ
۱۸ بہشتی زیور
۱۹ بہشتی زیور
۲۰ عالمگیری جلد اول
۲۱ شامی
۲۲ مستدرک حاکم
۲۳ بخاری، مسلم، ابن ابی شیبہ
۲۴ بخاری، مسلم، ابن ابی شیبہ
۲۵ بخاری، مسلم
۲۶ درمختار، شامی
۲۷ مسافر آخرت
۲۸ مسافر آخرت
۲۹ فتاویٰ رضویہ
۳۰ عالمگیری، درمختار وغیرہ
۳۱ ابی داؤد
۳۲ سورہ النور، : ۳۱
۳۳ درمختار، عالمگیری
۳۴ بخاری، مسلم
۳۵ درمختار، عالمگیری
۳۶ فتاویٰ رضویہ بحوالہ درمختار، عالمگیری
۳۷ درمختار، عالمگیری
۳۸ فتاویٰ ہندیہ، عالمگیری، درمختار وغیرہ
۳۹ درمختار، عالمگیری وغیرہ
۴۰ درمختار، عالمگیری
۴۱ مستدرک حاکم
۴۲ ابن ابی شیبہ
۴۳ دار قطنی
۴۴ درمختار، عالمگیری وغیرہ
۴۵ عالمگیری، درمختار وغیرہ
۴۶ درمختار، بہار شریعت

میّت کو کفن دینا (کفنانا)

○ میّت کو کفن پہنانا فرض کفایہ ہے[1]۔ کفن میت کے خالص ذاتی مال سے ہونا چاہیے۔ اگر اس کا خالص مال موجود نہ ہو تو کفن اس شخص کے ذمہ ہے جس پر زندگی میں اس کا نفقہ واجب تھا اور صاحبِ حیثیت خاوند پر بہر صورت اپنی بیوی کو کفن دینا واجب ہے۔ لیکن حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک خاوند پر بیوی کا کفن لازم نہیں خواہ وہ صاحبِ حیثیت ہو یا محتاج ہو۔ بے کس اور لاوارث میّت کے کفنانے کے اخراجات مسلمانوں کے بیت المال یا پھر صاحب حیثیت مسلمانوں پر واجب ہوں گے۔[2]

○ کفن یا اس کی قیمت مالِ میّت سے لی جائے۔ خواہ اس کے علاوہ اس نے کچھ نہ چھوڑا ہو۔[3]

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو میّت پر کفن ڈالے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا جوڑا پہنائیں گے''۔[4]

○ کفن کا کپڑا اسفید رنگ کا ہو تو بہتر ہے[5]۔ حنفیہ سفید کپڑے کے کفن کو خواہ وہ پرانا ہو یا نیا پسندیدہ قرار دیتے ہیں۔ تاہم ایسا کپڑا جس کا پہننا مردوں کو زندگی میں مباح ہے ان کا کفن ہے۔ مَردوں کے لیے ریشم، زرد اور زعفرانی رنگ کے کپڑے کا کفن مکروہ ہے۔ البتہ عورت کے لیے ایسے کپڑے کا کفن جائز ہے۔[6] شافعیہ کے نزدیک نابالغ بچے، مجنون اور عورت کو ریشم یا زرد رنگ یا سنہری، روپہلی زری کا کفن دینا جائز مگر مکروہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کفن سفید رنگ کا نیا، یا پرانا دھلا ہوا اور پاک صاف ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''اگر مل جائے تو کفن میں ایک دھاریدار چادر شامل کر لی جائے''۔[7]

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

○ ''سفید لباس پہنا کرو، کیونکہ وہ تمہارے بہترین کپڑوں سے ہے اور اسی میں مُردوں کو دفنایا کرو''۔ ۸

○ ''سفید لباس پہنا کرو کیونکہ یہ نہایت ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اسی میں مرنے والوں کو کفن دیا کرو''۔ ۹

○ ''جس نے کسی میّت کو کفن پہنایا۔ خداء رحمٰن جنت میں اسے سندس اور استبراق (باریک اور دبیز ریشمی کپڑے) کا لباس پہنائے گا''۔ ۱۰

○ ''بہترین کفن حُلّہ یعنی یمنی چادر اور آزار ہے اور بہترین قربانی سینگوں والا دنبہ ہے''۔ ۱۱

○ ''جب تمہارا کوئی اپنے کسی بھائی کو کفن دے تو اس کو اچھا کفن دے''۔ ۱۲

○ ''کفن دینے میں غلومت کرو، اس لیے کہ وہ جلدی خراب ہو جاتا ہے''۔ ۱۳

حضرت حذیفہؓ نے بھی اپنے کفن کے بارے میں کہا تھا ''کفن میں غلو نہ کرنا، میرے لیے دو صاف ستھرے کپڑے خرید لینا''۔ ۱۴

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وصیت فرمائی: ''میرے ان دو کپڑوں کو دھو ڈالنا اور مجھے ان میں کفنا دینا''۔ ۱۵ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ''مجھے ان دو کپڑوں میں کفن دینا، جن میں میں نماز پڑھا کرتا تھا''۔ ۱۶ اور'' زندہ مردوں سے نئے کپڑے کا زیادہ حقدار ہے''۔ ۱۷ یہ ان کا زہد و تقویٰ تھا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نئے کپڑوں میں کفن نہیں دینا چاہیے یا ایسا کرنا افضل ہے بلکہ حضرت سعید الخدریؓ کی موت کا وقت جب قریب ہوا تو انہوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہن لیے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے ''میّت ان کپڑوں میں (قیامت کے روز) اٹھائی جائے گی جن میں اس کی موت واقع ہوئی تھی''۔ ۱۸

○ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ روزہ سے تھے۔ جب افطاری کے لیے ان کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ کہنے لگے، مصعبؓ بن عمیر شہید کیے گئے حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے لیکن ان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا، اگر ان کے سر کو ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں پر چادر کو کھینچا جاتا تو سر سے کپڑا ہٹ جاتا (آخر سرورِ کائناتؐ کے حکم پر ان کے سر کو ڈھانپ دیا گیا اور پاؤں پر گھاس ڈال دی گئی تھی)۔ حمزہؓ شہید کیے گئے حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے۔ پھر دنیا ہم پر فراخ کی گئی اور دنیا کی نعمتوں سے ہمیں نوازا گیا۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ کہیں جلدی ہی اس دنیا میں نہ دے دیا گیا ہو۔ پھر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے انہوں نے کھانا نہ کھایا"۔ ۱۹

○ "کفن کا کپڑا زیادہ قیمتی نہیں ہونا چاہیے"۔ ۲۰ البتہ "کفن صاف ستھرا، اچھا، سارے بدن کو چھپانے والا اور پاک کپڑا ہو"۔ ۲۱ اور "کفن اتنا کشادہ ہونا چاہیے جو سارے جسم کو ڈھانپ لے اگر کفن ناکافی ہو اور دوسرا میسر نہ ہو تو میّت کا سر اور جسم چھپا دیا جائے اور پاؤں کی طرف گھاس ڈال دی جائے"۔ ۲۲

○ علماء کے نزدیک اچھے کفن سے مراد یہ ہے کہ کفن کا کپڑا ضرورت سے زیادہ مہنگا اور نفیس نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ کفن کا کپڑا اتنی قیمت کا ہو جتنا قیمتی کپڑا مرنے والا اپنی زندگی میں اہم مواقع پر پہنا کرتا تھا۔ ۲۳ کفن کا کپڑا اگر گھر میں موجود ہو اور پاک صاف ہو تو اس کے استعمال میں حرج نہیں۔ ۲۴

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "گراں قیمت والے کفن نہ خریدو کیونکہ کفن بہت جلد چھین لیا جاتا ہے"۔ ۲۵

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید سوتی سحولی (یمن میں واقع سحول بستی کی بنی ہوئی) چادروں میں کفن دیا گیا۔ ان میں (سلی ہوئی) قمیص اور عمامہ نہ تھا"۔ ۲۶

○ اگر کپڑے تھوڑے اور فوت شدگان زیادہ ہوں تو کئی میتوں کو ایک ہی کپڑے میں دفنایا جا سکتا ہے اور جسے زیادہ قرآن حفظ ہوا سے قبلہ کی طرف مقدم کر دیا جائے۔ کپڑا کاٹ کر ان پر تقسیم کر دیا جائے تو بھی روا ہے۔ ۲۷

○ کفن کو تین یا پانچ یا سات مرتبہ خوشبو (لوبان وغیرہ) کی دھونی دی جائے یا اس پر خوشبو اور کافور وغیرہ لگایا جائے۔ ۲۸

○ کسی شخص کا اپنی زندگی ہی میں کفن تیار رکھنا مکروہ نہیں۔ آب زم زم میں تر کیے ہوئے کپڑے یا کسی بزرگ کا استعمال شدہ یا غلاف کعبہ کے نیچے کے کپڑے کا کفن دینا جائز ہے۔ ۲۹ حضرت معاویہؓ نے رسول اللہؐ کی قمیص جو عطا ہوئی تھی، جسم سے متصل رکھنے اور آنحضورؐ کے ناخن پاک جو انہوں نے سنبھال رکھے تھے، باریک پیس کر آنکھوں اور دہن میں رکھنے کی وصیت کی۔ اسی طرح رسول اللہؐ نے اپنی بیٹی زینبؓ کے لیے اپنا تہبند دیا کہ کفن میں رکھ دیا جائے۔ ۳۰ متاخرین حنفیہ میں سے بعضے مریدین کو پیروں کے لباس میں دفن کرنے کے جواز میں اسی کو اصل ٹھہراتے ہیں۔

○ کفن میں یا قبر کے اندر عہد نامہ یا قرآنی آیات رکھنا یا کفن یا سینے پر قرآنی آیات کلمہ یا دعا وغیرہ لکھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح غلاف کعبہ کے اوپر کا کپڑا جس پر کلمہ یا قرآنی آیات لکھی ہوں قبر یا کفن میں رکھنا درست و جائز نہیں ہے کہ اس طرح قرآنی آیات کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ ۳۱ لیکن فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ میت کی پیشانی، عمامے یا کفن پر عہد نامہ یا کوئی دوسری آیت قرآنی لکھنے سے امید مغفرت ہے یا انہیں کسی کاغذ پر تحریر کر کے سینے اور کفن کے درمیان رکھ دیا جائے تو باعث برکت ہوگا۔ غلاف کعبہ اگر ریشم کا ہے تو مرد کو اس میں کفنانا بہرحال ناجائز ہے۔ ۳۱ بعض جگہ رواج ہے کہ نوجوان لڑکی یا نوبیاہتا لڑکی مر جاتی ہے تو اس کے جنازے پر سرخ چادر یا زری گوٹے کا دوپٹہ وغیرہ ڈالتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ ۳۲

کفن کا مسنون طریقہ

○ مرد اور عورت کے لیے کفن کے تین کپڑے مسنون ہیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ میّت کا تمام بدن (بجز احرام والے مرد کے سر اور احرام والی عورت کے چہرے کے) ڈھکا جا سکے۔ یہ حکم اس حالت میں ہے جب کہ کفن میّت کے مال متروکہ سے دیا جائے اور اس نے کوئی وصیت نہ کی ہو۔ اگر میّت نے ایک کپڑے مین کفنانے کی وصیت کی ہو، تو صرف ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جائے گا جس سے غیر محرم (بغیر احرام والے) کا تمام بدن ڈھک جائے۔ ۳۳

○ حنفیہ کے نزدیک مرد کے کفن کے مسنون کپڑے تین ہیں (۱) ازار، سر سے پاؤں تک (۲) لفافہ (اسے بڑی چادر بھی کہتے ہیں) ازار سے لمبائی میں ۴ گرہ زیادہ (۳) کرتہ بغیر آستین اور بغیر کلی کا (اسے قمیص یا کفنی بھی کہتے ہیں) گردن سے پاؤں تک۔۔۔ جب کہ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفنانا مسنون ہے: (۱) ازار، سر سے پاؤں تک (۲) لفافہ، ازار سے لمبائی میں ۴ گرہ زیادہ (۳) کرتہ بغیر آستین اور کلی کا، گردن سے پاؤں تک (۴) سینہ بند، بغل سے رانوں تک (۵) سر بند (جسے اوڑھنی یا خمار بھی کہتے ہیں) تین ہاتھ لمبا۔ ۳۳

امام البانی کے نزدیک عورت کے لیے تین کپڑے ہونے چاہئیں۔ ۳۴ حنفیہ کے نزدیک عورت کو تین کپڑوں (ازار، لفافہ اور سر بند) میں دفنانا بھی درست ہے۔

○ اگر مرد کو دو کپڑوں (ازار اور لفافہ) میں اور عورت کو تین کپڑوں (ازار، لفافہ اور قمیص) میں کفنا دیا جائے تو بھی درست ہے، لیکن اس سے کم کفن دینا مکروہ اور برا ہے، البتہ بہ امر مجبوری و ناچاری کم بھی درست ہے۔ ۳۵ کم سن لڑکے اور لڑکی کو صرف دو کپڑوں میں بھی کفنایا جا سکتا ہے، بلکہ لڑکے کو صرف ایک کپڑے کا کفن دینا بھی درست ہے۔ ۳۶

○ حنفیہ کے مطابق کفن کی تین قسمیں ہیں: کفن سنت، کفن کفایہ اور کفن ضرورت۔ مرد

اور عورت کے کفن سنت میں قمیص، ازار اور چادر شامل ہیں۔ قمیض گردن کی جڑ سے لے کر پیروں تک ہوتی ہے اور ازار ماتھے سے قدم تک ہوتی ہے اور چادر بھی۔ اسی طرح عورت کے لیے ان کے علاوہ ایک اوڑھنی ہوگی جو چہرے کو ڈھکے اور ایک سینہ بند جو چھاتیوں پر باندھا جائے۔ قمیض میں آستین نہیں ہوتی اور نہ دامن کے چاک ہوں گے اور چادر سر اور پیر کی طرف سے نکلتی ہوئی ہونی چاہیے تاکہ اسے سمیٹ کر اوپر نیچے سے باندھ دیا جائے جس سے میّت کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔ کفن کے کھل جانے کا اندیشہ ہو تو اسے درمیان میں کفن کے کپڑے کی فالتو دھجی سے باندھ دینا جائز ہے۔ عورت کے کفن کفایہ کے لیے ایک ازار اور ایک چادر مع اوڑھنی اور سینہ بند کافی ہے۔ قمیض کو چھوڑ دیا جائے، اس قدر کفن بلا کراہت جائز ہے۔ کفن ضرورت وہ ہے جو ضرورت کے وقت میسر ہو جائے خواہ وہ صرف ستر عورت کے لیے کافی ہو۔ ۳۷

○ اگر کفن بیت المال یا کفن کے لیے وقف مال سے دیا جائے تو ایک کپڑے سے زیادہ کفن دینا حرام ہے۔ مرد کے کفن میں لازمی تین کپڑوں کے علاوہ ایک قمیض نیچے اور ایک عمامہ کا سر پر اضافہ کرنا جائز ہے۔ اور کفن کی چادروں کو حنوط (خوشبو) لگانا جائز ہے۔ امام شافعی مرد میّت کے لیے تین کپڑوں میں کفنانے کو مسنون قرار دیتے ہیں، علمائے اہل حدیث اور شافعیہ ہر دو کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ مرد کو تین چادروں میں اور عورت کو پانچ چادروں میں کفنایا جائے اگر عورت کے لیے پانچ کپڑے میسر نہ ہوں تو تین بھی کفایت کر سکتے ہیں۔ تین میں ایک قمیض ایک چادر اور ایک لفافہ کا ہونا ضروری ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے کفن کے لفافے اتنے لمبے ہوں کہ سر اور پاؤں کی طرف سے باندھنے اور قبر میں اتارنے کے لیے پکڑنے میں آسانی ہو۔ ۳۸

○ مالکیہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ مردوں کو پانچ کپڑوں سے کفن دیا جائے۔ قمیض آستین دار، ازار، عمامہ (سر بند) شملہ دار، ایک ہاتھ لمبا جو اس کے چہرہ پر ڈال دیا جائے اور

دو چادریں۔ عورت کو سات کپڑوں میں کفن دیا جائے، ازار، قمیض، اوڑھنی اور چار چادریں اور مرد اور عورت کے لیے کفن کی جو تعداد بتائی گئی ہے اس سے زیادہ نہ ہونی چاہیے بجز ایک لتہ کے یعنی ایک دھجی کو روئی لپیٹ کر دونوں رانوں کے درمیان رکھ دیا جائے تا کہ دونوں راستوں سے کچھ خارج نہ ہو۔ ۳۹ مالکیہ سفید کفن کو مستحب اور زعفران یا درس (یمنی زرد گھاس) میں رنگے ہوئے کپڑے کے کفن کو روا رکھتے ہیں اس کے علاوہ ہر رنگین کپڑے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

○ حنابلہ کے نزدیک کفن کی دو قسمیں ہیں کفن واجب اور کفن مسنون۔ واجب کفن وہ ہے جس سے میّت کا تمام بدن بالکل ڈھک جائے خواہ مرد ہو یا عورت۔ کفن مسنون مرد کے لیے تین سفید سوتی چادروں پر مشتمل ہے اس سے زیادہ کپڑا مکروہ ہے اسی طرح عمامہ بھی مکروہ ہے، عورت کو پانچ سوتی کپڑوں کا کفن دیا جائے۔ ۴۰

بعض متاخرین حنفیہ نے بھی معزز و اشراف لوگوں اور مرد کے لیے کفن میں عمامہ کو رواج دے دیا ہے جو مناسب نہیں، کیونکہ اسلام کسی امتیاز کی اجازت نہیں دیتا، خود رسول اکرمؐ کے کفن میں بھی عمامہ نہ تھا۔ ۴۱

○ بالغ مرد اور عورت کے لیے ازار سوا گز سے ڈیڑھ گز تک چوڑا اور اڑھائی گز لمبا یعنی سر سے پاؤں تک، لفافہ سوا گز سے ڈیڑھ گز تک چوڑا اور پونے تین گز لمبا یعنی ازار سے چار گرہ زیادہ، کرتہ قمیض یا کفنی ایک گز چوڑی اور اڑھائی تا پونے تین گز لمبی یعنی گردن سے پاؤں تک ہو، عورتوں کے لیے دو زائد کپڑوں میں سے سینہ بند سوا گز چوڑا اور دو گز لمبا یعنی بغل سے رانوں تک، اور سر بند یا اوڑھنی نصف ازار سے تین گرہ لمبی اور بارہ گرہ چوڑی ہونی چاہیے، اسے سر اور بالوں پر ڈالتے ہیں، لپیٹتے نہیں۔ البتہ سینہ بند بغل سے رانوں تک باندھا جاتا ہے۔ عورتوں کی لٹوں کو گوندھ کر پیچھے کی طرف ڈال دینا مستحب ہے۔ ۴۲ حنفیہ کے مطابق مرد کے کفن مسنون کے لیے ایک گز عرض کا کپڑا دس گز اور عورت کے لیے مع

سینہ بند و سر بند (چادر و گہوارہ) ساڑھے اکیس گز کپڑا درکار ہوگا۔[۴۲]

○ کم عمر لیکن بلوغت کی حد کو پہنچنے والے لڑکے یا لڑکی کے کفن میں بالترتیب تین اور پانچ کپڑے دینے بہتر ہیں۔ البتہ کم عمری میں فوت ہونے والے لڑکے کو ایک اور لڑکی کو دو کپڑوں کا کفن بھی دیا جا سکتا ہے۔ نو برس یا اس سے زیادہ عمر کی لڑکی اور بارہ برس یا اس سے زیادہ عمر کے لڑکے کو مکمل عورت اور مرد کے برابر کفن دیا جائے۔[۴۳]

○ نوزائیدہ بچہ مر جائے تو اسے قاعدہ کے مطابق نہلا کر کفنایا جائے پھر نماز پڑھ کر دفن کیا جائے، اس کا کچھ نام بھی رکھا جائے البتہ مردہ پیدا ہونے والے بچے کو نہلا کر کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کیا جائے گا۔ کفن دینا ضروری نہیں۔ اس پر نماز بھی نہیں پڑھی جائے گی۔[۴۴] یہی حکم حمل کے ساقط ہونے کی صورت میں ہے۔

○ مرد کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے چارپائی پر چادر (لفافہ) بچھائی جائے۔ اس کے اوپر ازار (تہبند) پھیلائی جائے پھر کرتہ (قمیض) کا پچھلا نصف حصہ ازار پر پھیلا دیں اور باقی نصف حصہ سمیٹ کر سرہانے کی طرف رکھ دیں۔ بعد ازاں میّت کو آہستہ سے پیٹھ کے بل (چت) اس پر لٹا دیا جائے اور میّت کے ہاتھ سینے پر رکھ دیے جائیں۔ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر یا پھر پہلوؤں میں سیدھے کر کے لٹا دیے جائیں۔ اب قمیض کا وہ حصہ جو سرہانے کی طرف رکھا ہے، میّت کے سر سے پاؤں کی طرف اس طرح الٹا جائے کہ قمیض کا سوراخ (گریبان) گلے میں آ جائے۔ وہ چادر جو غسل کے بعد میّت پر ڈالی گئی تھی اتار لی جائے اور میّت کے سر اور ڈاڑھی پر عطر (زعفران نہیں) وغیرہ لگا دیں پھر پیشانی، ناک دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور (یا حنوط) مل دیا جائے۔ پھر ازار کو میّت پر اس طرح لپیٹیں کہ پہلے دایاں پھر بایاں پلو اوپر آئے، اسی طرح لفافہ (بڑی چادر) کو لپیٹیں اور کپڑے کی کسی دھجی سے یا بڑھے ہوئے کفن سے سر اور پاؤں کی طرف سے باندھ دیں، اگر ضروری ہو تو اسی طرح کمر کے نیچے سے ایک دھجی نکال کر باندھ دیں تاکہ

جنازہ اٹھاتے وقت کفن کھل نہ جائے۔ البتہ میّت کو قبر میں رکھنے کے بعد تمام بندھنوں کو کھول دیا جائے جو اس بات کی علامت ہے کہ میّت تمام تنگیوں سے محفوظ ہے۔[۴۵]

○ میّت عورت کی ہو تو لمبی چادر (لفافہ) بچھا کر اس پر پہلے سینہ بند پھر ازار بچھایا جائے، پھر قمیض کا نچلا حصہ بچھا دیں اور اوپر کا نصف حصہ سمیٹ کر سرہانے رکھ دیں بعد ازاں میّت کو غسل کے تختہ سے آہستگی سے اٹھا کر اس بچھے ہوئے کفن پر لٹا دیں، اور قمیض کا جو نصف سرہانے رکھا تھا اسے سر سے پاؤں کی طرف اس طرح الٹیں کہ قمیض کا سوراخ (گریبان) گلے میں آ جائے۔ ازاں بعد جو تہہ بند غسل کے بعد میّت کے بدن پر ڈالا گیا تھا وہ اٹھا دیں۔ پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دیں۔ سر کے بالوں کو عطر لگائیں اور انہیں دو حصے کر کے قمیض کے اوپر سینے پر ڈال دیں ایک حصہ داھنی اور دوسرا بائیں طرف۔ ازاں بعد سر اور بالوں پر اوڑھنی ڈال دی جائے۔ پھر ازار کو بالترتیب بائیں اور دائیں سے لپیٹیں اور سینہ بند، سینہ کے اوپر بغلوں سے نکال کر گھٹنوں تک دائیں بائیں سے پلٹ کر باہم باندھ دیں۔ آخر میں لفافہ (چادر) کو اس پر لپیٹ دیں۔[۴۷]

○ کفن پر عطر لگانا مناسب نہیں، اسی طرح میّت کے کان میں عطر کی پھریری وغیرہ رکھنا بھی ناموزوں ہے۔ البتہ کفنانے کے دوران عود وغیرہ سے دھونی دی جائے اور چادروں کے درمیان حنوط لگایا جائے تو حرج نہیں۔

○ کسی میّت کی قبر کھل جائے یا کسی وجہ سے لاش قبر سے باہر نکل آئے اور اس پر کفن نہ ہو تو اس کو مسنون کفن دینا چاہیے بشرطیکہ لاش پھٹی نہ ہو اگر پھٹ گئی ہو تو کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفنا دینا کافی ہے۔

○ متاخرین حنفیہ نے میّت کے کفن پر کلمہ طیبہ اور بسم اللہ وغیرہ لکھنے کو رواج دے لیا ہے۔ اسی طرح خاک مدینہ چھڑکنے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ اولین میں ایسی کوئی

روایت نہیں ملتی، فتاویٰ رضویہ کے مطابق کفن کے اوپر پھولوں کی چادر وغیرہ ڈالنا شرعاً منع نہیں البتہ زینت وتفاخر کی نیت سے ہوتو مکروہ ہے۔

- جنازہ کے اوپر جو چادر ڈالتے ہیں یہ کفن میں داخل نہیں اور مرد کے لیے ضروری بھی نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی چادر اس پر ڈال دے اور قبر پر جا کر اتار لے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ عورت کے جنازہ پر چادر ڈالنا پردے کے لیے ضروری ہے۔ مگر کفن میں داخل نہیں۔[۴۸] بلکہ عورت کے جنازے کو چھپا دینا اور اس کے لیے جنازہ پر چھتری وغیرہ بنا کر غلاف و پردہ ڈالنا مستحب ہے، لیکن ریا و تفاخر و زینت مقصود ہو تو حرام ہے۔[۴۹]
- حنفیہ کہتے ہیں کہ میّت کے دونوں ہاتھ کروٹوں میں رکھیں، سینے پر نہ رکھیں کہ یہ کفار کا طریقہ ہے اور بعض جگہ ناف کے نیچے رکھتے ہیں جیسا کہ نماز کے قیام میں رکھے جاتے ہیں یہ بھی منع ہے۔[۵۰]
- حنفیہ تاکید کرتے ہیں کہ تہبند چوٹی سے قدم تک ہونا چاہیے، بعض لوگ جو ناف سے پنڈلی تک رکھتے ہیں، صحیح نہیں۔ عورت کی اوڑھنی نصف پشت سے سینے تک ہونی چاہیے جس کا اندازہ تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز ہے اور عرض ایک کان سے دوسرے کان کی لو تک ہونا چاہیے۔ جو لوگ زندگی کی طرح اوڑھنی رکھتے ہیں یہ بے جا اور خلاف سنت ہے۔[۵۱]
- فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ عورت کے لیے سینہ بند پستان سے ناف تک ہو، بہتر یہ ہے کہ ران تک ہو اور سینہ بند لفافہ کے اوپر چاہیے۔ سینہ بند کو سب کپڑوں سے پہلے لپیٹنے کا جو عام رواج ہے وہ غلط ہے۔[۵۲]

حواشی

۱	مسلم	۲	شامی، درمختار، امداد الفتاویٰ
۳	بخاری، مسلم، ردالمختار	۴	حاکم، درمختار، امداد الفتاویٰ
۵	ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ	۶	درمختار
۷	ابوداؤد	۸	ابوداؤد، ترمذی
۹	سنن نسائی، حاکم	۱۰	حاکم
۱۱	ابوداؤد	۱۲	مسلم، ابن ماجہ
۱۳	ابوداؤد، السنن کبریٰ	۱۴	معلی ابن حزم، مصنف عبدالرزاق
۱۵	الہدایہ	۱۶	نیل الاوطار
۱۷	بخاری، مصنف عبدلرزاق، ابن ابی شیبہ	۱۸	مشکوٰۃ، نیل الاوطار
۱۹	بخاری	۲۰	ابوداؤد
۲۱	مسلم	۲۲	مسلم، کتاب الجنائز
۲۳	فتاویٰ رضویہ	۲۴	بہشتی زیور
۲۵	ابوداؤد، معارف الحدیث	۲۶	مسند امام احمد، بخاری، مسلم
۲۷	ابی داؤد، ترمذی روایت حضرت انسؓ	۲۸	امداد الفتاویٰ، بہشتی گوہر، فتاویٰ رضویہ
۲۹	امداد الفتاویٰ، فتاویٰ رضویہ	۳۰	مسند امام احمد، حاکم
۳۱	امداد الفتاویٰ، شامی	۳۲	ردالمختار، امداد الفتاویٰ
۳۳	ردالمختار، امداد الفتاویٰ	۳۴	احکام الجنائز
۳۵	فتاویٰ قاضی خان، عالمگیری، درمختار وغیرہ	۳۶	الفقہ علی المذاہب الاربعہ، فقہ السنہ، ترمذی
۳۷	فتاویٰ عالمگیری، جوہرہ	۳۸	الفقہ علی المذاہب الاربعہ، عالمگیری
۳۹	فقہ مذاہب اربعہ	۴۰	فقہ مذاہب اربعہ
۴۱	فقہ مذاہب اربعہ، بخاری، مسلم	۴۲	فتاویٰ رضویہ، امداد الفتاویٰ، بہشتی زیور وغیرہ
۴۳	شامی، امداد الفتاویٰ، عالمگیری	۴۴	شامی، امداد الفتاویٰ، بہشتی زیور وغیرہ
۴۵	شامی، ردالمختار، قاضی خاں	۴۶	شامی، عالمگیری، درمختار
۴۷	عالمگیری، درمختار، شامی، امداد الفتاویٰ	۴۸	شامی، عالمگیری
۴۹	مسافر آخرت، بہشتی زیور	۵۰	فتاویٰ رضویہ، امداد الفتاویٰ، درمختار
۵۱	درمختار مع ردالمختار	۵۲	فتاویٰ عالمگیری، شرح کنز الدقائق

جنازہ اٹھانا

جنازہ 'ج' پر زبر کے ساتھ مُردہ کو کہتے ہیں اور 'ج' پر زیر کے ساتھ جنازہ اس تختہ کو کہتے ہیں جس پر مردہ کو لٹا کر غسل دیتے ہیں یا لے جاتے ہیں۔ میت کی مغفرت کے لیے جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے نمازِ جنازہ کہتے ہیں۔

جنازہ اٹھانا اور اس کے ساتھ قبرستان تک جانا فرض کفایہ اور سنت ہے۔ ''یہ ایک مسلمان کا اپنے مسلمان بھائیوں پر حق ہے''۔[1]

☆ جنازہ تیار ہو تو کوشش ہونی چاہیے کہ جلد اٹھا لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

○ ''جنازہ جب تیار کیا جاتا ہے، اور لوگ اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں، اگر میت نیک، صالح ہو تو وہ کہتی ہے مجھے میری منزل کی طرف جلدی لے چلو۔ اگر بدکار ہوتی ہے تو کہتی ہے ''ہائے! مجھے تم کہاں لے جا رہے ہو''۔ اس کی آواز سب سنتے ہیں۔ اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔[2]

○ ''جنازہ تیز لے جایا کرو، اگر وہ نیک ہے تو ایک بہتر چیز کو اس کی اچھی منزل تک پہنچا رہے ہو، اور اگر ایسا نہیں ہے تو ایک شر کو اپنی گردنوں سے اتار دو گے''۔[3]

○ ''جب تمہارا کوئی ایک فوت ہو جائے تو اس کو روکے مت رکھو، اس کو اس کی قبر کی طرف جلدی لے چلو''۔[4] اور طبرانی المعجم الکبیر میں ہے ''تم میں سے کوئی مرے تو اسے نہ

روکو اور جلد دفنانے کو لے جاؤ نیز یہ کہ ''جلدی کرو۔ مسلمان کے جنازے کو روکنا نہیں چاہیے''۔

- ''جب جنازہ تیار ہو جائے تو پھر اسے اٹھانے میں تاخیر مت کرو''۔ ۵
- حضرت طلحہؓ بن براء بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپؐ نے ان کی حالت دیکھ کر فرمایا ''میرا خیال ہے ان کی موت کا وقت آ گیا ہے۔ جب ان کی روح قبض ہو جائے تو مجھے اطلاع کر دینا۔ ان کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا۔ اس لیے کہ مسلمان میّت کے لیے مناسب نہیں کہ اس کے گھر والوں میں روک رکھا جائے''۔ ۶
- ''جنازے کو جلدی لے جایا کرو، جلدی جلدی دوڑنے کی رفتار سے تھوڑا کم''۔ ۷ مراد یہ ہے کہ تیز چلیں۔

راہداری

- بعض گھرانوں کی خواتین میں یہ بدعت چل نکلی ہے کہ جب میّت کو گھر سے باہر لانے کا وقت ہوتا ہے تو کوئی ایک عورت نعرہ لگاتی ہے، کہ میّت کے لیے راہ داری کے ڈھائی سپارے تو پڑھ لو چنانچہ میّت سے قریبی تعلق رکھنے والی خواتین فوراً ڈھائی سپارے پڑھ کر راہ داری کا بندوبست کر دیتی ہیں۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ میّت کی حقیقی راہ داری اس کے اپنے نیک اعمال ہوتے ہیں جو اوپر درج احادیث سے ثابت ہے۔ طبّی نقطہ نظر سے بھی میّت کو جلدی دفنانا بہتر ہے، کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ میّت خراب ہوتی ہے۔ اور یوں بھی جتنی دیر میّت گھر میں پڑی رہتی ہے، گھر والوں پر صدمہ شدت اختیار کرتا جاتا ہے۔ سب سے اہم یہ کہ ہر شخص اپنی جگہ مصروف ہوتا ہے اسے اس کی مصروفیت سے زیادہ دیر دور رکھنا اچھی بات نہیں کیونکہ اہل محلّہ اور میّت کو اٹھا لے جانے والوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ جنازے میں ضرور شریک ہوں۔ تاخیر ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہے۔

○ حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی کی موت کا وقت قریب آتا، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دیتے۔ آپؐ تشریف لاتے اور اس کے حق میں استغفار کرتے۔ حتیٰ کہ اس کی روح پرواز کر جاتی۔ چنانچہ رسول اللہؐ اور صحابہؓ دفن تک رک جاتے۔ بسا اوقات رسول اللہ کو دیر تک رکنا پڑتا۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ اس سے آپ کو مشقت ہوتی ہے تو کچھ صحابہؓ نے باہم مشورہ کیا کہ رسول اللہؐ کو اس وقت اطلاع دی جائے کہ جب روح پرواز کر جائے۔ اس صورت میں آپ کو زیادہ مشقت نہ ہوگی اور نہ رکنا پڑے گا۔ چنانچہ ہم نے یہ طریقہ اختیار کر لیا۔ آپ ﷺ تشریف لاتے اور نماز جنازہ ادا فرماتے۔ بسا اوقات فوراً پلٹ جاتے اور کبھی دفن تک رک جاتے۔ یہی طریقہ کار کافی وقت جاری رہا، پھر ہم نے مشورہ کیا کہ نبی کریمؐ کو اطلاع ہی نہ کریں اور جنازہ آپؐ کی خدمت میں لے آئیں تا کہ آپؐ اپنے گھر کے پاس ہی نماز جنازہ ادا کریں اور اس میں آپ کو مزید آسانی ہوگی چنانچہ آج تک یہی طریقہ کار رہے"۔ ۸

درج بالا میں سے پہلا طریق کار افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو آدمی گھر سے جنازے کے ساتھ رہے، حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جائے، اس کے لیے ایک قیراط اجر ہے اور جو دفن تک ساتھ رہے اس کے لیے دو قیراط اجر ہے یعنی دو بڑے پہاڑوں جتنا اجر ہے۔" ۹ بخاری ہی کی ایک حدیث میں ہے "مسلمان کے جنازہ کے ساتھ چلنا مسلمان بھائی پر میّت کا حق ہے"۔

جنازہ کے ساتھ جانا

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

○ "جو مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایمان اور اجر کی نیت کے ساتھ چلے، حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جائے اس کے لیے ایک قیراط اجر ہے اور جو فارغ ہونے تک ساتھ رہے، اس کے لیے دو قیراط اجر ہے۔ اور ہر قیراط اُحد پہاڑ جتنا ہے"۔ ۱۰

○ ''مریض کی عیادت کرو اور جنازوں کے ساتھ جاؤ۔ یہ تمہیں آخرت یاد دلائیں گے''۔ [11]

○ جنازے کے ساتھ جانے کی دو صورتیں ہیں (۱) گھر سے نماز جنازہ تک ساتھ جانا (۲) گھر سے دفن سے فراغت تک ساتھ رہنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صورتوں پر عمل کیا، جیسا کہ اوپر دی گئی احادیث سے ثابت ہے۔

○ فرمایا ''جس شخص نے مسلمان کے جنازے کا ساتھ دیا اس نے گویا رضاء الٰہی کے لیے ایسے ایک دن کا روزہ رکھا جو سات سو دن کے برابر تھا اور جس نے مریض کی عیادت کی اس نے گویا دن بھر رب ذوالجلال کے لیے نماز پڑھی اور وہ دن سات سو دن کے برابر تھا''۔ [12]

جنازے کے ساتھ رہنے کا یہ اجر صرف مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے نہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے روکا ہے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں ''ہمیں جنازے کے ساتھ جانے سے روکا تو جاتا تھا لیکن سختی سے نہیں''۔ [13] اور علماء کے نزدیک یہ نہی تنزیہ [14] کے طور پر ہے اس لیے سن رسیدہ عورتوں کے جنازے کے ساتھ جانے کو روا رکھا گیا ہے۔

○ ایک جنازہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتیں دیکھیں فرمایا ''پلٹ جاؤ، گناہ سے او جھل، ثواب سے او جھل۔ تم زندوں کو فتنے میں ڈالتی ہو''۔ [15]

○ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنازے کے ساتھ جانے سے منع کیا ہے جس کے ساتھ نوحہ کرنے والی عوت ہو ایک روایت میں ہے کہ ''جس جنازے میں صدا بلند ہو یا آگ جلائی جائے اس میں شامل نہ ہوں'' [16] گویا جنازہ کے ساتھ خوشبو کی دھونی یا شمعوں کا روشن کرنا بھی ممنوع ہے۔

○ اگر جنازے میں کوئی امر ممنوع مثلاً موسیقی یا ماتم شامل ہو تو ساتھ چلنے والوں کو اس

سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر باز نہ آئیں تب جنازہ سے لوٹ کر آ جانا چاہیے۔
اس میں تین ائمہ کا اتفاق ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں اگر باز رکھنا ممکن نہ ہو تو ان کے ساتھ رہنا حرام ہے کیونکہ اس طرح گناہ کو روا قرار دینا ہے۔

جنازہ کو کندھا دینا

- جنازے کے ساتھ جانے والا دفن تک ساتھ رہے تاہم اگر مڑ کر واپس آ جائے تو اس میں کراہت نہیں۔ خواہ نماز سے پہلے آ جائے یا نماز کے بعد۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہی ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ نماز سے پہلے واپس آنے کو قطعاً مکروہ قرار دیتے ہیں، البتہ نماز کے بعد اہل میت اجازت دیں تو واپس آنا مکروہ نہیں ہے۔
- جنازے کے ساتھ چلنے والے ہر مسلمان بھائی پر میّت کا یہ حق ہے کہ اس کو کندھا دے۔ اس لیے ساتھ چلنے والوں میں سے ہر ایک کو چارپائی کے دونوں طرف ایک ایک مرتبہ کندھا دینا چاہیے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

- ''جو جنازہ کے ساتھ چلے اس کو چاہیے کہ (ایک مرتبہ تو) چارپائی کے ہر طرف سے کندھا دے۔ پھر چاہے تو مزید کندھا دے چاہے تو چھوڑ دے''۔ ۱۷
- ''جس نے چارپائی کے چاروں طرف کندھا دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے چالیس کبیرہ گناہوں (یعنی صغائر میں جو بڑے صغائر ہیں) کو معاف کر دیتا ہے''۔ ۱۸
- ''جو جنازے کے ساتھ چلا اور تین مرتبہ اس نے کندھا دیا تو میّت کی طرف سے اس پر عائد ہونے والا حق اس نے ادا کر دیا''۔ ۱۹
- ''جو جنازے کے چاروں پایوں کو کندھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی حتمی مغفرت فرما دے گا''۔ ۲۰
- ''جنازے کو کندھا دینا عبادت ہے، اس عبادت میں کوتاہی نہ کرو''۔ ۲۱

○ ''جو بھی جنازہ کو کندھا دے اس کے لیے وضو کر لینا بہتر اور مستحب ہے''۔ ۲۲

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن معاذ کے جنازہ کو کندھا دیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی معمول تھا کہ جب کسی میّت کے ساتھ چلتے تو کندھا دینے میں ضرور حصہ لیتے۔ ۲۳

○ عبداللہ ابن عمرؓ میّت کو چاروں طرف ہو کر کندھا دیتے تھے اور دائیں جانب سے کندھا دینا شروع کرتے تھے۔ ۲۴

○ میّت اگر پڑوسی یا رشتہ دار یا کسی نیک پرہیزگار شخص کی ہو تو اس کے جنازہ کے ساتھ جانا نفلی نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ ۲۵

○ ضرورت پیش آ جائے تو جنازہ اُجرت دے کر بھی اٹھوایا جا سکتا ہے۔ ۲۶

جنازہ کے ممنوعات

○ شرعاً ممنوع اشیا جنازے کے ساتھ لے جانا جائز نہیں، دو باتوں کے متعلق تو شرعی حکم بڑا واضح ہے:

ا) جنازہ کے ساتھ روتی ہوئی بلند آواز میں نوحہ کرنا

ب) اس کے ساتھ دھونی لے کر چلنا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنازے کے ساتھ آگ اور آواز نہ جائے''۔ ۲۷

یوں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جنازوں کے پاس بلند آواز ناپسند فرماتے تھے۔ ۲۸

جنازے کے ارد گرد بلند اور غمگین آواز سے ذکر اذکار بھی منع ہے کیونکہ یہ عیسائیوں سے مشابہت ہے۔ وہ اس موقع پر بلند اور غمگین آواز سے گا گا کر انجیل اور دوسرے اذکار پڑھتے ہیں۔ اسی طرح اس دور میں لوگ جنازہ اٹھا کر قدم قدم چلتے ہیں یہ بھی بدعت ہے۔

اس میں سنت کی مخالفت اور یہود کی مشابہت ہے۔[۲۹]

○ امام نوویؒ نے لکھا ہے ''صحیح اور مختار بات یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ بالکل خاموشی سے چلا جائے، جیسا کہ صحابہ کرامؓ اور دیگر سلف صالحین کیا کرتے تھے۔ قرآن کی قرأت، ذکر یا کسی دوسری چیز کو بلند آواز سے نہ پڑھا جائے۔ نادان لوگ جو بھی کرتے ہیں خواہ وہ قرآن پڑھیں یا ذکر کریں، اجماع امت سے یہ کام حرام ہے''[۳۰]۔ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر حنفیہ کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔ اس لیے اس کا ترک بہتر ہے[۳۱]۔ فی زمانہ یہ رسم بہت عروج پر ہے کہ جنازہ اٹھاتے اور لے جاتے ہوئے بلند آواز سے ''کلمہ پاک''، ''کلمہ شہادت'' کہا جاتا ہے حالانکہ اس کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ اسی طرح بعض لوگ جنازہ لے جاتے ہوئے بلند آواز سے کہتے ہیں کہ دو دو قدم چلیں حالانکہ یہ سنت نہیں بلکہ میّت کو ہر طرف سے دس دس قدم کندھا دینا سنت ہے۔[۳۲]

○ رسول اللہ ﷺ جب جنازہ کے ساتھ چلتے تو خاموش رہتے اور اپنے دل میں موت کے متعلق سوچتے تھے۔ بلکہ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں میں سب سے زیادہ خاموش اور متفکر آپؐ ہی نظر آتے تھے اور سارے حاضرین پر حزن وغم اس طرح طاری ہوتا تھا، کہ جب تک بتایا نہ جاتا کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ میّت کے قریبی اعزہ کون سے ہیں[۳۳]۔ اسی لیے علمائے سلف نے جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ قرار دیا تھا کہ اس سے جنازہ کے ساتھ خاموشی سے چلنے والوں یا ذکر وفکر میں مصروف لوگوں کی توجہ بٹتی ہے اور برصغیر پاک و ہند کے اکثر علماء آج بھی جنازہ کے ساتھ باآواز بلند ذکر کو ہندو معاشرت کا اثر قرار دیتے ہیں[۳۴] کہ جب وہ اپنے مردے کو اٹھائے گھر سے نکلتے ہیں تو ساتھ چلنے والوں کو ورد کرواتے ہیں ''رام نام ست ہے'' تاہم مولانا احمد رضا خان فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں کہتے ہیں کہ ''جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کی کراہت میں اختلاف ہے کہ تحریمی ہے یا تنزیہی'' اور یہ کہ ''شرع مطہر میں ممانعت نہ آنا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے، اگر جنازہ کے ساتھ ذکر

الٰہی منع ہوتا تو کم از کم ایک حدیث تو اس کی ممانعت میں آتی"۔ "نتیجہ یہ نکلا کہ جنازہ کے تمام ہمراہی بلند آواز سے کلمہ طیبہ وغیرہ ذکر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے چلیں تو کچھ اعتراض نہیں بلکہ اس کا کرنا نہ کرنے سے افضل ہے" (جلد نہم، صفحہ ۱۴۷)۔ مولانا احمد رضا جنازہ کے ساتھ مولود نامے، وظیفہ غوثیہ اور المیہ وحزنیہ اشعار بلند آواز سے اور گا کر پڑھنے کو روا رکھتے ہیں۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کے ساتھ نعت خوانی کی جائے اور ذریعہ قادریہ بھی پڑھا جائے۔

جنازہ اٹھانے کے آداب

○ جنازہ میں سرہانہ آگے ہوگا اور جب میت کو اٹھایا جائے تو بسم اللہ کہا جائے اور اللہ کی تسبیح بیان کی جائے۔[۳۵] ابن عمرؓ نے بھی ایسے موقع پر بسم اللہ کہنے کا حکم دیا۔[۳۶] حضرت ابوجحیفہؓ عمروؓ بن شرجیل کی میت کو قبرستان تک کندھا دیتے رہے۔ یہاں تک کہ قبر تک پہنچ گئے اور سارا راستہ دعا کرتے رہے۔ اے اللہ! ابومیسرہ یعنی عمرو بن شرجیلؓ کو بخش دے[۳۷]۔ جنازہ کے ساتھ دنیا کی باتیں نہ کریں۔ ذکر الٰہی دل میں کریں[۳۸]۔

○ جنازے کو کندھا دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے چاروں پایوں کو کندھا دیں۔ پہلے داہنے (سیدھے) سرہانے کی طرف سے کندھا دیں۔ پھر داہنی پائنتی پاؤں کی طرف سے۔ پھر بائیں (الٹے) سرہانے کو پھر بائیں پائنتی اور ہر جانب دس دس قدم چلیں تاکہ چالیس قدم پورے ہو جائیں۔ جنازہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ہاتھوں سے اٹھا کر مونڈھے (کندھے) پر رکھا جائے۔[۳۹]

○ میت کو چارپائی یا کھٹولے پر لے جائیں اور چار آدمی مل کر جنازے کو اٹھائیں یعنی ہاتھوں سے چارپائی کے چاروں پایوں کو ایک ایک آدمی اٹھائے۔ ہاتھوں سے اٹھائے بغیر مال اسباب کی طرح گردن پر، پیٹھ پر، چوپایوں پر اور ٹھیلوں پر لادنا مکروہ ہے۔ اگر صرف دو آدمیوں نے جنازہ اٹھایا ایک سرہانے اور ایک پائنتی سے تو بلا ضرورت مکروہ ہے اور

ضرورت سے ہو مثلاً جگہ یا گلی تنگ ہو تو حرج نہیں۔ البتہ قبرستان دور ہو تو ٹھیلوں یا گاڑی پر رکھ کر لے جانا بلا کراہت جائز ہے[۴۰]۔ لیکن حنابلہ کے نزدیک جنازے کو دو پایوں کے درمیان سے اٹھانا مکروہ نہیں ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جنازہ اٹھانے کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں ہے لہذا بلا کراہت جائز ہے کہ اسے چار اشخاص اٹھائیں یا دو یا تین۔ اسی طرح جنازے کو کندھا دینے میں کسی خاص جانب سے پہل کا تعین بدعت ہے۔ شافعیہ کے نزدیک جنازے کو تین آدمی ایک اگلے حصے کو اور دو پچھلے کو اٹھائیں یا چار آدمی اٹھائیں دونوں ہی بہتر ہیں۔[۴۱]

○ جنازہ کو دو پٹیوں (لکڑیوں) کے درمیان اس طرح اٹھانا بھی مکروہ ہے کہ دو آدمیوں نے اٹھا رکھا ہو۔ ایک نے آگے سے، ایک نے پیچھے سے۔ جیسے بھاری سامان کھینچا جاتا ہے۔ ہاں مجبوری میں مضائقہ نہیں[۴۲]۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

○ چھوٹے بچے کا جنازہ ہے تو ایک آدمی بھی لے کر چل سکتا ہے۔ اسے دست بدست لے جائیں اس طرح کہ ایک آدمی اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھالے پھر اس سے دوسرا، تیسرا آدمی لے لے اگر کوئی شخص سواری پر ہو اور اتنے چھوٹے جنازہ کو ہاتھ پر لیے ہو جب بھی حرج نہیں اس سے بڑی میّت ہو تو چار پائی پر لے جائیں۔[۴۳]

ساتھ چلنے کے آداب

○ جنازہ کو تیز قدم لے جانا مسنون ہے۔ مگر اتنا تیز نہیں کہ میّت کو حرکت و اضطراب ہونے لگے اور لوگ پیچھے رہ جائیں۔[۴۴]

○ جنازہ کے ساتھ پیدل چلنا سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ کے ساتھ کچھ لوگوں کو سواری پر چلتے دیکھا تو فرمایا ''کیا تم لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ خدا رحمن کے فرشتے پیدل چل رہے ہیں اور تم جانوروں کی پیٹھ پر ہو''[۴۵] جب آپؐ جنازہ کے ساتھ جاتے تو پیدل چلتے اور فرماتے کہ میں سوار نہیں ہوتا جبکہ فرشتے پیدل جا رہے ہوں البتہ

جب آپؐ (دفن سے) فارغ ہو جاتے تو کبھی پیدل واپس ہوتے، کبھی سوار ہو کر ۴۶۔

○ جنازہ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف چلنا جائز ہے بشرطیکہ قریب رہے البتہ سوار پیچھے ہی رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سوار جنازے کے پیچھے چلے، پیدل چلنے والا جہاں چاہے چلے بشرطیکہ قریب رہے'' ۴۷ ۔۔۔ جنازے کے آگے اور پیچھے چلنا دونوں صورتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جنازے کے آگے چلتے تھے اور پیچھے بھی'' ۴۸۔ ''جو شخص جنازے کے پیچھے چلا اور اسے تین بار اٹھایا تو اس نے حق ادا کر دیا''۔ ۴۹ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے ''جنازے کے پیچھے چلنا آگے چلنے سے اتنا ہی بہتر ہے جتنا نماز تنہا ادا کرنے سے جماعت کے ساتھ ادا کرنا بہتر ہے''۔ ۵۰

○ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے جنازے کے آگے چلنا روا اور پیچھے چلنے میں فضیلت ہے۔ مختلف احادیث مطہرہ کا یہی نچوڑ ہے ۵۱۔ جنازے کے دائیں بائیں نہیں چلنا چاہیے ۵۲۔ آگے چلنا ہو تو جنازے سے زیادہ دور نہ ہو، ایسی صورت میں جنازے سے آگے چلنا مکروہ ہوگا۔ شافعیہ کے نزدیک جنازہ کے ساتھ جانے والے پیدل ہوں یا سوار، ان کا جنازے سے آگے ہونا مستحب ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جنازہ کے ساتھ چلنے والا اگر پیدل ہو تو جنازے کے آگے چلنا اور سوار ہو تو جنازے کے پیچھے رہنا مستحب ہے۔ ۵۳

○ سوار جنازے سے آگے سواری نہ لیجائے کہ یہ مکروہ ہے۔ اور آگے چلے تو پھر جنازہ سے بہت آگے چلے تاکہ ساتھیوں میں نہ شمار کیا جائے اور سب کے سب آگے ہوں تو مکروہ ہے ۵۴۔

عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا

○ عورتوں کا جنازے کے ساتھ جانا مکروہ ہے۔ مالکیہ کے نزدیک عورت سن رسیدہ ہو

تو اسے جنازہ کے ساتھ جانا مطلقاً جائز ہے لیکن انہیں جنازے کے پیچھے اور اگر لوگ سواری پر ہوں تو ان سے بھی پیچھے چلنا چاہیے۔ اگر جوان عورت کی شمولیت سے خرابی کا اندیشہ نہ ہو اور مرنے والا اس کا عزیز ہو تو مثلاً باپ، بھائی، اولاد یا شوہر تو اسے جنازے کے ساتھ نکلنا جائز ہے، لیکن اس کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو نکلنا قطعاً ناجائز ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ جنازے کے ساتھ عورتوں کا جانا قطعاً مکروہ تحریمی ہے۔ ۵۵

○ ایک جنازے میں کچھ لوگ ایسے تھے، جنہوں نے چادریں پھینک دی تھیں اور صرف کرتے پہنے ہوئے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ "جاہلیت کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہو۔ میں نے ارادہ کیا کہ تمہیں بددعا دوں" یہ سن کر انہوں نے چادریں اوڑھ لیں پھر کبھی ایسا نہ کیا۔ ۵۶

○ ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے ایک شخص کو جنازے کے ساتھ ہنستے دیکھا تو کہا "میں تجھ سے کبھی کلام نہ کروں گا"۔ ۵۷

○ رسول اکرم ﷺ جب تک جنازہ کندھوں سے اتارا نہ جاتا نہ بیٹھتے۔ فرمایا "جب تم جنازہ میں آؤ تو جب تک اسے رکھ نہ دیا جائے مت بیٹھو"۔ اور ایک روایت میں ہے کہ "جب تک لحد (قبر) میں نہ رکھ دیا جائے نہ بیٹھو" ۵۸۔

○ مالکیہ کے نزدیک جنازہ رکھے جانے سے پہلے بیٹھنا جائز ہے۔ حنفیہ بلاضرورت بیٹھنے کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں۔ حنابلہ جنازے کے قریب والوں کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ البتہ فاصلے پر بیٹھا ہو تو جائز ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں جنازہ رکھے جانے سے پہلے نہ بیٹھنا سنت ہے۔ ۵۹

○ میت کے ساتھ کھانا لے جانا یا پھل وغیرہ لے جانا فضول و بدعت ہے اور کسی مسلک میں اس کی اجازت نہیں۔

○ میت پر اونچی آواز سے رونا اور چیخنا چلانا مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک حرام ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں روا ہے لیکن بغیر چیخے آنسو بہانا بالاتفاق مباح ہے۔ ندب یعنی میّت کی خوبیوں کو بیان کر کے رونا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے "جو شخص اپنے کلّوں پر طمانچے مارے اور گریبانوں کو پھاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔ (بخاری) مزید فرمایا "لوگ مردے پر روتے ہیں تو مُردے کو ان کا رونا سن کر صدمہ ہوتا ہے اور ان کے لیے اس کا دل کڑھتا ہے" (عمدۃ القاری شرح بخاری)۔۔۔ اسی طرح طبرانی اور ابی ابن شیبہ میں ایک روایت ہے "ایک بی بی اپنے بیٹے پر رو رہی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں کوئی روتا ہے تو اس کے رونے پر مردے کے آنسو نکل آتے ہیں، تو اے خدا کے بندو! اپنے بھائیوں کو تکلیف نہ دو"۔

جنازہ کے لیے اٹھنا

○ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اول اول آپؐ کا یہ عمل تھا کہ جب آپؐ کے پاس سے جنازہ گزرتا تو آپؐ کھڑے ہو جاتے تھے، یہاں تک کہ یہودیوں کی میّت کے لیے بھی کھڑے ہوئے اور جب آپؐ کی توجہ اس طرف دلائی گئی تو فرمایا "کیا اس میں جان نہ تھی" ۶۰۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا "میّت کے ساتھ جو فرشتے ہوتے ہیں اس کی وجہ سے کھڑا ہوا تھا" ۶۱۔ صحابہؓ سے بھی فرمایا "جب تم جنازہ دیکھو تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ" ۶۲۔ اور فرمایا "میّت جب تک تم سے آگے نہ نکل جائے یعنی تم سے دور نہ ہو جائے اس وقت تک کھڑے رہو" ۶۳۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ یہودی بھی ایسا کرتے ہیں تو فرمایا "جنازہ دیکھ کر بیٹھے رہو اور یہود کی مخالفت کرو" ۶۴۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ "ہمیں حکم دیا کہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جایا کرو، لیکن بعد میں آپ بیٹھے رہے اور ہمیں بھی بیٹھے رہنے کا حکم دیا" ۶۵۔ جو میّت کے ساتھ جانا نہ چاہے اسے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ ۶۶

○ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبل جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کو منسوخ

مانتے تھے اور جنازہ کے گزرتے وقت کھڑے ہونے کو مکروہ قرار دیتے ہیں جبکہ امام اسحاق، امام ابن حبیبؒ اور امام ماجشون منسوخ کے قائل نہ تھے بلکہ بیٹھے رہنے کو جواز کے طور پر یا آسانی میں وسعت اور کھڑے ہونے کو باعث اجر خیال کرتے تھے۔ امام نوویؒ بیٹھے رہنے کو مستحب سمجھتے تھے اور امام حزم کے نزدیک یہ مندوب تھا ۶۱۔ صحابہؓ میں سے ابن عمرؓ، ابن مسعودؓ، قیس بن سعدؓ اور سہل بن حنیفؓ جنازے کے لیے کھڑے ہونے کو مستحب سمجھتے تھے ۶۲۔ شافعیہ کہتے ہیں جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہو جانا بقول مختار مستحب ہے۔

حواشی

۱	بخاری، مسلم	۲	بخاری
۳	بخاری	۴	فتح الباری
۵	ابن ماجہ	۶	ابوداؤد، سنن کبریٰ
۷	ابوداؤد	۸	بخاری، حاکم، ابن حبان
۹	بخاری، مسلم	۱۰	صحیح بخاری، مسلم، النسائی
۱۱	مصنف ابن ابی شیبہ، ابن حبان	۱۲	بحوالہ تذکرۃ الواعظین
۱۳	بخاری		

۱۴ نہی تنزیہ سے مراد ہے کہ ایسا فعل نہ کرنا بہتر ہے، لیکن اگر کر لیا جائے تو گناہ نہیں۔

۱۵	سنن سعید بن مسعود	۱۶	ابن ماجہ
۱۷	ابن ماجہ، ابوداؤد، سنن کبریٰ	۱۸	نیل الاوطار
۱۹	ترمذی، ابن ابی شیبہ	۲۰	ابن عساکر، ابن ابی شیبہ
۲۱	عالمگیری، درمختار	۲۲	ابی داؤد
۲۳	نیل الاوطار، مشکوٰۃ، شرح السنۃ	۲۴	ابن ابی شیبہ
۲۵	بحوالہ عالمگیری، فتح الباری	۲۶	عالمگیری
۲۷	ابی داؤد، مسند امام احمد	۲۸	البیہقی، سنن کبریٰ
۲۹	کتاب الاذکار	۳۰	شرح طحاویٔ بحوالہ فتاویٰ ہندیہ و عالمگیری

۳۱ بحرالرائق، درمختار

۳۲ مصنف عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ

۳۳ صغیری، درمختار

۳۴ بہشتی زیور

۳۵ مصنف عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، سنن کبریٰ

۳۶ ابن ابی شیبہ

۳۷ مصنف عبدالرزاق

۳۸ صغیری، درمختار

۳۹ فتاویٰ عالمگیری، درمختار، شامی، جوہرہ

۴۰ عالمگیری، درمختار

۴۱ عالمگیری

۴۲ عالمگیری

۴۳ غنیۃ، عالمگیری

۴۴ عالمگیری، درمختار، بہشتی گوہر، فتاویٰ رضویہ

۴۵ ترمذی

۴۶ زادالمعاد

۴۷ ابوداؤد، نسائی، ترمذی

۴۸ طحاوی

۴۹ ترمذی

۵۰ بخاری ومسلم

۵۱ مصنف ابن ابی شیبہ

۵۲ مؤطا امام محمد

۵۳ فقہ آئمہ اربعہ

۵۴ فتاویٰ عالمگیری

۵۵ فقہ ائمہ اربعہ

۵۶ ابن ماجہ

۵۷ بحوالہ صغیری، درمختار وغیرہم

۵۸ مدارج النبوۃ

۵۹ فقہ ائمہ اربعہ

۶۰ بخاری، مسلم

۶۱ نسائی، حاکم

۶۲ بخاری، مسلم

۶۳ بخاری، مسلم

۶۴ داؤد، ابن ماجہ، نیل الاوطار، فتح الباری

۶۵ مسند امام احمد

۶۶ مسلم، مراۃ شرح مشکوٰۃ

۶۷ امام شوکانی

۶۸ نیل الاوطار، فتح الباری

نمازِ جنازہ

○ میت پر نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے اگر کسی نے بھی میت پر نماز نہ پڑھی تو جن لوگوں کو معلوم تھا، وہ سب گنہ گار ہوں گے، اور اگر صرف ایک شخص نے بھی نماز پڑھ لی تو فرض کفایہ ادا ہو گیا کیونکہ جماعت نماز جنازہ کے لیے شرط یا واجب نہیں[1]۔

○ سنت یہ ہے کہ نمازِ جنازہ باجماعت ادا کی جائے۔ حنفیہ کے نزدیک جماعت میں تین صفوں کا ہونا مستحب ہے۔ نمازیوں کی تعداد اگر سات ہو تب بھی تین آدمی پہلی صف میں، دو آدمی دوسری صف میں اور ایک تیسری صف میں کھڑا ہو۔ حنابلہ کے نزدیک سنت یہ ہے کہ اگر نمازیوں کی تعداد کافی ہو تو کوئی صف بھی تین آدمیوں سے کم نہ ہو۔ اگر صرف چھ آدمی ہوں تو دو دو کی صفیں ہوں۔ شافعیہ کے نزدیک کم سے کم دو صفیں ہوں خواہ امام کے ساتھ ہوں کہ نماز جنازہ میں مقتدی کا امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے[2]۔ امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو تو وہ امام کے برابر نہیں پیچھے کھڑا ہو[3]۔

○ افضل یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والا قبر تک جائے اور دفن کئے جانے کا انتظار کرے۔ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک جو شخص نمازِ جنازہ کے ساتھ ہو اسے نماز پڑھے بغیر واپس نہیں آنا چاہیے۔ البتہ نماز پڑھ کر میت والوں سے اجازت لے کر آ سکتا ہے اور دفن کے بعد اجازت کی ضرورت نہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک واپس آنے میں کوئی کراہت نہیں ہے[4]۔

وقتِ نماز

○ پنجوقتہ نمازوں کے لیے جس طرح اوقات مقرر ہیں، نماز جنازہ کے لیے اس طرح کا کوئی وقت مقرر نہیں ۵۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وقتوں میں نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا، جب سورج طلوع ہورہا ہو، جب عین دوپہر کا وقت ہو اور جب سورج غروب ہورہا ہو ۶۔

○ امام احمدؒ بن حنبل، امام اسحاقؒ، امام ترمذیؒ ان مکروہ اوقات میں نمازِ جنازہ پڑھنے کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن امام شافعیؒ کہتے تھے کہ ان اوقات میں نمازِ جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک نمازِ فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے اور نماز عصر کے بعد آفتاب کے زرد ہونے سے پہلے نفل اور سنتیں پڑھنا تو ممنوع ہے مگر نمازِ جنازہ ان اوقات میں بھی بلا کراہت درست ہے۔ البتہ اوپر بتائے گئے تین اوقات میں نماز جنازہ جائز نہیں ۷۔ لیکن جنازہ اگر ان ہی اوقات میں آئے تو اس وقت بھی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے ۸۔ تاہم جان بوجھ کر ممنوعہ اوقات تک تاخیر نہ کی جائے ۹۔ اور نمازِ جنازہ میں رات دن کا کوئی امتیاز نہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا "اپنے فوت ہونے والوں کی نمازِ جنازہ رات اور دن میں پڑھو ۱۰۔ حضرت ابوبکرؓ رات ہی میں دفنائے گئے تھے۔

○ جمعۃ المبارک کے دن کسی کا انتقال ہوا تو جمعہ کی نماز سے پہلے اگر کفن، نماز اور دفن وغیرہ ہو سکے تو کرلیں۔ اس خیال سے جنازہ روکنا کہ جمعہ کی نماز میں مجمع زیادہ ہوگا مکروہ ہے۔ اسی طرح نمازِ مغرب کے وقت جنازہ آئے یا کسی اور نماز کے وقت جنازہ آئے اور جماعت تیار ہو تو فرض وسنت پڑھ کر نماز جنازہ پڑھیں بشرطیکہ نمازِ جنازہ کی تاخیر میں میّت خراب ہونے کا خدشہ نہ ہو۔ اگر جنازہ نماز عید کے وقت آیا تو پہلے عید کی نماز پڑھیں، پھر جنازہ پھر خطبہ۔ گہن کی نماز کے وقت آئے تو پہلے جنازہ پھر گہن کی نماز پڑھیں ۱۱۔

جائے نماز

- حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک میّت کا مسجد میں لانا یا مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ اس لیے افضل یہ ہے کہ نماز جنازہ عام مسجد سے باہر ادا کی جائے بلکہ حنفیہ کے نزدیک تو سخت سردی، تیز دھوپ اور بارش میں بھی مسجد میں جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا۔ اس لیے کہ ابوداؤد کی حدیث مرفوع ہے کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لیے کوئی ثواب نہیں۱۲۔ البتہ کوئی عذر شرعی ہو تو مسجد میں بھی جنازہ پڑھا جا سکتا ہے۔ بہتر ہے کہ الگ جنازگاہ بنائی جائے۱۳۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مسجد کے نجاست آلود ہونے کا خدشہ نہ ہو تو مسجد میں نمازِ جنازہ جائز ہے ورنہ مسجد میں میّت پر نماز حرام ہے اور اس کو مسجد میں لانا بھی حرام ہے۔ شافعیہ کے نزدیک مسجد کے اندر نمازِ جنازہ کی ادائیگی مستحب ہے۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں مسجد سے باہر ہی نمازِ جنازہ ادا کرنے کا معمول تھا۔ تاہم حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیلؓ بن بیضا اور اس کے بھائی کی نمازِ جنازہ مسجد نبوی میں پڑھائی۱۴۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکرؓ الصدیق کی اور حضرت صہیبؓ نے حضرت عمر فاروق کی نماز جنازہ مسجد نبوی میں پڑھائی۱۵۔ امام نوویؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاقؒ، امام ابن عبدالبرؒ اسی کے قائل تھے۔ ایک روایت کے یہ بھی الفاظ ہیں کہ ''جنازہ مسجد میں منبر کے سامنے رکھا گیا''۔ امہات المومنین نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی نماز جنازہ مسجد نبوی میں ادا کی۔۱۶

- عام راستہ پر یا کسی دوسرے کی زمین پر اس کی اجازت کے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہے۱۷۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے درمیان جنازہ ادا کرنے سے منع فرمایا ہے۱۸۔ اور رسول اللہؐ قبرستان میں مسجد بنانے کو ناپسند فرماتے تھے۔۱۹

○ حنفیہ کہتے ہیں امیر وقت یا اس کا نائب میّت کے قریبی رشتہ دار سے بھی زیادہ امامت جنازہ کا حقدار ہے۔نواسہ رسولؐ حضرت حسن بن علیؓ کا انتقال ہوا تو حضرت حسینؓ نے گورنر مدینہ حضرت سعید بن العاصؓ سے باوجود ناراضگی کے کہا ''آگے بڑھ کر نماز پڑھاؤ۔اگر یہ سنت نہ ہوتا تو تمہیں کبھی آگے نہ کرتا'' ۲۰۔

○ اگر امیر یا اس کا نائب موجود نہ ہو اس کے بعد قاضی، پھر پولیس افسر، پھر قبیلہ کا امام، پھر کتاب اللہ کو بہتر پڑھنے والا اگر قرآن پڑھنے میں سب برابر ہوں تو سنت کو زیادہ جاننے والا۔اگر سنت کو جاننے میں سب برابر ہوں تو پہلے ہجرت کرنے والا، پھر سب سے پہلے اسلام لانے والا امامت کا حقدار ہے۔ ۲۱

○ امیر اور قاضی وغیرہ کی عدم موجودگی میں امام جمعہ اور اگر وہ بھی نہ ہو تو امام مسجد نمازِ جنازہ پڑھائے گا۔اگر میّت کا ولی بموجب ترتیب قرابت داری امام محلّہ سے افضل ہے تو امامت کا حق اس کا ہے یہ حنفیہ کا قول ہے ۲۲۔ البتہ نماز پڑھانے کا حق رکھنے والا کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کی اجازت دے سکتا ہے۔

○ حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے ''میّت پر نماز پڑھانے کا سب سے زیادہ حق دار ولی ہے'' ۲۳۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر کا بھی یہی قول ہے۔

○ آج کے دور میں نہ تو امیر اور وہ قاضی ہیں۔اگر کہیں ہیں تو اتنے صاحبِ علم وعمل نہیں۔نہ ہی مسلمانوں کی اکثریت اتنی اہلیت اور صلاحیت رکھتی ہے کہ اپنے مرحومین کے ولی کی حیثیت سے امامت کی ذمہ داری نبھا سکے، اس لیے آج کے دور میں علمائے احناف اور دیگر علماء کو جو نمازِ جنازہ کا اولین استحقاق امیر ملت یا امیر شہر اور قاضی شہر کو کلی اختیار دیتے ہیں اس مسئلے کے بارے میں حالات حاضرہ کے سیاق وسباق میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔

○ حنفیہ کے نزدیک مرنے والا اگر وصیت کر جائے کہ اس کی نمازِ جنازہ فلاں شخص

پڑھائے تو شرعاً اس پر عمل کرنا ضروری نہیں کیونکہ یہ وصیت باطل ہے۔ یعنی اس وصیت سے ولی کا حق جاتا نہ رہے گا بلکہ حنفیہ کے نزدیک اس وصیت کے باوجود انہی کو امام بنانا چاہیے جنہیں فقہ حنفیہ کے مطابق اس کا استحقاق ہے یعنی سلطان، امیر، قاضی یا ان کے نائبین جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ البتہ وہی کسی اور کو امام بنانا چاہیں یا ولی خود نہ پڑھائے اس سے پڑھوادے جس کے لیے وصیت کی گئی ہے تو یہ جائز ہے[۲۴]۔ لیکن حنابلہ کہتے ہیں نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار وہی ہوتا ہے جس کے لیے میّت نے وصیت کی ہو بشرطیکہ وہ معتبر اور عادل شخص ہو۔ اس کے بعد سلطان، پھر نائب پھر باپ بیٹا اور دیگر رشتہ دار بموجب ترتیب وارثان۔ حنابلہ کے نزدیک میّت کے ولی پر وصیت کی صورت میں جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے اس کو عام حالات میں نبھانا اس کا فرض بن جاتا ہے[۲۵]۔

- شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی امامت کے لیے سب سے مقدم میّت کا باپ، پھر اس کا بیٹا، پھر اس کا بھائی، چچا، تایا، حقیقی بھتیجا، چچازاد بھائی وعلی ھذا القیاس بموجب ترتیب حقداری وراثت پھر سب سے بڑا امام یا اس کا نائب، پھر ازدواجی رشتہ سے قریب ترین شخص بالترتیب وغیرہ۔ اگر میّت نے کسی ایسے شخص کو نمازِ جنازہ پڑھانے کی وصیت کی ہو جو مذکورہ ترتیب کی رو سے امامت کا حق دار نہ ہو تو وصیت پر عمل نہ کیا جائے گا۔۔۔ مالکیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ پڑھانے کا اولین حقدار وہ ہے جس کو حصول برکت کے لیے میّت نے نماز پڑھانے کی وصیت کی ہو۔ اگر وصیت اس غرض سے نہ ہو تو اُسے حق امامت نہ ہوگا۔ اس کے بعد خلیفہ وقت یا امام اعظم (سربراہ اعلیٰ) کا حق ہے پھر قریب ترصلبی رشتہ دار کا حق ہے۔ اس لیے سب سے پہلے بیٹا، پھر پوتا، باپ، بھائی، بھتیجا، دادا، چچا، اور چچازاد بھائی وغیرہ اسی ترتیب سے ان میں جو علم دین میں فائق ہے اس کو فوقیت دی جائے گی۔

- عورت کا انتقال ہوا۔ شوہر اور جوان بیٹا چھوڑا تو ولایت بیٹے کو ہے، شوہر کو نہیں۔ البتہ اگر یہ بیٹا اسی شوہر سے ہے، تو باپ پر پیش قدمی کرنا مکروہ ہے۔ اسے چاہیے کہ باپ

سے پڑھوائے، اور اگر بیٹا دوسرے شوہر سے ہے تو سوتیلے باپ پر پیش قدمی کر سکتا ہے، کوئی حرج نہیں، اور بیٹا بالغ نہ ہو تو عورت کے جو اور ولی ہیں ان کا حق ہے، شوہر کا نہیں ۲۶۔

○ عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو شوہر نماز پڑھائے وہ بھی نہ ہو تو پڑوسی، اسی طرح مرد کا ولی نہ ہو تو پڑوسی اوروں پر مقدم ہے۔ ۲۷

○ عورتوں اور بچوں کو نمازِ جنازہ کی ولایت (حاصل) نہیں ہے۔ ۲۸

○ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک ایک بار نمازِ جنازہ باجماعت ادا ہو جانے کے بعد دوبارہ نہ پڑھی جائے مکروہ ہے۔ البتہ شافعیہ بعد میں آنے والوں کے لیے دوبارہ نمازِ جنازہ باجماعت بلکہ بعد دفن پڑھنے کو بھی روا رکھتے ہیں ۲۹۔ البتہ جس نے ایک بار پڑھ لی دوبارہ نہ پڑھے۔ حنفیہ کے موقف کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ اگر نماز باجماعت ولی کی اجازت کے بغیر کسی ایسے شخص مثلاً امیر وقت، قاضی شہر نے پڑھائی ہو، جسے استحقاق امامت میں ولی پر ترجیح ہے تو ولی نماز کا اعادہ نہیں کر سکتا۔ ولی کے سوا اور ولی کی اجازت کے بغیر کسی ایسے شخص نے نماز پڑھا دی جو ولی پر مقدم نہیں تھا، تو ولی نماز دوبارہ پڑھا سکتا ہے، بلکہ مردہ اگر دفن بھی کر دیا گیا ہے، ولی پھر بھی قبر پر نماز پڑھا سکتا ہے۔ البتہ اگر ایک ولی نے نماز پڑھا دی تو دوسرے ولی (اولیا) نماز کا اعادہ نہیں کر سکتے (یعنی دوبارہ نہیں پڑھا سکتے) اور ہر صورت اعادہ میں، یعنی جو صورتیں دوبارہ نماز پڑھنے کے سلسلے میں بیان ہوئی ہیں، جو شخص پہلی نماز میں شریک نہ تھا، وہ ولی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے اور جو شخص شریک تھا، وہ ولی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ جنازہ کی دو مرتبہ نماز ناجائز ہے ۳۰۔

○ حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ کے لیے امام یا منفرد بلا امتیاز مرد و زن میّت کے سینے کے مقابل کھڑا ہوگا۔ بلا امتیاز مرد و زن مالکیہ کے نزدیک امام مرد میّت کے سینے کے مقابل اور عورت میّت کے مونڈھوں کے سامنے کھڑا ہوگا۔ حنابلہ کہتے ہیں امام مرد میّت کے سینے کے مقابل اور عورت میّت کے وسط میں کھڑا ہو۔ شافعیہ کے نزدیک امام یا منفرد مرد میّت

کے سر کے سامنے اور عورت یا مخنث کی میّت کے کولھے کے سامنے کھڑا ہوگا ۳۱۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ میں مرد میّت کے سر کے سامنے اور عورت میّت کے لیے درمیان میں کھڑے ہوتے ۔۳۲

○ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز جنازہ پڑھاتے تو بلا امتیاز مرد و زن میّت کے درمیان میں کھڑے ہوتے تھے۔ اور حضرت حسنؓ بھی اس کی پرواہ نہ کرتے کہ امامت کراتے وقت میّت کے سامنے کہاں کھڑا ہوں ۳۳۔

شرائطِ نماز

○ نماز جنازہ واجب ہونے کے لیے وہی شرائط ہیں جو دوسری نمازوں کے لیے ہیں ان کی تعداد پانچ ہے (۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) قادر ہونا یعنی جنازگاہ پہنچ کر نماز پڑھنے کی طاقت رکھنا (۴) مسلمان ہونا اور (۵) موت کی خبر ہونا۔ پس جس کو موت کی خبر نہ ہوگی نمازِ جنازہ اس پر فرض نہیں ۳۴۔

○ نمازِ جنازہ جائز و صحیح ہونے کیلیے بھی ایک نمازی کے لیے وہی شرائط ہیں جو دوسری نمازوں کے لیے ہیں یعنی (۱) طہارت (۲) سترِ عورت (جسم کا ناف سے گھٹنوں تک کا حصہ چھپانا فرض ہے) (۳) استقبال قبلہ (قبلہ کی جانب سینے اور منہ کا ہونا) اور (۴) نیت (دل میں نیت ہو کہ نماز جنازہ پڑھ رہا ہوں) ۳۵۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کوئی بھی صحیح حدیث اس نیت کے بارے میں نہیں ہے جو آج کل رائج ہے۔ یہ متاخرین کی اختیار کردہ ہے۔ جب کوئی مسلمان جنازہ میں شریک ہوتا ہے اس کے دل و دماغ میں ادائیگی جنازہ کی نیت موجود ہوتی ہے۔ ائمہ حنفیہ کے نزدیک وہی نیت کافی ہے۔ اگر امام بھی دل ہی میں سوچ لے کہ وہ نماز جنازہ ادا کرنے لگا ہے تو بھی ٹھیک ہے۔ ۳۶ البتہ نماز سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ میّت مرد کی ہے یا عورت کی یا بچے کی، کیونکہ مرد اور عورت کی دعا میں مذکر و

مونث کے صیغے الگ ہیں اور بچے کی دعا ویسے ہی مختلف ہے۔

○ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں میں نماز پڑھا کرتے تھے[۳۷] حنفیہ کے نزدیک جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھی جائے تو جوتا اور اس کے نیچے کی زمین دونوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ بقدر مانع نجاست ہوگی تو اس طرح نماز نہ ہوگی اور اگر جوتے پر کھڑے ہوکر پڑھی جائے تو جوتے کے اوپر کا حصہ جو پیر سے متصل ہو اس کا پاک ہونا ضروری ہے[۳۸]، اگرچہ تلا ناپاک ہو اس صورت میں اگر وہ زمین بھی ناپاک ہو تو کوئی حرج نہیں[۳۹]۔

○ نماز جنازہ کے لیے پانی کی موجودگی میں بھی وضو کے بجائے تیمّم کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ نماز جنازہ نکل جانے کا خدشہ ہو۔ البتہ میّت کے ولی کو یہ اجازت نہیں کیونکہ حاضرین جنازہ ولی کا انتظار کریں گے۔[۴۰]

○ نماز جنازہ جائز اور صحیح ہونے کے لیے میّت کے تعلق سے، پانچ شرائط ہیں (۱) اولین شرط میّت کا مسلمان ہونا ہے، کافر اور مرتد کی نماز جنازہ حرام ہے[۴۰]۔ کہتے ہیں کہ ایک مسلمان پر ہر مسلمان کی نماز فرض ہے خواہ کیسا ہی فاسق و فاجر ہو، ماسوا چار لوگوں کے: باغی، رہزن جو ڈاکے میں قتل ہو، اسی طرح رات کو شہر میں ہتھیار لے کر لوٹ مار کرنے والا اور گلا دبا کر مارنے والا۔ اپنے ماں باپ میں سے کسی کا قاتل[۴۱]۔ ابی داؤد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے "ہر مسلمان کی نماز جنازہ تم پر فرض ہے نیک ہو یا بد اگرچہ اس نے گناہ کبیرہ کیے ہوں"۔

ان کا جنازہ نہیں ہوگا

○ ان لوگوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی: اول۔ جو مسلمان حاکم کے خلاف حق سے بغاوت کریں اور اسی بغاوت میں مارے جائیں۔ دوم۔ ڈاکو کہ ڈاکہ ڈالتے ہوئے مارا گیا ہو نہ ان کو غسل دیا جائے نہ ان کا جنازہ پڑھا جائے گا البتہ جو سزا میں قتل کیے جائیں یا نہ پکڑے گئے بلکہ فطری موت مرے ہوں ان کا غسل بھی ہے اور نماز بھی۔ اسی طرح قبائلی،

لسانی، وطنی یا صوبائی عصبیتوں کے لیے لڑی جانے والی لڑائی میں قتل ہونے والوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اگر لڑائی کے بعد قتل ہوئے یا لڑائی کے بعد فطری موت مرے تو ان کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ سوم: جو شخص کسی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے۔ چہارم: جو شخص اپنے باپ یا ماں کو قتل کرے اور اس کی سزا میں مارا جائے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ پنجم: جو شخص رات کو ہتھیار لے کر لوٹ مار کرے یا کسی شخص کا مال چھین رہا ہو اور اسی حالت میں مارا جائے اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔[۴۲] بعض احناف کے نزدیک بد مذہبوں کی نماز جنازہ نہیں ہوگی یعنی مسلمہ اہلسنت مسالک کے علاوہ کسی دوسرے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔[۴۳]

- حنفیہ کے نزدیک جو شخص بدکاری کے جرم میں سنگسار کیا گیا یا قصاص میں مارا گیا، یا جس نے قصداً خودکشی کی اسے غسل بھی دیں گے اور نماز بھی پڑھیں گے۔[۴۴] البتہ امام شوکانیؒ اور امام مالکؒ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا مسلک رکھتے تھے۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے عمداً لوہے کے کسی آلے کے ساتھ اپنے آپ کو قتل کیا، یا گلے میں پھندا ڈال کر یا کسی اور طرح گلا دبا کر خودکشی کی، اس کو جہنم میں اسی طرح کے عذاب کا حقدار بنا دیا گیا[۴۵]۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر کی نوک سے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔[۴۶]
- سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اول اول آپؐ کسی ایسی میّت کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس پر قرضہ ہو اور اس نے اتنا ترکہ نہ چھوڑا جس سے اس کا قرضہ ادا ہو سکے جب تک کہ کوئی صحابیؓ اس کا قرضہ ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں لیتا تھا بلکہ صحابہؓ سے فرماتے کہ وہ اپنے ساتھی کی نماز پڑھ لیں[۴۷]۔ البتہ جب مدینہ کی اسلامی ریاست کو استحکام حاصل ہوا اور مال آنا شروع ہو گیا تو مقروض میّت کا جنازہ پڑھتے اور فرماتے ''میّت پر جو قرضہ ہے اس کا ادا کرنا میرے اوپر ہے، اور اس نے جو مال چھوڑا وہ

اس کے ورثا کے لیے ہے''۔ ۴۸؎ مطلب یہ کہ جو لوگ اپنی مدد کرنے سے عاجز آ جائیں، اسلامی فلاحی ریاست کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ ان کی مدد کرے۔

○ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروض کی نماز نہ پڑھ کر امت کو یہ سبق دیا کہ قرض لے کر کھا نہیں جانا بلکہ ادا کرنا ہے، چنانچہ فرمایا: ''جس کی روح جسم سے الگ ہوئی اور وہ تین چیزوں یعنی تکبر، بد دیانتی اور قرضے سے بچا ہوا تھا تو وہ جنت میں داخل ہو گا''۔ ۴۹؎

○ ''مومن کی روح اس وقت تک معلق رہتی ہے، جب تک اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے''۔ ۵۰؎

○ ''جو فوت ہو گیا اور اس پر ایک دینار یا ایک درہم قرضہ تھا، آخرت میں اس کی نیکیوں میں سے قرضہ ادا کیا جائے گا کیونکہ وہاں دینار و درہم نہ ہوں گے''۔ ۵۱؎

○ میّت کے مسلمان ہونے کے باوجود دو طرح کے آدمیوں کی نماز جنازہ ادا کرنا فرض نہیں: (۱) نابالغ بچہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم نے اٹھارہ ماہ کی عمر میں وفات پائی۔ آپؐ نے اس کی نماز جنازہ ادا نہیں فرمائی ۵۲؎۔ (۲) شہید۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اور دیگر شہداء کی نماز جنازہ ادا نہیں فرمائی ۵۳؎۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان ہر دو کا جنازہ پڑھنا شرعاً جائز نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ''شہید اور حاجی کی تجہیز و تکفین''۔ مختصراً یہ کہ حنفیہ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ روا ہے جبکہ دوسرے تین ائمہ کے نزدیک شہید پر نمازِ جنازہ حرام ہے۔

○ میّت سے مراد وہ شخص ہے جو زندہ پیدا ہو کر مر گیا یعنی جو بچہ پیدا ہونے پر رویا یا دنیاوی زندگی کا ثبوت مہیا ہو جانے کے بعد فوت ہوا ہو تو بالاتفاق اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، لیکن جو بچہ اس حال میں جنم لے کہ زندگی کے کوئی آثار اس میں موجود نہ تھے یعنی مردہ پیدا ہوا، تو اس کی نمازِ جنازہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس پر نماز جنازہ

پڑھنے اور دوسرا نہ پڑھنے کے حق میں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ایسے بچے کو جو مردہ پیدا ہو یا اکثر حصہ رحم مادر سے باہر آنے سے پہلے مر گیا، اسے ایسے ہی نہلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں گے۔ اس کے لیے غسل و کفن سنت کے مطابق نہیں اور نماز بھی اس کی نہیں پڑھی جائے گی ۵۴۔ امام شافعیؒ اور امام ثوریؒ کا عمل بھی یہی تھا، یعنی صرف اس بچے پر نماز جنازہ پڑھی جائے جو پیدا تو زندہ ہوا لیکن بعد میں فوت ہو گیا۔ اسی طرح جائیداد کا وارث بھی وہی بنے گا جو زندہ پیدا ہوا اس کی اساس حضرت جابرؓ کی ایک روایت ہے "جب بچہ پیدا ہونے پر روئے پھر فوت ہو جائے تو اس کی نماز پڑھی جائے اور اسے وارث بنایا جائے"۔ ۵۵

جو مردہ پیدا ہونے والے بچے پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے قائل ہیں ان کی دلیل سرور کائنات ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ چار ماہ گزر جانے پر ماں کے پیٹ میں بچہ میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ ۵۶ امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحٰقؒ نے اسی عمل کو اپنایا۔ اس طرح دونوں گروہوں میں سے کسی پر طعن نہیں ہو سکتا کیونکہ بچے کی نماز جنازہ میں بچے کے بجائے اس کے والدین اور نماز میں شریک ہونے والوں کے لیے دعا کی جاتی ہے، بچہ تو معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ ویسے بھی جہاں یہ حکم ہے کہ "بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے" ۵۷ وہاں اس کی وضاحت نہیں کہ وہ مردہ پیدا ہو یا زندہ تو نماز پڑھی جائے۔

○ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نماز جنازہ جائز اور صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ میّت حاضر (موجود) ہو غائبانہ نمازِ جنازہ درست نہیں۔ حنابلہ کے نزدیک موت کے ایک ماہ تک غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا روا ہے، اور شافعیہ کہتے ہیں کہ نمازِ جنازہ درحقیقت میّت کے لیے دعا ہوتی ہے۔ اس لیے غائبانہ دعا مانگنے کی طرح غائبانہ جنازہ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ میّت اس شہر کی نہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے نجاشی شاہ حبشہ ۵۸ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی ۵۹ رسول اللہ ﷺ کے عمل کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام شافعیؒ، امام

احمد بن حنبلؒ علامہ ابن حزم اور سلف میں جمہور غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کے قائل تھے ۶۰۔
امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ کا واقعہ نجاشی کے ساتھ خاص تھا۔
سلفی حضرات غائبانہ نمازِ جنازہ کے عدم جواز پر متفق ہیں، لیکن ان کے نزدیک ایسے مسلمان کی جس نے ایسے علاقے میں وفات پائی، جہاں کسی نے اس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو، غائبانہ نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ کے لیے میّت کا لوگوں کے سامنے ہونا صحت نماز کی ایک شرط ہے خواہ صرف امام کے سامنے ہی ہو ۶۱ لیکن مالکیہ میّت کی وہاں موجودگی کو کافی سمجھتے ہیں خواہ آگے ہو یا پیچھے۔

○ تیسری شرط نماز جنازہ کے لیے میّت کے بدن اور کفن کا پاک ہونا ہے۔ اس کے روبقبلہ ہونا، واجب الستر حصوں کا چھپا ہونا، میّت یا جس چیز پر میّت رکھی ہو اس کا زمین پر رکھے ہونا بھی لازمی شرائط کی حیثیت رکھتے ہیں ۶۲۔ یہ حکم حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک میّت خواہ کسی جانور پر ہو یا گاڑی پر یا لوگوں کے ہاتھوں اور گردنوں پر نمازِ جنازہ جائز ہے۔

○ حنفیہ کے نزدیک ایسی میّت کی قبر پر نماز پڑھنا روا ہے (ا) جسے غسل یا تیمّم کرائے بغیر دفن کر دیا گیا ہو اور قبر پر مٹی پڑ چکی ہو مگر نعش پھٹی نہ ہو (ب) ایسی میّت جس پر غسل یا تیمّم کے بغیر نماز پڑھی گئی ہو اور اسے دفن بھی کر دیا گیا ہو، اس کے بعد معلوم ہو کہ اس کو غسل نہ دیا گیا تھا، تو جب تک نعش نہ پھٹنے کا یقین ہو اس کی قبر پر دوبارہ نماز پڑھی جاسکے گی۔ اس لیے کہ پہلی نماز صحیح نہیں ہوئی۔ اب چونکہ غسل ممکن نہیں ہے لہٰذا نماز ہو جائے گی۔ (ج) جس میّت کو بے نماز جنازہ پڑھے دفن کر دیا گیا ہو اس کی نماز اس کی قبر پر پڑھی جائے گی جب تک کہ اس کی نعش کے پھٹ جانے کا خدشہ نہ ہو۔ نعش پھٹنے کی مدت ہر جگہ کے اعتبار سے مختلف ہے اور یہ تین دن، دس دن اور ایک ماہ تک بیان کی گئی ہے ۶۳۔ استاد محمد ناصر الدین الالبانی کے نزدیک اس شخص کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی جس کی نماز جنازہ ادا نہ کی گئی ہو یا

چند افراد نے بلا اجازت ولی نماز ادا کی اور اسے دفن کر دیا۔ اس سلسلے میں کئی احادیث ہیں کہ رسول اللہؐ نے متعدد بار قبر پر نماز ادا کی مثلاً مسجد نبوی کی صفائی کرنے والے شخص کی قبر پر کہ آپ کو اس کی موت کی خبر نہ ہوئی، جب معلوم ہوا آپؐ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز پڑھی ۶۴۔ حضرت براءؓ بن معرور کی قبر پر ایک مہینہ کے بعد نماز جنازہ پڑھی ۶۵۔ ایک نئی بنی ہوئی قبر پر مع اپنے اصحابؓ کے نماز ادا کی ۶۶۔ اور فرمایا ''یہ قبریں اہل قبور پر اندھیروں سے بھری ہوئی ہیں، بے شک میری نماز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو منور کر دیتا ہے''۔

○ حنفیہ کے نزدیک جو شخص دریا میں ڈوب کر مر گیا اور اس کی نعش نہیں ملی، اس کی نماز جنازہ نہیں ہو سکتی کیونکہ میّت کا امام و مقتدی کے آگے ہونا معلوم نہیں۔ البتہ کوئی شخص کنوئیں میں گر کر یا مکان کا ملبہ وغیرہ اوپر گرنے سے مر گیا مگر میّت نہ نکالی جا سکی، اس کی نماز اسی جگہ پڑھی جائے تو روا ہے۔ ۶۷

○ قرآن مجید میں حکم ہے ''اور آئندہ ان (کفار و منافقین) میں سے جو مرے اس کی نماز جنازہ تم ہرگز نہ پڑھنا نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور وہ مرے ہیں اس حال میں کہ وہ فاسق تھے ۶۸۔

آیت قرآن اور دلیل اجماع سے کافروں کی نماز جنازہ ادا کرنا یا ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا حرام ہے ۶۹۔

ارکان نمازِ جنازہ

نمازِ جنازہ کے چند ارکان ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک رکن بھی رہ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور دوبارہ نماز پڑھنا لازم ہے۔

○ پہلا رکن نیت ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک نیت رکن ہے لیکن حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں یہ رکن نہیں شرط ہے۔ بہر حال دوسری نمازوں کی طرف نمازِ جنازہ کی نیت لازمی

ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں صرف اتنا کافی ہے کہ حاضر میّت کی نمازِ جنازہ کا ارادہ کیا جائے۔ میّت مرد کی ہو یا عورت کی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ صحتِ نماز کے لیے ضروری ہے کہ نمازِ جنازہ ادا کرنے کا ارادہ کیا جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس نماز کے فرض ہونے کی بھی نیت کی جائے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ نیت کا طریقہ یہ ہے کہ حاضر میّت کی نماز جنازہ پڑھنے کی نیت کی جائے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صحتِ نماز کے لیے ضروری ہے کہ نماز جنازہ ادا کرنے کا ارادہ کیا جائے اور نماز جنازہ فرض ادا کرنے کی نیت ہو تو فرض کفایہ ہونے کی صراحت بھی کی جائے۔ جنازہ کا دوسرا رکن تکبیرات ہے۔ تیسرا قیام کہ نمازِ جنازہ کو حالت قیام میں پورا کرنا ہے۔ اگر بغیر عذر بیٹھ کر یا سواری پر نماز پڑھی جائے تو بالاتفاق نماز نہیں ہوگی، البتہ ولی یا امام کو بہ امر مجبوری اور بحالت بیماری بیٹھ کر نماز پڑھانے کی اجازت ہے بشرطیکہ مقتدی حالت قیام ہی میں نماز مکمل کریں۔ چوتھا رکن میّت کے حق میں دعا کرنا اور پانچواں رکن سلام ہے، سلام چوتھی تکبیر کے بعد پھیرا جائے۔ تین اماموں کے نزدیک یہ رُکن ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں یہ رکن نہیں واجب ہے جیسا کہ دوسری نمازوں میں ہوتا ہے۔ اس لیے اگر یہ رہ جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی، اور دوسری تکبیر کے بعد درود بھی منجملہ ارکان کے ہے، شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک یہ رکن (فرض) ہے، حنفیہ کہتے ہیں دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھنا سنت ہے رکن نہیں ہے۔ مالکیہ ہر تکبیر کے بعد دعا سے پہلے درود پڑھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

رہا میّت کے لیے دعا کا مسئلہ تو مالکیہ ہر تکبیر کے بعد دعا کو روا رکھتے ہیں، یعنی چوتھی تکبیر کے بعد بھی اور کم سے کم دعا ''اللھم اغفرہ'' (یعنی بار الٰہی اس کی مغفرت فرما) ہے۔ اور سب سے بہتر وہ دعا ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتائی کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد کہے کہ ''اللھم انہ عبدک وابن عبدک الخ'' پھر سلام پھیرے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ دعا تیسری تکبیر کے بعد کی جائے اور مخصوص الفاظ میں دعا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ صرف اتنا ضروری ہے

کہ امورِ آخرت کے لیے دعا ہو اور بہتر یہ ہے کہ عوف بن مالکؓ سے مروی حدیث میں بیان کردہ دعا کی جائے ورنہ کوئی سی بھی دعا کی جا سکتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ دعا کے لیے شرط یہ ہے کہ تیسری تکبیر کے بعد میّت حاضرہ کے لیے خیر کی دعا مانگی جائے۔ تمام مسلمانوں کے لیے مانگی گئی دعا کافی نہ ہوگی البتہ بچے کی میّت ہو تو کافی ہوگی، وہ دعا کے لیے مخصوص الفاظ کی پابندی پر بھی اصرار نہیں کرتے۔ حنابلہ کے نزدیک بھی دعا کی جگہ تیسری تکبیر کے بعد ہے اور چوتھی تکبیر کے بعد بھی جائز ہے ان دونوں کے سوا کسی تکبیر کے بعد دعا درست نہیں (فقہ آئمہ اربعہ)۔

تکبیراتِ نماز

علماء کرام کی ایک جماعت نے ہر تکبیر کو فرض نماز کی رکعت کے قائم مقام قرار دیا ہے اس لیے اگر ایک بھی تکبیر رہ جائے تو نمازِ جنازہ نہ ہوگی، جیسے کسی فرض نماز کی ایک رکعت رہ جانے سے نماز نہیں ہوتی اے۔ نماز جنازہ میں کم از کم چار تکبیرات ہیں۔

○ نماز جنازہ چار یا پانچ سے لے کر نو تکبیروں کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے۔ چار تکبیروں سے متعلق احادیث قوی اور کثیر ہیں، اس لیے امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے اسے ہی اپنایا۔ حنفیہ اور شافعیہ مقتدی چار سے زائد تکبیروں میں امام کا اتباع کرنے کے بجائے سکوت کئے کھڑے رہتے ہیں، اور جب امام سلام پھیرے وہ بھی سلام پھیرتے ہیں، مالکیہ کے نزدیک ہر صورت میں مقتدی کو چار تکبیروں کے بعد سلام پھیر دینا چاہیے۔ حنابلہ سات تکبیروں تک امام کے اتباع اور بعد میں خاموش رہنے کے حق میں ہیں ۲ے۔ کہ ان کے نزدیک سات سے زائد تکبیریں جائز نہیں اس لیے امام کو اس سے آگاہ کیا جائے۔

○ حضرت علیؓ بدوی صحابہؓ کی نمازِ جنازہ میں چھ دوسرے صحابہؓ کے لیے پانچ اور عام لوگوں کے لیے چار تکبیرات کہا کرتے تھے۔ ۳ے۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چار سے سات تکبیرات کا معمول تھا، حضرت عمرؓ نے اصحاب رسول اللہؐ کو جمع کر

کے ان سے مشاورت کی اور ان کو چار تکبیرات پر جمع کر دیا۔۴ے

○ نمازِ جنازہ میں رفع یدین یا اپنے ہاتھ صرف پہلی تکبیر (تکبیر تحریمہ کے ساتھ) میں اٹھائیں۔ پھر اپنے ہاتھوں کو سینے پر اس طرح باندھیں کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، پہنچہ اور کلائی تک آ جائے۔ حنفیہ میں یہ طریقہ رائج ہے لیکن امام شافعیؒ ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھوں کو اٹھانے کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے ۵ے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز، ابوحازمؒ، زہریؒ، عطاؒ، زید بن ثابتؓ علامہ ابن حزم، خالد بن ابی بکر، عمران بن ابی زائدہؒ، ابن مبارکؒ، امام احمدؒ، امام اسحٰقؒ ، امام شافعیؒ اور امام ترمذیؒ اسی مذہب پر تھے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کا بھی ایک قول ہے ''نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھوں کو اٹھایا جائے ۶ے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کے مطابق ائمہ بلخ نے ہر تکبیر پر ہاتھوں کو اٹھانا اختیار کیا اور امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہ روایت ہے ۷ے۔ لیکن حنفیہ میں صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین ہے۔ دوسری اور تیسری تکبیر میں ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے۔ چوتھی تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھوں کو کھول دیتے اور امام کیساتھ سلام پھیر دیتے ہیں ۸ے۔

○ حنفیہ پہلی تکبیر کے بعد ثنا، دوسری کے بعد درود شریف، تیسری تکبیر کے بعد میّت کے لیے دعا پڑھتے ہیں، چوتھی تکبیر کے چند ثانیہ بعد سلام پھیر دیتے ہیں۔ مالکیہ چاروں تکبیروں میں ہر تکبیر کے بعد دعا مانگتے ہیں اور ہر دعا کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سے کرتے ہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ تکبیر تحریمہ کے بعد اعوذ باللہ اور سورۃ فاتحہ، دوسری تکبیر کے بعد درود شریف، تیسری تکبیر کے بعد میّت کے لیے دعا پڑھتے ہیں ۹ے۔

○ نماز جنازہ سرّی طور پر (دل) میں پڑھے۔ نمازِ جنازہ میں درود کے لیے کوئی خاص الفاظ احادیث سے ثابت نہیں ہیں اس لیے درود ابراہیمی (جو عام نماز میں تشہد کے بعد پڑھا جاتا ہے) ہی پڑھا جائے گا۔ پھر باقی تکبیریں ادا کرے اور میّت کے لیے مخلصانہ

دعا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میّت کی نمازِ جنازہ پڑھو تو بڑے اخلاص سے دعا کرو'' ۸۰۔

○ آخر میں فرض نماز کی طرح دونوں طرف سلام کہا جائے، پہلے دائیں پھر بائیں ۸۱۔ جنازے میں سلام قدرے آہستہ کہنا مسنون ہے۔ مقتدی بھی وہی کچھ کرے جو کچھ اس کا امام کر رہا ہے۔ ۸۲۔

○ حنفیہ کے نزدیک میت کے لیے مخصوص الفاظ میں دعا کرنا ضروری نہیں۔ یہ مقصود و مطلوب ضرور ہے کہ امورِ آخرت اور میّت کی مغفرت کے لیے دعا کی جائے اور نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا بطور دعا پڑھنا جائز ہے البتہ بہ نیت تلاوت پڑھنا مکروہ ہے اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ صحیح بخاری اور سنن نسائی میں پہلی تکبیر کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سورہ فاتحہ اور دوسری کوئی سورۃ پڑھنا ثابت ہے۔ چار سے زائد تکبیروں کے ساتھ نماز ادا کرنے والے درود شریف کے بعد باقی تکبیروں میں میّت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ مستدرک حاکم میں درج ایک حدیث کے مطابق آخری تکبیر اور سلام کے درمیان دعا پڑھنی ثابت ہے (فقہ آئمہ اربعہ)۔

○ بالغ میت پر کم سے کم دعا ''اللھم اغفرہ'' اور نابالغ میت پر ''اللھم اغفر والوالدیہ'' سنت ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو صرف چار تکبیریں کہہ دینے سے بھی نماز ہو جائے گی۔ اس لیے کہ دعا اور درود شریف کا پڑھنا فرض نہیں ہے۔

○ حنفیہ کہتے ہیں کہ نمازِ جنازہ کھڑے ہو کر پڑھنا اور چار تکبیریں کہنا فرض ہے جبکہ اللہ کی حمد و ثنا کرنا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور میّت کے لیے دعا کرنا سنت ہے ۸۳۔

○ نمازِ جنازہ میں اذان واقامت اور قرأت، رکوع، سجدہ، قعدہ وغیرہ نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تکبیر ثانی کے بعد دعا پڑھنا سنت ہے رکن نہیں۔ مالکیہ کہتے ہیں ہر تکبیر کے بعد

دعا سے پہلے درود پڑھنا مستحب ہے۔

○ نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ کا بہ نیت تلاوت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ دعا کے طور پر جائز ہے۔ شافعیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قرأت ارکان نماز میں سے ہے اور اس کا تکبیر اولیٰ کے بعد پڑھنا افضل ہے تاہم کسی بھی تکبیر کے بعد پڑھی جا سکتی ہے اور جب کسی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کر دی جائے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ اس کو کاٹنے اور نئی تکبیر کے بعد پڑھنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔ حنابلہ سورہ فاتحہ کو نمازِ جنازہ کا رکن کہتے ہیں اور تکبیر اولیٰ کے بعد پڑھنا واجب ہے قرار دیتے ہیں، مالکیہ نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو مکروہ تنزیہی بتاتے ہیں۔ (فقہ آئمہ اربعہ)

نماز جنازہ کی سنتیں

○ نمازِ جنازہ کی سنتیں مختلف مسالک کے مطابق مختلف ہیں جن کی تفصیل ملاحظہ ہو:

(ا) حنفیہ کہتے ہیں کہ تکبیر اولیٰ کے بعد ثنا، دوسری اور تیسری تکبیر کے بعد درود کا پڑھنا اور دعا کرنا سنت ہیں، اسی طرح امام کا میت کے سینے کے مقابل کھڑا ہونا اور جنازہ کی تین صفیں ہونا مستحب ہے۔

(ب) مالکیہ کہتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں سنتیں نہیں ہیں صرف مستحبات ہیں، مثلاً نماز کا آہستہ پڑھنا، صرف تکبیر اولیٰ میں ہاتھوں کا کندھوں تک اٹھانا، دعا کا آغاز حمد الٰہی اور نبی کریم پر درود بھیجنے سے کرنا، امام کا لوگوں کے آگے اور میت کے مونڈھوں کے سامنے کھڑے ہونا اور میت کے سر کا امام کے دائیں جانب ہونا، امام کا سلام اور تکبیر اونچی آواز سے کہنا سب مستحبات ہیں۔

(ج) حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کا باجماعت ادا کیا جانا، کسی صف کا تین آدمیوں سے کم نہ ہونا، اگر صرف چھ آدمی ہوں تو صفوں کا دو دو کا ہونا اور امام کا میت کے

سینے یا وسط (مرد یا عورت) کے مقابل کھڑے ہونا اور قرأت و دعا کا آہستہ پڑھنا نمازِ جنازہ کی سنتوں میں ہے۔

(د) شافعیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ کی سنتیں یہ ہیں: سورہ فاتحہ سے پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھنا، اور امین کہنا اور نماز کے تمام اقوال کو آہستہ ادا کرنا، لیکن امام اور مکبر حسب ضرورت تکبیر اور سلام کو بلند آواز سے ادا کرسکتا ہے۔ نماز کا با جماعت ادا کرنا اور کم از کم دو صفیں بنانا خواہ امام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہوں اور درود پورا اور بغیر سلام کے پڑھا جانا، درود سے پہلے سبحانک اللھم (الخ) پڑھنا اور درود کے بعد تمام مومنوں اور مومنات کے لیے دعا کرنا۔ نمازِ جنازہ میں دعائے ماثورہ پڑھنا، دونوں طرف سلام پھیرنا اور چوتھی تکبیر کے بعد مقررہ دعا کرنا۔ ہر تکبیر پر رفع یدین کرنا، امام کا میّت کے سامنے مقام مقرر پر کھڑے ہونا، ہاتھ زیر ناف باندھنا، جنازہ کو مسبوق کی نماز پوری ہونے تک نہ اٹھانا۔ دوسری بار نماز جنازہ مختلف لوگوں کا پڑھنا۔ (فقہ آئمہ اربعہ)

○ اہلحدیث حضرات کے نزدیک پہلی رفع یدین کے بعد ہاتھوں کو سینوں پر باندھنا، سبحنک اللہ (الخ) اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے ساتھ سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھنا، دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھنا، تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا کرنا، چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرنا مسنون ہے۔

○ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جو شخص نمازِ جنازہ شروع ہونے کے بعد پہنچے وہ خود فوراً ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر جماعت میں شامل نہ ہو، بلکہ امام کی اگلی تکبیر کا انتظار کرے اور اس کے ساتھ تکبیر کہہ کر جماعت میں شامل ہو۔ پھر جب امام سلام پھیرے تو اپنی رہ گئی تکبیروں کو پورا کرے۔ شافعیہ اور حنابلہ امام کی تکبیر کا انتظار کئے بغیر جماعت میں شامل ہونے کے حق میں ہیں البتہ شریک ہوتے وقت اس نے جو تکبیر کہی وہ ان چار تکبیروں میں شمار نہیں ہوتی جو فرض ہیں لہٰذا جب امام سلام پھیرے تو اس شخص پر لازم ہے کہ نماز میں شامل ہونے سے

پہلے کی (رہ گئی) تکبیروں کو پورا کرے ۸۴۔ البتہ حنفیہ اس کے حق میں ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت پہنچے کہ امام چوتھی تکبیر بھی کہہ چکا ہو تو فوراً تکبیر کہہ کر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے شریک ہو جائے اور ختم نماز کے بعد اپنی گئی ہوئی تین تکبیروں کا اعادہ کرے ۸۵۔

○ اگر کئی جنازے بیک وقت ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو بہتر یہ ہے کہ ہر ایک کی نماز علیحدہ پڑھی جائے ۸۶۔ لیکن سب جنازوں کی ایک ہی نماز پڑھنا بھی روا ہے ۸۷۔ اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ سب کو آگے پیچھے رکھیں یعنی سب کا سینہ امام کے سامنے ہو یا ایک ہی صف میں رکھ دیں، یعنی ایک کی پائنتی دوسرے کے سرہانے اور دوسرے کی پائنتی تیسرے کے سرہانے وغیرہ۔ ان ہر دو صورتوں میں بہتر یہ ہے کہ جو افضل ہو وہ امام کے قریب تر ہو، اگر فضیلت میں برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہے، اسے امام کے قریب رکھیں اگر جنازے مختلف صنف کے ہوں تو امام کے قریب مردوں کے جنازے ان کے بعد لڑکوں کے اور ان کے بعد عورتوں پھر خنثیٰ یعنی ہیجڑوں کے، پھر نابالغ لڑکیوں کے جنازے ہوں ۸۸۔

○ ایک جنازہ کی جماعت کے دوران میں دوسرا جنازہ آ جائے تو پہلی نماز جنازہ مکمل کی جائے پھر دوسرے کی پڑھی جائے ۸۹۔

○ جنازہ کی نماز بھی ان چیزوں سے فاسد ہو جاتی ہے جن چیزوں سے دوسری نمازوں میں فساد آتا ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ جنازہ کی نماز میں قہقہے اور عورت کی محاذات سے فرق نہیں آتا ۹۰۔

○ میّت کو جنازگاہ میں قبلہ کی طرف اس طرح رکھا جائے کہ اس کا سر شمال اور پاؤں جنوب کی طرف ہوں پھر امام مرد اور عورت کی میّت کے اعتبار سے اس کو سامنے رکھتے ہوئے چار پانچ فٹ کے فاصلہ پر کھڑا ہو جائے اور مقتدی عام نمازوں کی طرح امام کے پیچھے صفیں باندھ لیں۔

○ جب کوئی مسلمان بھائی کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوتا ہے تو اس حق سے سبکدوش ہو جاتا ہے جو میّت کی طرف سے اس پر عائد ہوتا ہے۔ نماز کے بعد اسے اختیار ہے چاہے واپس آ ئے یا اس کے دفنانے تک وہاں موجود رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم نماز پڑھ چکو تو تم پر جو فرض بنتا تھا وہ تم نے ادا کر دیا لہذا میّت اور اس کے گھر والوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ''۔ ۹۱

○ اگر کوئی وارثان میّت کی دلجوئی کے لیے ان سے نماز کے بعد اجازت لے کر آتا ہے تو یہ بھی روا ہے۔

○ نماز جنازہ میں صفوں کو درست رکھنا اسی طرح لازم ہے جس طرح دوسری نمازوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ایسے موقع پر شور وغیرہ مچانا احترامِ میّت کے منافی ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا: ''صفوں کو سیدھا رکھو اس لیے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کا حصہ ہے''۔ ۹۲ ''صفوں کو قائم کرو اور اچھی طرح مل کر کھڑے ہو جاؤ'' ۹۳۔ نیز ''اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ کندھا، گھٹنے کے ساتھ گھٹنا اور ٹخنے کے ساتھ ٹخنہ ملاؤ'' ۹۴۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنازے کی نماز پڑھا کرو، شاید کہ اس نماز سے تم پر غم طاری ہو۔ غمگین آدمی اللہ کے سائے میں رہتا اور ہر نیک کام کا استقبال کرتا ہے'' ۹۴۔

○ نماز جنازہ میں جو امام پڑھے وہی مقتدی بھی پڑھیں، خاموش نہ رہیں، البتہ امام تکبیریں بلند آواز سے کہے اور مقتدی آہستہ آہستہ کہیں۔

کثرتِ تعداد کی برکت

☆ زندہ مسلمان اپنے فوت شدہ بہن بھائی کی سب سے زیادہ خدمت یہ کر سکتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں نمازِ جنازہ میں شریک ہوں اور اس کی بخشش کے لیے دعا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

○ ''جس کی نماز جنازہ ایک سو مسلمانوں نے پڑھی اور اس کے لیے دعا کی اسے بخش

دیا جاتا ہے''۹۵۔

- ''جب کوئی مسلمان فوت ہو، اور اس کی نمازِ جنازہ میں چالیس لوگ ایسے جمع ہو جائیں جو اللہ کے ساتھ، کسی کو بھی شریک نہ بناتے ہوں، اللہ میّت کے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے''۹۶۔
- ''جس پر تین صفوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اس کے لیے مغفرت واجب ہے'' اس لیے حضرت مالک بن ہبیرہؓ کا معمول تھا کہ جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھاتے، اگر دیکھتے کہ لوگ کم شریک ہوئے ہیں تو ان کو تین صفوں میں تقسیم کر لیتے تھے۹۷۔
- نمازِ جنازہ کی صفوں کی تعداد ہمیشہ طاق رکھیں اور کم از کم تین صفیں ہوں۔
- حضرت ابوطلحہؓ نے رسول اللہ کو حضرت عمیر بن طلحہؓ کی وفات کے موقع پر بلا بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کے گھر ہی میں عمیر کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ رسول اللہؐ سب سے آگے کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوطلحہؓ آپ کے پیچھے اور حضرت ام سلیمؓ حضرت ابوطلحہؓ کے بھی پیچھے۔ مزید کوئی آدمی ان کے ساتھ نہ تھا۹۸۔
- نماز جنازہ سے فراغت کے بعد میّت کو فوراً تدفین کے لیے لے جانا چاہیے۔
- حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ کے بعد میّت کے لیے دعائے مغفرت کرنا روا ہی نہیں سنت ہے۔ بیہقی کی ایک روایت میں حضرت علیؓ کے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا مانگنے اور کنز العمال میں حضرت ابن ابی اوفیٰؓ سے ایسا ہی کرنے کا تذکرہ ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک ایسا عمل بسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ ملا علی قاری حنفیؒ نے نمازِ جنازہ میں شریک ہونے والوں کو ہدایت کی ہے کہ ''نماز جنازہ کے بعد دعا نہ مانگیں اس لیے کہ اس سے شبہ ہو گا کہ نماز جنازہ زیادہ کر دی گئی ہے''۔ مولانا احمد رضا خاں نماز جنازہ کے بعد دعا کے قائل ہیں لیکن فرماتے ہیں کہ ''دعا طویل نہ کریں اور دوسروں سے تاکید و تقاضا مناسب نہیں'' مزید یہ کہ ''نماز جنازہ کے علاوہ اس موقع پر دعا شرعاً واجب یا ضروری نہیں''، البتہ مکروہ بھی نہیں''۔۹۹

حواشی

۱ موطاامام مالک، شامی، درمختار وغیرہم
۲ فقہ ائمہ اربعہ
۳ حاکم
۴ فقہ ائمہ اربعہ
۵ شامی
۶ ابن ماجہ، نسائی، ترمذی، ابوداؤد
۷ عالمگیری، شامی، امدادالفتاویٰ
۸ درمختار، عالمگیری
۹ الفتح الربانی، تحفۃ الاخوذی
۱۰ ابن ماجہ، سنن الکبریٰ
۱۱ ردالمختار، عالمگیری، درمختار
۱۲ درمختار، شامی، ہدایہ اولین، فتاویٰ عالمگیری
۱۳ فتاویٰ فیض الرسول
۱۴ مسلم، ابوداؤد
۱۵ مسلم، ابوداؤد
۱۶ مرقاہ شرح المشکوٰۃ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی
۱۷ امدادالفتاویٰ، ردالمختار، شامی
۱۸ الاحادیث، المختارۃ، مسند انس بن مالک
۱۹ مصنف ابن ابی شیبہ
۲۰ مستدرک حاکم
۲۱ مسلم
۲۲ درمختار
۲۳ مصنف عبدالرزاق
۲۴ عالمگیری
۲۵ فقہ السنہ
۲۶ عالمگیری
۲۷ درمختار
۲۸ عالمگیری
۲۹ فقہ ائمہ اربعہ
۳۰ درمختار، عالمگیری
۳۱ فقہ ائمہ اربعہ
۳۲ ابوداؤد، ترمذی، مصنف ابن ابی شیبہ
۳۳ مصنف ابن شیبہ
۳۴ ردالمختار
۳۵ ردالمختار، عالمگیری وغیرہم
۳۶ فتاویٰ ہندیہ، عالمگیری
۳۷ بخاری، مسلم
۳۸ بہار شریعت، بہشتی گوہر
۳۹ امدادالاحکام
۴۰ شامی، درمختار وغیرہم
۴۱ شامی، درمختار
۴۲ درمختار، شامی
۴۳ اشعۃ اللمعات (کتاب الایمان)
۴۴ عالمگیری
۴۵ بخاری
۴۶ فتح الباری ج۔۳
۴۷ بخاری، نسائی
۴۸ مسلم
۴۹ ابن ماجہ
۵۰ ابن ماجہ، دارمی

۵۱ ابن ماجہ
۵۲ ابی داؤد، روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ
۵۳ فتح الباری، بخاری
۵۴ درمختار، ردالمختار، فتاویٰ رضویہ وغیرہم
۵۵ ابن ماجہ، ترمذی
۵۶ مسلم، کتاب القدر
۵۷ ابن ماجہ، نسائی، مستدرک حاکم
۵۸ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی
۵۹ فقہ آئمہ اربعہ
۶۰ فتح الباری، نیل الاوطار
۶۱ شامی، مدارج النبوۃ، وغیرھم
۶۲ شامی، عالمگیری وغیرہم
۶۳ درمختار، ردالمختار، عالمگیری وغیرہم
۶۴ بخاری
۶۵ دارقطنی، سنن الکبریٰ
۶۶ مسلم
۶۷ ردالمختار
۶۸ سورہ توبہ : ۸۴
۶۹ امام نووی، کتاب المجموع ج۔۵
۷۰ درمختار
۷۱ عون المعبود
۷۲ فقہ ائمہ اربعہ
۷۳ نیل الوطار، فتح الباری، السنن الکبریٰ
۷۴ نیل اوطار، فتح الباری، سنن کبریٰ
۷۵ الام
۷۶ المحلی ابن حزم
۷۷ المبسوط، صنائع بدائع
۷۸ درمختار، جوہرہ وغیرہم
۷۹ فقہ ائمہ اربعہ
۸۰ سنن ابی داؤد
۸۱ بیہقی، مسلم، دارقطنی، مستدرک حاکم
۸۲ کتاب الام، بیہقی
۸۳ شامی، فتاویٰ رضویہ، عالمگیری، درمختار
۸۴ فقہ ائمہ اربعہ
۸۵ شامی، بہشتی گوہر
۸۶ طحاوی
۸۷ نسائی
۸۸ ابوداؤد، عالمگیری، بہشتی گوہر، فتاویٰ رضویہ
۸۹ مسلم، عالمگیری
۹۰ نسائی، شامی، عالمگیری
۹۱ مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق
۹۲ بخاری
۹۳ ابوداؤد
۹۴ حاکم
۹۵ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ
۹۶ مسلم، ابن ماجہ، فتح الربانی
۹۷ ترمذی
۹۸ مستدرک حاکم
۹۹ فتاویٰ رضویہ

نمازِ جنازہ کی دعائیں

- صفوں کو درست کروانے کے بعد امام پہلی تکبیر کہے، امام اور مقتدی سب رفع الیدین کر کے ناف/ سینے پر ہاتھ باندھیں۔
- پہلی تکبیر کے بعد درج ذیل ثنا پڑھتے ہیں کہ رسول اللہؐ اپنی نماز کا آغاز اسی دعا سے کرتے تھے[1]۔

سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآاِلٰہَ غَیْرُکَ

ترجمہ: اے اللہ تو پاک ہے اور تیری حمد کے ساتھ ہم تعریف کرتے ہیں، اور تیرا نام بابرکت ہے اور تیری بندگی بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ جب نماز پڑھاتے تو تکبیر کے بعد یہی دعا پڑھتے اور بعض اوقات اپنی آواز کو بلند کر دیتے تاکہ مقتدیوں کو پتہ چل جائے کہ وہ کیا پڑھتے ہیں[2]۔
حضرت ابوبکر صدیق[3]، حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت عثمانؓ کا بھی اسی پر عمل تھا[4]۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے[4]:

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَا کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ ٥

ترجمہ: اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان ایسی دُوری ڈال دے جیسی تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان رکھی ہے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال۔

ان دونوں میں سے جو بھی دعا یاد ہو پڑھ لی جائے۔ دونوں کو پڑھ لیا جائے تو اچھا ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ درج بالا دعاؤں کو دعائے افتتاح کا درجہ دیتے ہیں اور اس کے بعد تعوّذ (اعوذ باللہ) اور تسمیہ (بسم اللہ) کہہ کر سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ ایک گروہ بسم اللہ بالجہر نہیں پڑھتا جبکہ دوسرا گروہ بسم اللہ اور سورہ فاتحہ بالجہر (اونچی آواز میں) پڑھتا ہے۔ (فقہ آئمہ اربعہ)

○ دوسری تکبیر کے بعد درود ابراہیمی پڑھا جائے، حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ اس میں متفق ہیں۔ درود ابراہیمی احادیث کی کتابوں میں منقول اور تمام درودوں سے افضل ہے کیونکہ اس کے الفاظ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمائے اور اپنے صحابہ ؓ کو سکھائے[6]۔

○ مسنون طریقہ یہ ہے کہ تیسری تکبیر کے بعد میّت کے لیے درد دل کے ساتھ بخشش کی دعا کی جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے کہ جب تم نمازِ جنازہ پڑھو تو اخلاص کے ساتھ میّت کے لیے دعا کرو۔ ہمارے ہاں بالعموم ذیل میں نمبر ایک پر درج دعا پڑھی جاتی ہے۔ احادیث میں کچھ دوسری دعاؤں کا بھی ذکر ہے جو اس کے بعد درج کی گئی ہیں:

پہلی دعا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازِ جنازہ پڑھاتے تو یہ ارشاد فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَ كَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ

مِنّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ o اَللّٰهُمَّ لاَ تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلاَ تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ ؎

''اے اللہ بخش دے ہمارے زندہ کو اور ہمارے فوت شدہ کو اور ہمارے حاضر کو اور ہمارے غائب کو اور ہمارے چھوٹے کو اور ہمارے بڑے کو اور ہمارے مردوں کو اور ہماری عورتوں کو۔ اے اللہ ہم میں سے جس کو زندہ رکھے اسے زندہ رکھ اسلام پر اور ہم میں سے جس کو موت دے تو اُسے موت دے ایمان پر۔ اے اللہ اس کے اجر سے ہمیں محروم نہ کرنا اور نہ ہی اس کے بعد ہمیں فتنے میں ڈالنا''۔

بعض روایات میں لاتحرمنا کی بجائے لَاتُضِلَّنَا (یعنی ہمیں گمراہ نہ کرنا) کا بھی ذکر ہے۔

دوسری دعا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَ وَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَ نَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلاً خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ زَوْجًا خَيْراً مِنْ زَوْجِهٖ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ ؎

''اے اللہ اس کو بخش اور اس پر رحم کر اور اس کو عافیت دے اور اس سے درگزر فرما اور اس کی مہمان نوازی اچھی کر اور اس کی قبر کو وسیع کر اور س کو دھو ڈال پانی اور برف اور اولوں کے ساتھ اور اس کو صاف کر دے گناہوں سے جس طرح صاف کیا جاتا ہے سفید کپڑے کو میل سے اور دے اس کو بہتر گھر اس کے گھر سے اور بہتر اہل اس کے اہل سے اور بہتر زوجہ اس کی زوجہ سے اور بچالے اس کو قبر کے عذاب اور جہنم کی آگ کے عذاب سے''۔

تیسری دعا:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَنْتَ

قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلاَنِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَآءَ فَاغْفِرْلَه ۹

''اے اللہ تو اس کا رب ہے اور تو نے اس کو پیدا کیا اور تو نے اس کو ہدایت دی اسلام کی طرف اور تو نے قبض کیا اس کی رُوح کو اور تو زیادہ جاننے والا ہے اس کے باطن کو اور ظاہر کو۔ ہم شفاعت کرنے آئے ہیں۔ پس اس کو بخش دے''۔

چوتھی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلاَنٍ فِیْ ذِمَّتِکَ وَحَبْلِ جِوَارِکَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ فَاغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۱۰

''اے اللہ فلاں بن فلاں تیری امان میں ہے اور تیری پناہ میں ہے۔ پس بچا اس کو قبر کے فتنہ سے اور آگ کے عذاب سے اور تو ہی وفا اور حق والا ہے۔ اے اللہ پس بخش دے اس کو اور رحم کر اس پر بے شک تو بڑا ہی بخشنے اور رحم کرنے والا ہے''۔

پانچویں دعا:

اَللّٰهُمَّ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ کَانَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّی اِنْ کَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِیْ اِحْسَانِهٖ وَاِنْ کَانَ مُسِيْئًا فَاغْفِرْلَهٗ وَلَاتَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ ۱۱

''اے اللہ! تیرا بندہ ہے۔ تیرے بندے کا بیٹا ہے۔ یہ گواہی دیتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے ہیں۔ اور تیرے رسُول ہیں اور تو اس کو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اگر یہ اچھا تھا تو اس کی اچھائی کو بڑھا دے اور اگر یہ برا تھا تو اس کو بخش دے اور اس کے اَجر سے ہمیں محروم نہ کرنا اور اس کے بعد ہمیں فتنے میں مُبتلا نہ کرنا''۔

○ چوتھی تکبیر کے چند ثانیہ بعد دوسری نمازوں کی طرح دائیں اور بائیں جانب منہ کر

کے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا جائے۔ احادیث میں ایک طرف سلام کہنے کی روایات بھی ہیں اور صحابہؓ سے دونوں ہی پر عمل کرنا منقول ہے۔

○ بچے کے جنازہ پر تیسری تکبیر کے بعد درج ذیل دعا پڑھنا مسنون ہے۔ نابالغ لڑکے کی دعا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطاً وَّسَلَفًا وَّذُخْرًا وَّاَجْراً وَاجْعَلْہُ لَنَا شَافِعًا مُشَفَّعًا

''اے اللہ! اس کو کر دے ہمارے لیے آگے جانے والا اور فائدہ پہنچانے والا اور نیکیوں کا ذخیرہ اور اجر کا سبب بننے والا اور کر دے اسے ہمارے لیے شفاعت کرنے والا اور جس کی شفاعت قبول کی گئی ہو۔[۱۲]

میّت اگر نابالغ لڑکی کی ہو تو اجْعَلْہ، کی جگہ اجْعَلْھا اور شَافِعًا مُشَفَّعًا کی جگہ شَافِعَۃً مُشَفَّعَۃً پڑھیں۔ بچے کے لیے یہ دعا بھی مسنون ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ فَرَطاً لِاَبَوَیْہِ وَسَلَفًا وَّ ذُخراً وَعِظَۃً وَّ اِعْتِبَارًا وَّ شَفِیْعًا وَّ ثَقِّلْ بِہٖ مَوَازِیْنَھُمَا وَاَفْرِغْ الصَّبْرَ عَلٰی قُلُوْبِھِمَا وَلَا تَفْتِنْھُمَا بَعْدَہٗ وَلَا تَحْرِمْھُمَا اَجْرَہٗ[۱۳]

''اے اللہ! کر دے اس کو اپنے والدین کے لیے آگے جانے والا اور فائدہ پہنچانے والا اور ذخیرہ بننے والا اور نصیحت و توبہ کا سبب بننے والا اور شفاعت کرنے والا اور ان دونوں کی تولوں کو اس کے ساتھ بھاری کر دے''۔

دعا کے الفاظ پر غور کیجیے کہ جنازہ تو بچے کا پڑھا جاتا ہے لیکن دعا اس بچے کے والدین اور حاضرین جنازہ کے لیے مانگی جاتی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بچے کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔

○ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے لکھا ہے کہ ہاتھوں کو ناف سے اوپر باندھا جائے[۱۴]۔ اور وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینے پر دائیں ہاتھ کو بائیں

ہاتھ پر رکھا۔[۱۴]

○ تین اوقات میں نماز جنازہ بلاضرورت ادا کرنا جائز نہیں: (۱) جب سورج طلوع ہو رہا ہو، حتیٰ کہ بلند ہو جائے (۲) جب سورج بالکل سیدھا ہو، حتیٰ کہ ڈھل جائے یعنی عین دوپہر (۳) جب غروب ہونے لگے حتیٰ کہ پوری طرح غروب ہو جائے۔[۱۵]

حواشی

۱۔ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ
۲۔ مسلم، دارقطنی
۳۔ عون المعبود، نیل الاوطار،
۴۔ دارقطنی
۵۔ بخاری، مسلم
۶۔ بخاری، مسلم، ترمذی نسائی، ابوداؤد،
۷۔ ابوداؤد، ابن ماجہ، مستدرک، حاکم
۸۔ مسلم، ابن ماجہ، نسائی، سنن کبریٰ
۹۔ ابوداؤد، زادالمعاد
۱۰۔ ابوداؤد، ابن ماجہ
۱۱۔ ابوداؤد
۱۲۔ الھدایہ، فتاویٰ ہندیہ
۱۳۔ فقہ السنۃ، الغنیۃ
۱۴۔ صحیح ابن خزیمہ، فتح الباری، نیل الاوطار
۱۵۔ مسلم، ابوداؤد

حاجیوں اور شہدا کی تجہیز و تکفین

○ ایک شخص جو احرام میں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی سواری سے گرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس کو پانی اور بیری سے غسل دو اور دو کپڑوں میں کفنا دو۔ اس کو خوشبو مت لگانا نہ ہی اس کے سر کو کپڑے سے ڈھانپنا اس لیے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے اس حال میں اٹھائے گا کہ یہ حج کا تلبیہ پکار رہا ہوگا''۔[1]

○ کفار کے مقابلے میں میدان جنگ میں شہید ہونے والوں کو عام میت کی طرح نہلایا اور کفنایا نہیں جاتا اور نہ ہی ان کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے بلکہ جس حال میں وہ شہید ہوتے ہیں، اسی حال میں ان کو دفنا دیا جاتا ہے تا کہ قیامت کے دن ان کے زخموں سے بہنے والا خون دیکھنے میں تو خون ہو، لیکن خوشبو اس کی کستوری جیسی ہو اور اللہ کی راہ میں لگنے والے زخم ان کی شہادت پر گواہ ہوں۔ جنگ احد میں شہید ہونے والوں میں سے کسی ایک کو بھی رسول اللہؐ نے نہلانے اور کفنانے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کو انہی کے کپڑوں میں دفنا دیا گیا جن میں انہوں نے شہادت پائی تھی، جن کو چادریں میسر آ سکیں ان کو ان سے ڈھانپ دیا گیا[2]۔ جب شہداء زیادہ اور کپڑے کم ہو گئے، تو ایک ہی کپڑے میں دو دو اور تین تین کو کفنایا گیا۔ رسول اللہؐ دریافت فرماتے: ان مین قرآن زیادہ کس کو یاد ہے؟ جس نے زیادہ قرآن یاد کیا تھا، اس کو آپ قبلہ کی طرف پہلے رکھتے۔ آپؐ نے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔[3] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز میں ان پر گواہ ہوں گا''۔[4]

○ اگر شہید ہونے والا جنبی بھی ہو تب بھی اسے غسل دینے کی ضرورت نہیں۔ جنگ احد میں حنظلہؓ بن ابی عامر جنابت کی حالت میں شہید ہوئے مگر انہیں غسل نہیں دیا گیا[۵]۔

○ معرکہ جہاد و جنگ کے شہدا کی نمازِ جنازہ اس لیے نہیں پڑھی جاتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے[۶]۔ لیکن انفرادی طور پر شہید ہونے والوں پر عام میّت کا حکم جاری ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شہادتیں تھیں ان سب کو نہلایا اور کفنایا گیا اور ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔

○ میدان جنگ میں شہادت پانے والوں کے جسم پر اگر کپڑے عدد مسنون سے زیادہ ہوں تو زائد کپڑے اتار لیے جائیں۔ اور اگر ایسے کپڑے ہوں جن میں کفن ہونے کی صلاحیت نہ ہو مثلاً چمڑے کا لباس، پوستین وغیرہ تو ان کو بھی اتار لینا چاہیے۔ ہاں اگر ایسے کپڑوں کے سوا جسم پر کوئی کپڑا نہ ہو تو پھر پوستین وغیرہ کو اتارنا نہیں چاہیے[۷]۔ ٹوپی، جوتا، ہتھیار، زرہ وغیرہ ہر حالت میں اتار لیا جائے گا۔

○ شہداء کی ایک قسم وہ ہے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق آخرت میں تو درجہ شہادت نصیب ہوگا اور شہیدوں کا سا معاملہ ثواب اور اعزاز و اکرام ان کے ساتھ کیا جائے گا لیکن دنیا میں شہیدوں کے احکام ان پر جاری نہیں ہوں گے بلکہ انہیں عام مسلمانوں کی طرح غسلایا اور کفنایا جائے گا، شہیدوں کی طرح نہیں مثلاً بے گناہ مقتول، مسلم ملک کی سرحدوں پر پہرہ دینے والا جو وہاں طبعی موت مرا، ظالموں سے اپنی یا اپنے گھر والوں وغیرہ کی جان بچاتے ہوئے مارا گیا وغیرہ۔ ان کی تعداد چالیس سے اوپر ہے جو مختلف احادیث کی روشنی میں علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اپنی کتاب ''حاشیہ ردالمختار'' میں ترتیب دی ہے۔

○ جو لاش پھول کر پھٹ گئی ہو اس پر نماز جنازہ نہیں لیکن جس لاش میں بدبو پیدا ہوگئی ہو پھٹی نہ ہو، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ جس لاش کا گوشت وغیرہ علیحدہ ہو گیا ہو

صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ برآمد ہوا ہو اس کو نہ غسل دیا جائے گا نہ نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ ویسے ہی کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفنا دیا جائے گا[8]۔ یہی حکم جل کر کوئلہ ہو جانے یا بدن کا اکثر حصہ خاکستر ہو جانے والی میّت کے لیے ہے۔ البتہ اگر بدن کا اکثر حصہ جلنے سے محفوظ ہو یا پورا جسم جلا ہو مگر معمولی ہو، تو اس کو باقاعدہ غسل وکفن دے کر اور جنازہ کی نماز پڑھ کر دفن کرنا چاہیے[9]۔ فضائی حادثہ، بس، ریل گاڑی یا موٹر سائیکل کے حادثہ میں ہلاک ہونے والوں کے لیے بھی یہی حکم ہے[10]۔

○ مسلمانوں اور کافروں کی لاشیں خلط ملط ہو جائیں تو اگر مسلمان کسی بھی طرح پہچانے جا سکتے ہوں تو ان کو الگ کر لیا جائے اور ان کا غسل، کفن اور دفن وغیرہ سب مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور کافروں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو ان کے ساتھ ہوتا ہے[11]۔

○ اگر مسلمانوں اور کافروں کی لاشوں میں امتیاز ممکن نہ ہو لیکن معلوم ہو کہ ان میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے، تو ان سب کو باقاعدہ غسل، کفن دے کر بعد نمازِ جنازہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا مگر نماز کی نیت صرف مسلمانوں کے لیے کی جائے گی۔ اگر لاشیں کافروں کی زیادہ ہوں تو سب کو غسل و کفن دیا جائے اور نمازِ جنازہ (نیت صرف مسلمانوں کے لیے ہوگی) پڑھی جائے مگر دفنایا کافروں کے قبرستان میں جائے گا[12]۔

حواشی

1. بخاری، نیل الاوطار، سنن کبریٰ
2. روضۃ الطالبین، المحلی ابن حزم، مسند امام احمد
3. مسند احمد، فتح الربانی
4. بخاری
5. مستدرک حاکم، الاستیعاب، سیرت ابن ھشام
6. سورہ البقرۃ : ۱۵۴
7. شامی
8. عالمگیری، امداد الاحکام وغیرہ
9. عالمگیری، شامی
10. درمختار
11. شامی، عالمگیری
12. شامی، عالمگیری، درمختار وغیرہم

تدفین میّت (میّت کو دفنانا)

- میّت کو دفن کرنا فرض کفایہ ہے، خواہ میّت کافر و مرتد کی کیوں نہ ہو۔[1]
- نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر میّت کو دفنانے کے لیے قبر کے پاس لایا جائے، مستحب یہ ہے کہ جب تک میّت کی چارپائی کو زمین پر نہ رکھا جائے اس وقت تک اس کو اٹھانے والے اور اس کے ساتھ آنے والے کھڑے رہیں جیسا کہ مدارج النبوۃ میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔
- جنازے کے ساتھ قبرستان جانا سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص نماز پڑھ کر دفن کرنے سے پہلے لوٹ جائے گا اسے ایک قیراط ثواب ملے گا، جبکہ دوسری صورت میں دو قیراط اور ہر قیراط کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔[2]
- اللہ کی رضا کے لیے قبر تک جنازہ کے ساتھ جانے کی جزا یہ ہے کہ اس کی موت پر فرشتے اس کے جنازے کے ساتھ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کی روح پر رحمت فرمائیں گے۔[3]

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

- ''جس کسی نے میّت کی قبر کھودی اور جس نے قبر میں اتارا اس نے میّت کو روزِ محشر تک کے لیے مکان مہیا کیا''۔[4]
- ''جو کسی جنازے کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ دفن ہو چکے اس کے لیے تین قیراط اجر لکھا جائے گا۔ ہر قیراط کوہ احد سے بڑا ہے''۔[5]

○ ''جس نے اپنے بھائی کی قبر کھودی، حتیٰ کہ اسے قبر میں دفنا دیا، تو اس شخص کو ایسا ثواب ملے گا جیسا کہ اس شخص نے کسی کو ایک گھر میں ٹھہرایا، حتیٰ کہ یہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائے یا ایک گھر سکونت کے لیے تا قیامت دے دے۔[4]

○ میّت کے چہرے کو چومنا جائز ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان مظعون کے چہرہ مبارک کو بوسہ دیا[5]۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا۔[6] اس سے معلوم ہوا کہ میّت کو تعظیماً اور شفقتاً چومنا جائز ہے۔ ہاں مرد اپنی بیوی کو اس کے فوت ہونے کے بعد اور بیوی مرد کو نہیں چوم سکتی۔

○ قبر تک جنازے کے ساتھ چلنا اور اس کے دفن تک انتظار میں بیٹھنا سنت ہے۔[7]

○ قبر کی تیاری کے انتظار میں حاضرین کو موت اور اس کے بعد آنے والے حالات یاد دلانے کی غرض سے قبر کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنا جائز ہے جیسا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے جنازے کے ساتھ نکلے ابھی لحد تیار نہ تھی، آپؐ قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئے، اور لوگوں کو اللہ کی رضا کی طرف رغبت دلانے کے لیے ایک لمبی تقریر فرمائی۔[8]

قبر کیسی ہو؟

○ قبر کی گہرائی کم سے کم اتنی ہو کہ بو باہر نہ آئے۔ جانور قبر کھود کر لاش باہر نہ نکال سکے۔ مالکیہ اس سے زیادہ گہرائی کو بلا ضرورت اور مکروہ قرار دیتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک سنت یہ ہے کہ قبر کی گہرائی اوسط درجہ کے قد والے انسان کے نصف قد کے برابر ہو، اس سے زیادہ ہو تو افضل ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ قبر کی گہرائی اتنی ہو کہ اوسط قد کا آدمی آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو جائے۔ حنابلہ گہری قبر کو سنت قرار دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ قبر میّت کے نصف قد بلکہ پورے قد کے برابر گہری ہو، قد کے مطابق لمبی اور چوڑی نصف قد کے برابر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قبریں گہری اچھی اور کشادہ کھودو''[9] ''خاص طور پر سر اور پاؤں کی طرف سے قبروں کو فراخ رکھو''۔[10]

○ بغلی قبر (لحد) بہ نسبت شق (صندوقی) قبر کے بہتر ہے[11]۔ زمین نرم ہو اور لحد کے بیٹھ جانے کا خدشہ ہو تو پھر بغلی قبر نہ کھودی جائے[12]۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک نرم زمین میں صندوق نما قبر کھودنا مستحب اور لحد سے افضل ہے۔

○ شقی قبر کھودنے کا طریقہ یہ ہے کہ اول ایک مستطیل گڑھا جس کی لمبائی چوڑائی میّت کے قد سے زیادہ ہو اور گہرائی ایک فٹ یا اس سے زیادہ کھودا جائے، پھر اس کے بیچوں بیچ دوسرا مستطیل گڑھا کھودا جائے جو طول میں قامت میّت سے کچھ بڑا ہو۔ عرض میں نصف قامت کے برابر اور گہرائی میں سینہ تک یا قد آدم ہو۔ اس کے دونوں جانب کچی یا پکی اینٹیں لگا دی جائیں۔ اس سے حنفیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔ پھر میّت کو اس دوسرے مستطیل میں قبلہ رو رکھیں۔ اس کے اوپر تختے وغیرہ رکھ کر بند کر دیں پھر مستطیل اول کو مٹی سے بھر دیں[13]۔

○ بغلی قبر (لحد) کا طریقہ یہ ہے کہ قبر کے پہلے مستطیل کے اندر قبلہ کی جانب ایک گڑھا کھودا جائے جس میں میّت کو بآسانی رکھا جا سکے۔ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی کی طرح ہوتی ہے۔

○ زمین نرم یا سیلاب زدہ ہو تو میّت کو کسی صندوق میں رکھ کر دفنانا جائز ہے۔ صندوق خواہ لکڑی کا ہو یا پتھر یا لوہے کا۔ صندوق میں مٹی بچھا دی جائے[14]۔ البتہ حنابلہ اور مالکیہ میّت کو صندوق میں رکھ کر دفن کرنے کو اچھا نہیں سمجھتے۔

○ بغلی قبر کو کچی اینٹیں یا نرکل وغیرہ لگا کر بند کرنا چاہیے۔ پختہ اینٹیں یا لکڑی کے تختے لگانا مکروہ ہے۔ البتہ صندوقی قبر میں میّت کے اوپر لکڑی کے تختے یا سیمنٹ کے سلیپر لگانا بلا کراہت درست ہے۔[15]

○ اینٹوں اور تختوں کے درمیان جو سوراخ رہ جائیں انہیں ڈھیلوں اور گارے سے اچھی طرح بند کر دیا جائے تاکہ مٹی میّت پر نہ گرے۔

○ مسلمان کو کافر کے ساتھ اور کافروں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے جبکہ کفار کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔[16]

○ میّت کو قبرستان میں دفن کرنا سنت ہے۔ صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ امت میں سے کسی کے بارے میں منقول نہیں کہ انہیں قبرستان کے علاوہ سپردِ خاک کیا گیا ہو، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ مبارک میں دفن ہوئے جیسا کہ حدیث میں ہے ''اللہ تعالیٰ جس نبی کو جہاں دفنانا پسند کرتے ہیں، وہیں اس کی روح قبض کرتے ہیں''۔ چنانچہ سرورِ کائناتؐ کو آپ کے بستر والی جگہ پر دفنایا گیا[17]۔ اسی طرح دورانِ معرکہ شہادت پانے والوں کو شہادت گاہ پر ہی دفن کیا جائے گا۔ قبرستان تک نہیں لایا جائے گا[18] کسی کو خواہ چھوٹا ہو یا بڑا گھر کے اندر دفن نہ کرنا چاہیے یہ بات انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہے۔[19]

○ قبر کے لیے اگر عام مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ نہ ملے تو قبر کے لیے زمین خرید لی جائے اس کی قیمت میّت کے ترکہ میں سے ادا کی جائے گی۔[20]

○ بہتر یہ ہے میّت کو دن ہی میں دفن کیا جائے، البتہ بہ امرِ مجبوری رات کو دفنانا بھی جائز ہے خواہ چراغ استعمال کرنا پڑے اور اسے قبر کے اندر تک لے جانا پڑے۔[21]

○ بغیر مجبوری نماز کے تین مکروہ اوقات میں دفن کرنا جائز نہیں[22]۔

○ حسبِ ضرورت دو یا تین میتوں کو ایک قبر میں دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ افضل کو مقدّم کیا جائے گا یعنی اسے قبلہ کی طرف پہلے رکھا جائے گا[23]۔

میّت کو قبر میں اتارنا

○ میّت کو مرد ہی قبر میں اتاریں گے۔ خواہ میّت عورت ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ میّت کے قریبی رشتہ دار اس کے زیادہ حقدار ہیں[24]۔ بعض فقہاء کے نزدیک شوہر اپنی اہلیہ کو قبر میں اتار سکتا ہے[25] لیکن شوہر کے علاوہ کوئی دوسرا عزیز قبر میں اتارے تو بہتر ہے۔ البتہ عورت کی میّت کو اتارتے وقت باپردہ ہونا چاہیے۔

○ میّت کو قبر میں اتارنے والون کا طاق یا جفت ہونا ضروری نہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر اقدس میں چار صحابہؓ نے اتارا تھا۲۶۔ شافعیہ کے نزدیک میّت کو اتارنے والوں کی تعداد طاق ہونی چاہیے۔

○ میّت کو قبر میں اتارنے کے لیے جنازے کو قبر کے اس کنارے پر جو قبلہ کی سمت ہے اس طرح رکھیں کہ قبلہ میّت کے دائیں طرف ہو، پھر میّت کو قبر میں اتارنے والے قبلہ رو کھڑے ہو کر میّت کو احتیاط سے اٹھا کر قبر میں رکھ دیں کیونکہ یہی سنت ہے۔۲۷

○ مسنون یہ ہے کہ پاؤں کو پہلے داخل کر کے پھر سارا جسم قبر میں رکھ دیا جائے۲۸۔ البتہ امام شافعیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ کو سر مبارک کی طرف سے قبر میں رکھا گیا۔۲۹۔ ایک روایت یہ ہے ''رسول اللہؐ کو قبلہ کی طرف سے قبر میں رکھا گیا''۳۰۔ تاہم علامہ ابن حزم کا کہنا ہے کہ میّت کو قبر میں اتارنے کے بارے میں کوئی و ضح حکم نہیں ہے۔۳۱

○ قبر کے اندر میّت کے سر اور دونوں پیروں کے نیچے مٹی یا کسی کچی اینٹ کا سہارا دینا مستحب ہے۔

○ میّت کو قبر میں رکھتے وقت ''بِسۡمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ'' پڑھنا مستحب ہے۳۲۔ اس پر تین آئمہ کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں میّت کو قبر میں رکھتے وقت ''اللّٰهُمَّ تقبله باحسن قبول'' پڑھنا چاہیے اور میّت کے دائیں ہاتھ کو اس کے اوپر رکھ دینا چاہیے۔

○ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے جنازہ میں شرکت کی، تو تدفین کے حوالے سے ہدایت فرمائی کہ مردہ کو قبلہ کی جانب متوجہ کرو، اور سب لوگ باسم اللہ و علی ملت رسول اللہ پڑھو اور میّت کو کروٹ پر رکھو۔ منہ کے بل اوندھا نہ کرو اور نہ پیٹھ کے بل چت لٹاؤ''۔۳۳

چنانچہ میّت کو قبر میں داہنے پہلو پر کروٹ دے کر قبلہ رو کر دینا واجب ہے۔ اس کے واجب ہونے پر تین آئمہ میں اتفاق ہے۔ مالکیہ اسے مستحب بتاتے ہیں۔ بہرحال منہ قبلہ رو کر دینا کافی نہیں، بلکہ پورے بدن کو داہنی کروٹ لٹانا بہتر ہے۔ اس کا سر قبلہ کے دائیں طرف اور ٹانگیں بائیں طرف ہوں گی ۳۴۔ برصغیر میں شمالاً جنوباً۔

○ میّت کو قبر میں رکھ کر کفن کے بند کھول دیں کہ اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے وصیت کی تھی کہ جب مجھے قبر میں رکھ چکو تو میرے رخسار زمین سے لگا دینا۔ اسی طرح حضرت ضحاکؒ نے بھی وصیت کی کہ کفن کے بند کھول کر ان کے رخساروں سے کفن ہٹا دیا جائے ۳۵۔

○ میّت کو لحد میں اچھی طرح بند کر چکیں تو مٹی ڈالنا شروع کر دیں۔ حنفیہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ حاضرین میں سے ہر ایک لحد بند ہونے کے بعد تین مرتبہ دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر سر کی طرف سے مٹی ڈالے۔ پہلی لپ میں "مِنۡهَا خَلَقۡنَا كُمۡ"، دوسری لپ پر "وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ" اور تیسری لپ میں "مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰی" پڑھے۔ تین آئمہ کا یہی مسلک ہے ۳۶۔ حنابلہ کے نزدیک مٹی ڈالتے وقت قرآن سے کچھ نہ پڑھا جائے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھایا پھر میّت کے پاس تشریف لائے اور سر کی طرف سے تین مرتبہ دونوں ہاتھ بھر بھر کر مٹی ڈالی" ۳۷۔ ازاں بعد جو مٹی قبر سے نکلی ہو، وہ سب اس پر ڈال دیں۔ زائد مٹی ڈالنا مکروہ ہے ۳۸۔

○ شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ قبر کے اندر تکیہ، بستر یا چٹائی وغیرہ رکھنا ناجائز ہے ۳۹۔ البتہ بعض علما اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے سرخ چادر بچھائی گئی تھی ۴۰۔

○ قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد اس پر پانی چھڑکنا مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر پانی چھڑکا گیا اور پانی چھڑکنے والے حضرت بلال بن ریاحؓ تھے۔ انہوں نے

ایک مشکیزہ سے پانی چھڑکا۔ آپؐ کے سرِ انور کی جانب سے قبر پر پانی چھڑکنے کی ابتدا کی۔ یہاں تک کہ پاؤں مبارک کی جانب انتہا کی[۴۱]۔ حضرت طیبیؒ فرماتے ہیں کہ پانی چھڑکنے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں اللہ کی رحمت اور رب تعالیٰ کی مہربانیوں کے نزول کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے پانی چھڑکنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس سے مٹی پختہ ہو جاتی ہے۔ قبر کا نشان جلدی نہیں مٹتا، لیکن اس کے متعلق ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں "یہ تو ایک ظاہر بات ہے، جو واضح طور پر محسوس ہو رہی ہے البتہ جو طیبی نے ذکر فرمایا وہ انتہائی لطافت و شرافت کا حامل ہے"[۴۲]۔

مولانا احمد رضا خاںؒ قبر پر روز روز پانی چھڑکنے کو فضول قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں البتہ قبر پر کچھ جھاڑیاں یا پھول اگے ہوں تو ان کو تر رکھنے کی نیت سے پانی ڈال سکتے ہیں یا مٹی بکھر رہی ہو تو اسے جمانے کے لیے پانی ڈالا جا سکتا ہے"[۴۳]۔

بعد تدفین اذان

○ تدفین کے بعد قبر پر اذان دینا، اس کی شرعاً کوئی اصل نہیں، اس لیے اس کے جواز و عدم جواز پر بحث غیر ضروری ہے کیونکہ شرعاً لازمی نہیں نہ قرن اول سے کوئی ثبوت ملتا ہے۔ علماء میں اختلاف ہے کچھ اسے بدعت اور مکروہ قرار دیتے ہیں جبکہ بعضے روا رکھتے ہیں اور مولانا احمد رضا خاںؒ کا مسلک ہے کہ حرام وہ ہے جسے خدا اور رسولؐ نے حرام بتایا ہے لیکن جن کاموں کا نہ حکم دیا نہ منع کیا، وہ سب جائز ہیں وہ قبر پر اذان دینا ہو، تیجا ہو یا گیارہویں شریف ہو[۴۴]۔

○ مستحب یہ ہے کہ قبر زمین سے اٹھی ہوئی مثل کوہان شتر کے بنائی جائے۔ اس کی بلندی زمین سے ایک بالشت ہو، زمین کے برابر نہ رہے تاکہ توہین نہ ہو، اور قبر کی حفاظت و پہچان رہے۔ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اس میں اتفاق ہے، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک مٹی کو

باقاعدہ مسطح رکھنا بہتر ہے یعنی قبر چوپر کھوٹی بنانا بہتر ہے۔ حضرت سفیان تمارؒ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کو کوہان نما دیکھا۔[۴۴]

○ قبر پر موم بتی اور اگر بتی نہ جلائیں۔ کہ اس میں سوءادب اور بدفالی ہے۔ ہاں اگر قبر کے قریب خالی زمین پر رکھ کر اگر بتی وغیرہ سلگائی جائے تو یہ خوشبو محبوب ہے[۴۵]۔

○ مالکیہ کے نزدیک قبر کو چونے یا گارے سے لیپنا قطعاً مکروہ ہے جبکہ باقی مسالک مٹی سے لیپنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے البتہ چونے وغیرہ سے لیپنے یا سفیدی پھیرنے کو وہ بھی مکروہ قرار دیتے ہیں۔ (فقہ آئمہ اربعہ)

قبر پر نشان

○ قبر کا نشان مٹ جانے کے خیال سے یا پہچان کے لیے سرہانے کی جانب نشان کے طور پر پتھر یا لکڑی وغیرہ رکھنے کی اجازت ہے بلکہ شافعیہ کے نزدیک تو سنت ہے۔ البتہ بزرگوں کے سوا کسی دوسرے کی قبر پر کتبہ یا تحریر لگانے کو وہ بھی ممنوع قرار دیتے ہیں جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قبروں پر کوئی بھی تحریر لگانا مکروہ ہے تاہم حنفیہ پہچان کے لیے نام کا کتبہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں[۴۶]۔ لیکن کتبہ پر آیاتِ قرآنی یا شعر لکھنے کو مکروہ بتاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عثمانؓ بن مظعون کی قبر پر نشانی کے لیے پتھر رکھوانا ثابت ہے[۴۷]۔ جبکہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مرض الموت میں اپنی قبر پر بطور نشانی اینٹ لگانے کی وصیت فرمائی[۴۸] تاکہ ان کے اہل خانہ میں سے کوئی فوت ہو تو ان کے پاس دفن کر دیا جائے۔

○ تدفین کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر میّت کے لیے استغفار اور (منکر نکیر کے سوالوں کے جواب میں) ثابت قدم رہنے کے لیے دعا کرنا سنت ہے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب میّت کے دفن سے کے فارغ ہو جاتے تو کھڑے ہو کر فرماتے، اپنے بھائی کے حق میں استغفار کرو اور اس کے

لیے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے ۴۹۔ جبکہ قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی نو آیات "مفلحون" تک اور پائنتی کی طرف آخری آیات "امن الرسول" سے آخر سورہ تک پڑھنا مستحب ہے ۵۰۔ دعا درج ذیل ہے۔

"اے اللہ! تیرا بندہ تیری طرف لوٹا لیا گیا ہے پس اس پر رحم کر۔ اس کے پہلوؤں سے مٹی کو دور رکھ اور اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھول دے اور اسے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کر اور اگر یہ نیکی کرنے والا ہے تو اس کی نیکیوں کو زیادہ کر دے اور اگر گناہگار ہے تو اس کو معاف کر دے"۔

- تدفین کے بعد قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا مستحب ہے، جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے گوشت تقسیم کر دیا جائے ۵۱۔
- قبرستان سے باہر نکل کر دعا مانگنے کا قرن اول میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ متاخرین کی ایجاد ہے۔ ۵۲
- میّت کی تدفین کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کریں جس کے اردگرد اچھے اور نیک لوگ مدفون ہوں ۵۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس طرح برے پڑوسی سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح مرے ہوئے کو مرے ہوئے برے پڑوسی سے تکلیف ہوتی ہے ۵۳۔ لیکن کسی میّت کو اچھا پڑوسی دینے کے لیے قبر تبدیل نہ کریں اسی طرح اچھے پڑوسی کے لیے ایک قبر میں ایک سے زیادہ مُردوں کو دفن نہ کریں۔ یہ حرام ہے ۵۴۔
- جس شہر یا گاؤں وغیرہ میں انتقال ہوا وہیں کے قبرستان میں دفن کرنا مستحب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار صحابہ مدینہ سے باہر فوت ہوئے لیکن انہیں وہیں دفنا دیا گیا جہاں انہوں نے وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جسموں کو وہاں دفن کیا جائے جہاں ان کی روحوں کو قبض کیا جائے"۔ ۵۵ اسی لیے حنفیہ کے نزدیک کسی میّت کو امانتاً کسی جگہ دفن کرنا، پھر وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا ناجائز ہے ۵۶۔ اس

پر سب آئمہ تقریباً متفق ہیں لیکن بہ امر مجبوری اور شدید ضرورت میں اجازت دیتے ہیں۔

○ وفات کے بعد میت کو تلقین کرنا صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس لیے دفن کے بعد تلقین میّت کو مالکیہ مکروہ قرار دیتے ہیں، حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک مستحب ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ دفن کے بعد تلقین کرنے کا نہ حکم ہے نہ اس کی ممانعت ہے، البتہ متاخرین حنفیہ میں سے بشمول مولانا احمد رضا خاں ایک گروہ اس کے حق میں ہے ۵۷۔ تلقین کے الفاظ یوں ہیں کہ تلقین کرنے والا اگر میّت کو جانتا ہو تو اسے مخاطب کر کے کہے کہ "اے فلاں بن فلانۃ (ماں کا نام) ورنہ کہے اے فلاں بن حوا (تین مرتبہ کہے) پھر کہے اُذْکُرْ (اُذْکُرِی) مَاخَرَجْتَ (خَرَجْتِ) عَلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا شَهَادَةَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ وَ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَاِنَّکَ رَضِیْتَ (اَنَّکِ رَضِیْتِ) بِاللّٰهِ رَبًّا وبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمْ نَبِیًّا وَ بِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا" یعنی اس وعدے کو یاد کر جس کے ساتھ تو دنیا سے آیا ہے یعنی اس امر کا اقرار کر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ تو اس بات پر راضی ہے کہ اللہ تیرا رب، اسلام تیرا دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے نبی اور قرآن تیرا ہادی ہے۔

اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے، چلو اس کے پاس کیا بیٹھیں گے جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔

○ سمندری سفر کے دوران میں اگر کسی مسلمان کی وفات ہو جائے اور سفر ایک یا دو دن میں ختم ہونے والا ہو۔ میت کے خراب ہونے کا خطرہ بھی نہ ہو تو میّت کو خشکی پر اتر کر دفن کیا جائے گا لیکن اگر سفر لمبا ہو، اور میّت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اس کی نمازِ جنازہ پڑھ کر اسے سمندر کے حوالے کر دیا جائے گا ۵۹۔

میّت کو قبر سے نکالنا

○ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جب قبر میں مٹی پڑ چکی ہو تو اس کے بعد قبر کو کھولنا اور میّت کو قبر سے نکالنا جائز نہیں ہاں اگر کسی کی حق تلفی ہوئی ہو تو نکالنا جائز ہے مثلاً جس زمین میں دفن کیا گیا اس کا مالک معترض ہو یا کسی شخص کا مال قبر میں رہ گیا ہو، لیکن حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی قبر کھولنا واجب ہے کہ میّت کا رخ قبلہ رو نہیں کیا گیا اور قبر کھول کر رخ قبلہ رو کرنا مطلوب ہے۔

پختہ قبر بنانا

○ رسول اللہؐ، صحابہؓ، تابعینؒ اور آئمہ کرام میں سے کسی نے پکی قبر نہ بنائی اور نہ ہی بنانے کی اجازت دی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونہ گچ کرنے اور ان پر بیٹھنے اور ان پر عمارتیں بنانے سے منع فرمایا ۶۰۔ آپؐ نے قبروں پر کچھ لکھنے اور ان کو لتاڑنے سے بھی منع فرمایا ۶۱۔ اسی طرح فرمایا "قبروں پر مت بیٹھو اور ان کی طرف نماز مت پڑھو" ۶۲ نیز یہ کہ "اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا" ۶۳۔ اور یہ "وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہوتا تو اس کی قبر پر مسجد (عبادت گاہ) بنا لیتے۔ پھر اس میں تصویریں بناتے۔ یہی لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں" ۶۴۔ مختصر یہ کہ قبر کے اوپر کوئی عمارت یا قبہ، گنبد، مدرسہ یا مسجد بنانا یا اس کے چاروں طرف چار دیواری کھینچنا فعل مکروہ ہے ۶۵۔ درآنحالیکہ اس سے زینت یا تفاخر مقصود نہ ہو اگر ایسا ہے تو عمل حرام ہوگا۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے بلکہ حنابلہ تو اسے مکروہ مطلق قرار دیتے ہیں۔

○ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں کہ قبروں کو (بہت زیادہ) اونچا کیا جائے۔ نہ پکی اینٹوں اور پتھروں سے نہ کچی اینٹوں سے، نہ قبروں کو پختہ کرنا سنت ہے، نہ ان پر قبے بنانا۔ نہ قبروں پر چراغ جلانا۔

اسی طرح قبروں پر پیشاب یا پاخانہ وغیرہ کرنا، ان پر چلنا، بیٹھنا اور ٹیک لگانا حرام ہے ۶۶۔ اور اس پر تمام اصحاب فقہ کا اتفاق ہے۔ البتہ حنفیوں کا ایک گروہ قبروں کو باہر سے پختہ کرنے اور گنبد وغیرہ بنانے کو جائز سمجھتا ہے۔

○ کسی آدمی کے لیے مناسب نہیں کہ مرنے سے پہلے اپنی قبر تیار کرلے، کفن تیار رکھنے میں حرج نہیں۔ ۶۶

○ قبر پر زینت کے لیے چادر ڈالنے کی کوئی روایت نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو رزق دے رکھا ہے اس میں اس کی اجازت نہیں دی کہ ہم پتھروں اور اینٹوں پر پردے ڈالیں" ۶۷ البتہ حنفیہ کے ایک گروہ کے نزدیک قبر پر سبزہ یا پھول وغیرہ ڈالنا مستحب ہے ۶۸۔ اور قبور اولیاء وعلماء اور صلحا پر بغرض اظہار عظمت چادر ڈالنا جائز ہے لیکن اس میں تجاوز وغلو روا نہیں۔

○ بعضے قبرستان سے واپسی پر چالیس قدم کے فاصلے پر میت کے لیے دعا کرنے کو لازم قرار دیتے ہیں یہ بے اصل اور بلا وجہ ہے، دعا ہر وقت مانگی جا سکتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس قسم کی نئی نئی اختراعات سے بچا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "اگر تم چاہتے ہو کہ پل صراط پر تمہیں دیر نہ لگے اور سیدھے جنت میں جاؤ، تو اللہ کے دین میں اپنی رائے سے کوئی نیا طریقہ پیدا نہ کرو" ۶۹۔ نیز حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ "کوئی قول بغیر عمل کے مستقیم نہیں، اور کوئی قول وعمل بغیر نیت کے مستقیم نہیں اور کوئی قول، اور عمل اور نیت اس وقت تک مستقیم نہیں جب تک کہ وہ سنت کے مطابق نہ ہو" ۷۰۔ اور ابو عمرو شیبانیؒ کا قول ہے کہ "صاحب بدعت کو توبہ نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ وہ تو اپنے گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا، توبہ کس سے کرے؟" ۷۱

ممنوعات

میت کی تجہیز وتکفین سے پہلے گٹھلیوں پر ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھوانا، میت کو سلا

ہوا پائجامہ اور ٹوپی دینا۔ میّت کے سینے اور کفن پر کلمہ، شجرہ اور عہد نامہ لکھنا، جنازے یا قبر پر رنگین چادریں ڈالنا، جنازہ کے ساتھ اناج، پیسہ، کھانا اور پھل وغیرہ قبرستان لے جانا، اور وہاں تقسیم کرنا، میّت کا منہ قبر کو دکھانا، میّت کا فوٹو کھینچنا، میّت کے سرہانے قل پڑھی ہوئی کنکریاں رکھنا، بلند آواز سے جنازہ کی نیت باندھنا دفن کے بعد اذان دینا، قبر پر قبہ یا کٹھرا بنانا، قبر پر چراغ جلانا، چڑھاوے چڑھانا، منت ماننا، ایصال ثواب کے لیے ختم کے اجتماعات اور دعوت کا اہتمام کرنا، میّت کے کپڑے خیرات کرنا، میّت کے گھر عورتوں کا بار بار تعزیت کے لیے جانا، اور رونا پیٹنا، تیجہ، دسواں، بیسواں وغیرہ کی محافل کا انتظام کرنا یہ ایسے افعال ہیں کہ جن کی صحابہ کرام سے کوئی مثال نہیں ملتی، اور سب بے اصل ہیں[۲۷] محض اس بنا پر انہیں جائز قرار دینا کہ کوئی ممانعت نہیں آئی، بدعات کی حوصلہ افزائی اور سلف صالحین پر عدم اعتماد کے مترادف ہے کہ انہوں نے دین کو نہیں سمجھا اور ان عبادات کو ترک کیے رکھا۔

حواشی

۱ بخاری، مسند امام احمد، نسائی

۲ بخاری، ومسلم

۳ ابن عساکر بحوالہ تذکرۃ الموتی والقبور

۴ طبرانی، معجم الاوسط

۵ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ

۶ ترمذی، ابن ماجہ

۷ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، اشعۃ اللمعات

۸ مستدرک حاکم

۹ نسائی

۱۰ ابوداؤد، طحاوی، نسائی

۱۱ شامی، مدارج النبوۃ، عالمگیری وغیرہم

۱۲ ایضاً

۱۳ ایضاً

۱۴ شامی، عالمگیری، فقہ آئمہ اربعہ

۱۵ درمختار

۱۶ مستدرک حاکم

۱۷ ترمذی

۱۸ مسند امام احمد

۱۹ درمختار وغیرہم

۲۰ مفید الوارثین

۲۱۔ ابن ماجہ، ترمذی
۲۲۔ مسلم
۲۳۔ ابوداؤد، نسائی
۲۴۔ مستدرک حاکم
۲۵۔ بخاری، طحاوی
۲۶۔ مستدرک حاکم
۲۷۔ ترمذی
۲۸۔ ابوداؤد، مصنف ابن ابی شیبہ
۲۹۔ الام
۳۰۔ ابن ماجہ
۳۱۔ المحلی ابن حزم
۳۲۔ زادالمعاد
۳۳۔ بدائع الصنائع
۳۴۔ المحلی ابن حزم، عالمگیری وغیرہم
۳۵۔ فقہ السنہ
۳۶۔ شامی، عالمگیری
۳۷۔ ابن ماجہ
۳۸۔ شامی، عالمگیری، بہار شریعت
۳۹۔ درمختار، عالمگیری وغیرہ
۴۰۔ ابن ابی شیبہ
۴۱۔ ابن ماجہ، بیہقی بحوالہ مشکوۃ شریف
۴۲۔ مرقاۃ
۴۳۔ فتاویٰ رضویہ جلد نہم
۴۴۔ بیہقی، بخاری، فتاویٰ رضویہ، بہشتی گوہر
۴۵۔ ردالمحتار، عالمگیری، فتاویٰ رضویہ
۴۶۔ مدارج النبوۃ، شامی
۴۷۔ مشکوۃ المصابیح
۴۸۔ مسلم
۴۹۔ ابوداؤد
۵۰۔ بیہقی
۵۱۔ شامی
۵۲۔ درمختار، عالمگیری
۵۳۔ فتاویٰ عزیزیہ
۵۴۔ درمختار، عالمگیری
۵۵۔ بخاری، مصنف عبدالرزاق
۵۶۔ بہار شریعت
۵۷۔ فتاویٰ رضویہ جلد نہم
۵۸۔ امدادالاحکام
۵۹۔ فقہ السنہ، عالمگیری
۶۰۔ ابوداؤد، زادالمعاد، مدارج النبوۃ
۶۱۔ ابن ماجہ، ترمذی، نسائی
۶۲۔ مسلم، ترمذی
۶۳۔ بخاری
۶۴۔ بخاری، مسلم
۶۵۔ فتاویٰ دارالعلوم
۶۶۔ زادالمعاد
۶۷۔ زادالمعاد
۶۸۔ فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ رضویہ
۶۹۔ اعتصام
۷۰۔ سنت وبدعت
۷۱۔ سنت وبدعت

تعزیّت

○ تعزیّت کے معنی ہیں کہ میّت کے لواحقین اور پسماندگان سے ایسے کلمات کہے جائیں جنہیں سن کر ان کے صدمے اور غم کا بوجھ ہلکا ہو اور قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق وہ صبر کریں۔

○ میّت کے متعلقین سے تعزیّت کرنا شرعی حکم اور سنت رسولؐ ہے اور تعزیّت کی بڑی ہی فضیلت ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

○ ''جس نے کسی مصیبت زدہ سے تعزیت کی، تو اسے بھی اتنا ہی اجر ملے گا جتنا مصیبت زدہ کو''۱۔

○ ''جو کوئی مومن اپنے مسلمان بھائی کی مصیبت میں اظہار ہمدردی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز عزت کا حلّہ (قابل رشک لباس) پہنائیں گے''۲۔ یا ''جو کوئی فرزند کی مصیبت زدہ کسی عورت سے تعزیّت کرے اسے جنت میں عمدہ چادر پہنائی جائے گی''۲۔

تعزیّت کا انداز

○ میّت کے اہل خانہ سے اس انداز سے تعزیّت کی جائے کہ ان کے لیے باعث تسلی ہو اور انہیں اظہار غم سے روک دے۔ اللہ کی تقدیر پر رضا اور صبر کا باعث بنے۔ جو الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اگر وہ یاد نہ ہوں تو جس قدر احسن انداز سے یہ

مقصد حاصل ہو سکے تعزیت کریں البتہ شریعت اسلامی کی خلاف ورزی نہ کریں جیسے بعض لوگ کہتے ہیں ''اللہ تجھے اس کی عمر دے دے'' یا ''جی بڑا ہی افسوس ہے''۔ میّت جوان ہو تو بے وقت موت کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے حالانکہ کوئی موت بے وقت نہیں ہوتی، بچے کی موت ہو تو بن کھلے مرجھا جانے والا جملہ استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور ہر انسان کی موت کا وقت مقرر ہے۔ اسی کے حکم سے روح قبض کی جاتی ہے، اس لیے مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہونے والے معاملے پر افسوس کیا جائے۔ اسے تو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا اور اسی کی رضا پر راضی رہنا ہے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی سیدۃ النساء زینبؓ کی بیٹی کی وفات پر ان الفاظ میں اظہار تعزیّت کیا: ''اللہ تعالیٰ جو بھی لیتا اور دیتا ہے، وہ اسی کا ہے، اور ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اس لیے صبر کرو اور اجر کی طلب گار رہو''[3]۔

امام نوویؒ ''الاذکار'' میں فرماتے ہیں: ''یہ حدیث اظہار تعزیّت کے لیے بہت عمدہ ہے''۔

○ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت کے بچے کی تعزیت کرتے ہوئے اس سے کہا ''مجھے معلوم ہوا ہے تم نے اپنے بچے کی موت پر جزع فزع کیا ہے'' پھر اسے تقویٰ اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا ''جس مسلمان مرد یا عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں اگر وہ اس سے اجر کا طلب گار ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ان بچوں کی وجہ سے جنت میں داخل کر دے گا'' پھر فرمایا: ''دو بچوں کی وجہ سے بھی وہ جنت میں جائے گا''[4]۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمٰی کی وفات پر ان کی بیوی سے یوں تعزیت فرمائی: ''اے پروردگار! ابوسلمہ کی مغفرت فرما۔ اہل ہدایت میں اس کا درجہ بلند فرما دے۔ اس کے پسماندگان کا والی بن جا۔ اے رب العالمین! ہماری اور اس کی بخشش فرما دے۔

اس کی قبر کو کشادہ کر کے نور سے بھر دے''۔[5]

○ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے ان کے والد جعفر طیارؓ کی موت پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے فرمایا ''اے اللہ! خاندان جعفر کا والی بن جا اور عبداللہ کی کمائی میں برکت عطا فرما'' (یہ بات آپ نے تین مرتبہ دہرائی)۔[6]

○ حضرت معاذؓ بن جبل کو ان کے بیٹے کی وفات پر جو تعزیّت نامہ بھجوایا اس میں رب تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد لکھوایا:

''اللہ تمہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمہیں شکر ادا کرنا نصیب فرمائے۔ اس لیے کہ بیشک ہماری جانیں، ہمارا مال اور ہمارے اہل وعیال (سب) اللہ بزرگ و برتر کے خوشگوار عطیے اور عاریت کے طور پر سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں۔ (اس معمول کے مطابق تمہارا بیٹا بھی تمہارے پاس اس کی امانت تھی)۔ اللہ تعالیٰ نے خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور (اب) تم سے اس کو اجرِ عظیم کے عوض میں واپس لے لیا ہے۔ اللہ کی خاص، نوازش اور رحمت وہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب کی نیت سے صبر کیا۔ پس تم صبر وشکر کے ساتھ رہو، (دیکھو) تمہارا رونا دھونا تمہارے اجر کو ضائع نہ کر دے کہ پھر تمہیں پشیمانی اٹھانی پڑے اور یاد رکھو کہ رونا دھونا کسی میّت کو لوٹا کر نہیں لاتا اور نہ ہی غم و اندوہ کو دور کرتا ہے اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ والسلام''۔[7]

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی کا سوگ[8] منائے سوائے بیوی کے (شوہر کی موت پر)۔ اس کے سوگ کی مدت چار مہینے دس دن ہے[9]۔ حنفیہ کے نزدیک میّت والے کے گھر تیسرے دن تک ایک بار تعزیّت کے لیے جانا مستحب ہے کیونکہ تعزیّت تین دن تک ہے۔ اس کے بعد مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس سے غم تازہ ہوگا مگر جب تعزیت کرنے والا یا جس سے تعزیّت کی جانا

مطلوب ہے وہاں موجود نہ ہو تو اس میں حرج نہیں ۱۰۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک تعزیّت تین دن تک محدود نہیں بلکہ جب بھی مناسب محسوس ہو تعزیت کی جاسکتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین روز کے بعد بھی تعزیت کرنا ثابت ہے۔ آپؐ جعفر طیارؓ کی شہادت کی خبر آنے کے تین دن بعد آل جعفرؓ کے ہاں تشریف لائے اور ان کے دونوں بیٹوں، محمد اور عبداللہ کو بلایا۔ ان کی دلجوئی کی اور حجام بلوا کر ان کے بال کٹوائے اور جب محمد و عبداللہ کی والدہ نے بچوں کی یتیمی اور اپنے غم اور صدمہ کا ذکر کیا تو فرمایا: "تمہیں ان کی تنگ دستی کی فکر ہے؟ ان کا تو میں خود دنیا و آخرت میں سرپرست ہوں" ۱۱۔

- حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جو ایک بار تعزیّت کر آیا اسے دوبارہ تعزیت کے لیے جانا مکروہ ہے۔ ان کے نزدیک میّت کے لیے مغفرت کی دعا کرنا اور اہل میّت کے لیے دعائے خیر کرنا سنت ہے ۱۲۔ اور ایام تعزیّت میں پہلا دن افضل ہے ۱۲۔ مالکیہ کہتے ہیں دوسری بار تعزیت کے لیے جانا مکروہ نہیں ہے۔
- مستحب یہ ہے کہ میّت کے تمام اقارب سے تعزیت کی جائے مرد ہوں یا خواتین، بچے ہوں یا بڑے لیکن خواتین سے صرف محرم مرد ہی تعزیت کریں۔

مخصوص جگہ جمع ہونا

- تعزیّت صرف دفن کے بعد افضل ہے لیکن اگر اولیائے میّت جزع فزع کرتے اور روتے پیٹتے ہوں تو ان کی تسلی کے لیے دفن سے پہلے بھی تعزیّت کی جاسکتی ہے ۱۳۔ البتہ مالکیہ تعزیّت ہر حال دفن کے بعد کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔
- قبرستان میں تعزیت کرنا بدعت ہے اسی طرح دوسری بار تعزیّت کرنا مکروہ ہے ۱۴۔
- حنفیہ کے نزدیک میّت کے اہل خانہ کا گھر یا مسجد میں تین دن بیٹھنا تاکہ لوگ تعزیّت کو آئیں اس میں حرج نہیں، مالکیہ اس کو مباح بتاتے ہیں لیکن مکان کے دروازے پر یا شارع عام پر بچھونے وغیرہ بچھا کر بیٹھنا تمام ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے ۱۵۔ شافعیہ،

حنابلہ اور دیگر بہت سارے اہل علم کے نزدیک کسی مخصوص جگہ پر تعزیت کی خاطر جمع ہونا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تعزیّت کی خاطر اس شکل میں بیٹھنا منع ہے کہ میّت کے متعلقین ایک جگہ جمع ہو جائیں اور جو تعزیّت کرنا چاہے ان کے پاس پہنچ جائے۔ ان کی رائے ہے کہ متعلقین میّت کو بعد تدفین اپنے معمول کے کاموں میں مصروف رہنا چاہیے جو ان سے ملے تعزیّت کر لے۔ تعزیت کی خاطر عورتوں اور مردوں کے اجتماع کی کراہت میں کوئی شک نہیں ۱۶؎۔

کھانا دینا

○ تعزیّت کے لیے آنے والوں کی خاطر گھر والوں کی طرف سے چائے پانی، کھانے کا انتظام یا دعوت کرنا سنت کے خلاف اور ناجائز ہے۔ آنے والوں کو بھی چاہیے کہ میّت کے گھر والوں پر یہ بوجھ نہ ڈالیں ۱۷؎۔ امام شافعیؒ نے لکھا ہے ''اظہار افسوس کے لیے جمع ہونا مکروہ ہے۔ خواہ اس میں رونا نہ بھی ہو اس لیے کہ یہ غم کو تازہ کرتا ہے اور اخراجات بھی ہوتے ہیں ۱۸؎۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں ''یہ بدعت ہے''، امام ابن الہمامؒ نے بھی اہل میّت کی طرف سے کھانے کی تیاری کو مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے۔

○ سنت یہ ہے کہ اہل میّت کے لیے رشتہ دار اور پڑوسی کھانے کا انتظام کریں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ مستحب ہے۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خاندان جعفر کے لیے کھانا تیار کرو، ان کے پاس ایسی خبر آئی ہے جس نے انہیں مشغول کر دیا ہے'' ۱۹؎۔ حنفیہ کے نزدیک ''پڑوسیوں اور دور کے رشتہ داروں کے لیے مستحب ہے کہ وہ ایک دن ایک رات کا کھانا تیار کر کے میّت والوں کے یہاں بھیجیں اور اگر وہ غم کی وجہ سے نہ کھاتے ہوں، تو اصرار کر کے انہیں کھلائیں'' ۲۰؎۔ اور ''جو لوگ میّت کی تجہیز و تکفین اور دفن کے کاموں میں مصروف ہوں انہیں بھی یہ کھانا کھلانا جائز ہے'' ۲۱؎۔ امام شافعیؒ لکھتے ہیں ''میں میّت کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کا یہ کام پسند کرتا ہوں کہ وہ ایک

دن رات کا کھانا اہل میّت کے لیے تیار کریں۔ یہ سنت بھی ہے اور اچھا کام بھی۔ جو صاحب خیر یہ کام کرے، ہم بھی قبول کرتے ہیں اور بعد والے بھی قبول کریں گے"۔ امام طحاوی الحنفی نے لکھا ہے "میّت کے ہمسایوں اور دور کے رشتہ داروں کے لیے مستحب ہے کہ وہ اہل میّت کے لیے ایسا کھانا بھیجیں جو ان کو رات اور دن کے لیے کافی ہو" ۲۳ مزید یہ کہ "اہل میّت کی طرف سے دعوت دینا مکروہ اور قبیح بدعت ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عقر" اسلام میں جائز نہیں، عقر کے معنی یہ ہے کہ قبر کے پاس گائے یا بکری ذبح کی جائے" ۲۴۔ اور حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ سے مروی ہے کہ "اہل میّت کے پاس جمع ہونا اور کھانا تیار کرنا ہم اسے نوحہ (نیاحہ) خیال کرتے تھے" ۲۵۔

پس معلوم ہوا کہ اہل میّت کو ایک دن رات کا کھانا دینا مستحب ہے، نہ یہ کہ رسم دنیا کے طور پر ان کے لیے کئی پرتکلف کھانوں کا التزام کیا جائے۔ اسی طرح اہل میّت کا اپنے دروازوں پر بیٹھنے کا اہتمام کرنا اور ان کی طرف سے دعوت دیا جانا مکروہ ہے۔ یاد رکھیے اہل میّت کے لیے تیار کردہ کھانے میں میّت کے پسماندگان اور غیر مقامی عزیزوں کی شرکت ہی مناسب ہے مقامی حضرات کو تدفین سے فراغت پاتے ہی گھروں کو چلے جانا چاہیے۔ ایسے حضرات کے لیے یہ کھانا منع ہے ۲۶۔

○ جس گھر میں میّت ہو جائے وہاں چولھا جلانا اور کھانا پکانا منع ہے۔ یہ بالکل غلط اور بے اصل ہے ۲۷۔

○ جن لوگوں سے قرآن مجید یا کلمہ طیبہ پڑھوایا گیا ہو ان کے لیے کھانا تیار کروانا ناجائز ہے ۲۸۔

○ میّت کی تدفین کے بعد اس کے مکان پر آنا اور تعزیّت کر کے اپنے گھر جانا اگر اتفاقاً ہو تو حرج نہیں، رسماً ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح میّت کے مکان پر دفن سے پہلے یا بعد تعزیّت کے لیے لوگوں کو جمع کرنا خلاف اولیٰ ہے، لیکن کریں تو گناہ بھی نہیں ۲۹۔

○ تعزیت کے لیے اکثر عورتیں جمع ہو کر نوحہ کرتی ہیں، انہیں کھانا دینا، گناہ پر مدد اور تعاون کرنا ہے[۳۰]۔

○ میّت کے لیے صدقات وخیرات وغیرہ کے لیے قرض لینا، نمود ونمائش اور ریا کاری ہے۔ حدیث میں اس فعل کو شرک اصغر کہا گیا ہے۔ نہ ثواب ہے اور نہ ہی ایصال ثواب۔

○ یتیم بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرنا اور شفقت کرنا مستحب ہے[۳۱]۔

تیسرے دن کی دعوت

○ موت کے تیسرے دن عزیز واقارب اور دوست واحباب جمع ہو کر میّت کے لیے قرآن خوانی کرتے ہیں پھر پھل وغیرہ رکھ کر رسمِ قل یا رسم سوم ادا کی جاتی ہے۔ قرآن و سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ فتاویٰ سراجیہ، فتاویٰ قاضی خاں، تاتارخانیہ اور ہدایہ میں ہے کہ غمی میں یہ تیسرے دن کی دعوت جائز نہیں کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے بلکہ میّت کے ترکہ سے اس قسم کی دعوتوں پر اس حالت میں خرچہ کرنا جبکہ اس کے ورثا میں نابالغ بھی ہوں یا کوئی وارث غیر حاضر ہو، حرام ہے۔ امام بزازی کے نزدیک میّت کے پہلے یا تیسرے یا ساتویں دن جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں، سب مکروہ وممنوع ہیں۔ امام زیلعی کہتے ہیں کہ میّت کے لیے برائے تعزیت تین دن تک گھر میں بیٹھنے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ امور ممنوعہ کا ارتکاب نہ ہو مثلاً میّت والوں کی طرف سے فرش بچھانے اور کھانا کا اہتمام کرنا، ایسے مجمع کے لیے میّت کے دوستوں اور عزیزوں کو بھی کھانا نہیں بھیجنا چاہیے۔ مولانا احمد رضا خاںؒ کا موقف ہے کہ نیک اعمال کا میّت کو ثواب پہنچتا ہے۔ گو اہل میّت کی طرف سے تیجے، ساتویں، دسویں اور چہلم وغیرہ کی پابندی کی شرعاً کوئی اصل نہیں۔ تاہم اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ میّت کو قرآن خوانی اور طعام خوانی کا ثواب پہنچتا ہے، تیجے و چالیسویں وغیرہ کا تعین عرفی ہے جس سے ثواب میں خلل نہیں آتا لیکن تعین کے ساتھ احباب واغنیا کی دعوت کرنا، بدعت قبیح ہے کہ دعوت خوشی میں مشروع ہے، غمی میں نہیں اور اس موقع پر قرآن خوانی

وفاتحہ کے بعد جو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ صرف محتاجوں کا حق ہے، اغنیاء کے لیے کھانا بھی حرام اور کھلانا بھی حرام ہے۔ میّت کے صدقہ کا کھانا صرف فقرا کے لیے ہے البتہ اگر اہل میّت اس موقع پر عام تقسیم کی نیت سے چنے یا پھل فروٹ وغیرہ رکھیں تو ان کے لینے میں اغنیا اور دوسروں کو بھی کوئی حرج نہیں۔[۳۲]

حواشی

۱ ابن ماجہ، ترمذی
۲ ترمذی، ابن ماجہ، سنن کبریٰ
۳ بخاری، مسلم، نسائی، عالمگیری
۴ مستدرک حاکم
۵ صحیح مسلم
۶ مسند امام احمد
۷ ترمذی، حصن حصین، معارف الحدیث
۸ یہاں سوگ سے مراد زیب وزینت کو چھوڑ دینا ہے۔
۹ ترمذی
۱۰ زادالمعاد، جوہرہ
۱۱ مسند امام احمد
۱۲ فتاویٰ رضویہ جلد نہم بحوالہ زادالمعاد
۱۳ شامی، درمختار
۱۴ شامی، درمختار
۱۵ شامی، درمختار
۱۶ المجموع
۱۷ شامی
۱۸ الام، الانصاف
۱۹ ابوداؤد
۲۰ درمختار، شامی، عالمگیری
۲۱ مدارج النبوۃ
۲۲ الام
۲۳ حاشیہ الطحاوی
۲۴ حاشیہ الطحاوی
۲۵ مسند امام احمد
۲۶ عالمگیری
۲۷ فتاویٰ رضویہ
۲۸ ردالمختار
۲۹ بہار شریعت
۳۰ کشف الخطاء
۳۱ حاکم
۳۲ فتاویٰ رضویہ

ایصالِ ثواب

میت کو ثواب پہنچانا

○ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ''کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی''۔[1] ''اور جو کوئی رائی کے دانے کے برابر نیکی کرے گا، تو اس کو دیکھے گا اور جو کوئی رائی کے دانے کے برابر برائی کا مرتکب ہوگا، تو اسے دیکھے گا''[2] اور ''انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو کچھ اس نے کیا''[3]۔

☆ اس میں شک نہیں ربّ رحیم و کریم کے حضور وہی شخص فلاح پائے گا، جس کے عمل اچھے ہوں اور اس شخص کو اپنے عمل کے مطابق سزا و جزا ملے گی اور حدیث رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

○ ''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور ایسے کام کرے جو مرنے کے بعد اس کے کام آنے والے ہوں''[4]۔

○ ''جو انسان فوت ہوتا ہے اس کے تین عملوں کے سوا باقی سب عمل منقطع ہو جاتے ہیں، اور وہ صدقہ جاریہ ہے، یا وہ علم ہے جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا نیک صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرے''[5]۔

○ ''بے شک مومن کو اس کے عمل اور نیکیوں میں سے موت کے بعد جن کا اجر ملتا ہے وہ علم ہے جو اس نے سکھلایا، پھیلایا یا نیک صالح اولاد ہے جو اس نے چھوڑی یا قرآن ہے جس کا اس نے کسی کو وارث بنایا یا اس نے مسجد یا مسافروں کے لیے کوئی سرائے تعمیر کرائی یا

لوگوں کے لیے (کنواں) نہر کھدوائی یا اپنے مال میں سے اس وقت صدقہ نکالا جب وہ صحت مند تھا تو ان کاموں کا اجر اس کو اس کی موت کے بعد بھی ملتا رہے گا''[۶]۔

○ ''انسان کی اولاد اس کی کمائی ہے''[۷]

○ قرآن مجید اور احادیث رسولؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ دوسروں کے کئی ایک کام ایسے ہیں جن سے میّت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ ''اور وہ لوگ جو اگلوں کے بعد آئے ہیں، کہتے ہیں کہ ''اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے۔ جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ۔ اے ہمارے رب تو بڑا مہربان اور رحیم ہے''[۸] اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ میّت کے حق میں دعا اور استغفار کرنا سنت بلکہ واجب ہے۔ سرور کائنات نے میّت کے حق میں خود بھی دعا فرمائی اور مسلمانوں کو بھی تلقین فرمائی۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:۔

○ ''ایک مسلمان جب اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ جب وہ آدمی اپنے بھائی کے حق میں دعا کرتا ہے تو اس کا نگران فرشتہ آمین کہتا ہے اور کہتا ہے تجھے بھی ایسا ہی ملے''[۹]۔

○ ''جو آدمی مر جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا قریبی رشتہ دار وہ روزے رکھے''[۱۰]

اسلاف میں سب کا اتفاق تھا کہ اس حدیث سے مراد نذر کے روزے یعنی نفلی روزے ہیں۔ رمضان کے روزے نہیں، لیکن آج کل فقہائے حنفیہ کا ایک گروہ یہ مؤقف رکھتا ہے کہ فرض عبادت کا ثواب بھی میّت کو بخشا جا سکتا ہے حالانکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حوالہ سے حدیث رسول اللہؐ ہے کہ ''کسی نے دریافت کیا کہ میری والدہ کے ذمے رمضان کے روزے ہیں کیا اس کے بدلے روزے رکھوں؟ آپؐ نے فرمایا، نہیں بلکہ

ایک دن کے بدلے نصف صاع صدقہ کرو"[۱۱]۔

اسی طرح ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی رمضان میں بیمار ہو کر مر جائے تو فرض روزوں کی قضا نہیں ہوگی البتہ اگر میّت کے ذمے نذر کے روزے تھے۔ تو اس کا قریبی رشتہ دار یہ روزے رکھے گا۔[۱۲] ۔۔۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حافظ ابن قیمؒ، امام حسن بصریؒ، امام زہریؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، قاضی عیاضؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت شافعیؒ کا یہی فتویٰ ہے۔ وہ میّت کی طرف سے روزے رکھنے کے قائل نہ تھے۔ عقلاً بھی یہ بات زیادہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ اعمال کی قضا کوئی دوسرا نہیں دے سکتا جیسے نماز، توبہ، قبول اسلام وغیرہ البتہ خود عائد کردہ اعمال (نوافل) کی قضا دوسرا دے سکتا ہے مثلاً قرض وغیرہ[۱۳]۔ جمہور کے نزدیک بھی رسول اللہؐ کا میّت کی طرف سے ولی کو روزے رکھنے کا حکم وجوب کے لیے نہیں تھا، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حوالے سے جو حدیث بیان کی گئی ہے اس میں صاف طور پر ارشاد ہوا ہے کہ فرض کے بدلے صدقہ کیا جائے۔

○ ایک عورت نے سمندری سفر پر روانہ ہوتے ہوئے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے بسلامت پار لگا دیا تو ایک ماہ کے روزے رکھوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے بسلامت پار لگا دیا لیکن مرتے دم تک وہ روزے نہ رکھ سکی، اس کی کسی قریبی رشتہ دار (بہن یا بیٹی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ سارا واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا "تیرا کیا خیال ہے اگر اس کے ذمے قرض ہوتا تو اسے ادا کرتی یا نہیں؟ کہنے لگی ہاں کرتی۔ فرمایا: اللہ کا قرض تو ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔ لہٰذا روزں کی قضا کر[۱۵]۔

○ حدیثِ رسول میں آیا ہے کہ "سب سے پاکیزہ غذا آدمی کی اپنی کمائی ہے، اور اس کی کمائی میں اس کی اولاد شمار ہے"[۱۵]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ والدین کو اولاد کے نیک عمل سے فائدہ پہنچتا ہے۔ چند

احادیث ملاحظہ فرمایئے:

(ا) ایک آدمی نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ میں ماں کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اسے اجر ملے گا اور مجھے بھی اجر ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا ''ہاں'' تو اس نے اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔ [16]

(ب) حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا ''میری ماں فوت ہوگئی اس پر ایک نذر تھی۔ آپؐ نے فرمایا، اس کو پورا کرو'' [17]۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا ''میری ماں جب فوت ہوئی، اس وقت میں مدینہ میں نہ تھا۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں۔ کیا اس کو فائدہ پہنچے گا؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ سعدؓ نے عرض کیا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے باغ کو ان کی طرف سے صدقہ کر دیا [17]۔

(ج) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام نوویؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت سعدؓ والی حدیث سے میّت کے لیے صدقہ کرنے کا جواز اور استحباب ثابت ہوتا ہے۔ میّت اور صدقہ کرنے والے دونوں کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے ''اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو اس کا اپنا اجر بھی ملے گا اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا بھی، اور ان کے اجر میں کوئی کمی بھی نہ ہوگی۔ اسی طرح اسلام میں برا طریقہ ایجاد کرنے والے کو اپنا گناہ بھی ملے گا اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا بھی اور بعد میں کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی بھی نہ ہوگی'' [19]

○ جُہینہ قبیلے کی ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ''میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی، لیکن وہ حج کرنے سے پہلے ہی مر گئی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں، فرمایا۔ حج کرو کہ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا کیا تو اسے ادا کرتی؟ اللہ کا قرض ادا کرو۔ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کی نذر کو پورا کیا جائے'' [20]

○ ایک بی بی نے رسول اللہؐ سے عرض کیا: ''بے شک اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حج کے بارے میں جو فرض ہے، اس نے میرے بہت بوڑھے باپ کو اس حالت میں پایا کہ وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا، میں اس کی طرف سے حج کروں تو کیا فریضہ ادا ہو جائے گا۔ فرمایا۔ ہاں''[۲۱]۔

درج بالا دونوں احادیث پر غور کیجیے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ایک سائل نے ماں کی نذر پوری کرنے کی اور دوسری نے صاحب استطاعت لیکن ضعیف العمر باپ جو زندہ ہے اس کی طرف سے حج کرنے کے بارے میں استفسار کیا اور چونکہ والدین کی نذر پوری کرنا قرض ادا کرنے کی طرح ہے، اور صاحب استطاعت کا حج نہ کرنا روا نہیں، اس لیے ان احادیث سے یہ جواز تو نکلتا ہے کہ اولاد اگر چاہے تو والدین کی طرف سے حج اور عمرہ ادا کر سکتی ہے، لیکن اس کے ساتھ اگر ابن عباسؓ کی اس روایت پر غور کر لیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے۔ اپنے باپ کے لیے حج کرنے کی اجازت چاہنے والے ایک شخص سے رسول اللہؐ نے فرمایا: ''اپنے باپ کی طرف سے حج کر۔ اگر اس سے اس کی بھلائی میں اضافہ نہیں ہوتا، تو برائی میں بھی اضافہ نہیں ہوگا''[۲۲]۔

گویا آپؐ یہ فرمار ہے ہیں کہ باپ کو ثواب ہو نہ ہو، تم تو حج کر لو گے، اور یوں حج کی جو مشقت اٹھاؤ گے اس عمل کا اجر تمہیں تو ملے گا۔ ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ والدین کی طرف سے حج بدل بیٹا یا بیٹی خود کریں تو بہتر اور اولیٰ ہے۔ البتہ حج بدل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اپنا فرض حج پہلے ادا کرے جیسا کہ سرور کائناتؐ نے اس شخص کو حکم دیا جو اپنے بھائی شبرمہؓ کے لیے حج کر رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ''پہلے اپنا حج کر پھر شبرمہ کے لیے کرنا''[۲۳]۔

○ دار قطنی میں بھی کچھ ایسی احادیث ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے یا ان کا قرض ادا کرے روزِ قیامت نیکوں کے ساتھ

اٹھے گا‘‘۔اور’’جب انسان اپنے والدین کی طرف سے حج کرتا ہے، وہ حج اس کے اوران سب کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے، اوران کی روحیں آسمان میں اس سے شاد ہوتی ہیں، اور یہ شخص اللہ عزوجل کے نزدیک ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا لکھا جاتا ہے‘‘ اور’’جو اپنے والدین کی طرف سے حج کرے ان کی طرف سے حج ادا ہو جائے گا اور اسے دس حج کا زیادہ ثواب ملے گا‘‘۔تاہم میّت کی طرف سے فرض حج کی ادائیگی کا معاملہ فقہا کے یہاں اختلافی ہے۔کچھ نے اسے جائز کہا ہے تو بعض نے منع کیا ہے۔

حجِ بدل

○ حج مالی وبدنی عبادت کا مرکب ہے، اور بدنی عبادت میں اپنی بجائے کسی دوسرے کو نائب بنانے کی گنجائش نہیں ہے اور مالکیہ کے نزدیک حج میں چونکہ بدنی عبادت کا پہلو غالب ہے، اس لیے وہ قابل نیابت نہیں ہے۔ چنانچہ مالکیہ کہتے ہیں کہ تاحین حیات وہ شخص جس پر حج فرض ہے، وہ کسی کو حجِ بدل پر نہیں بھیج سکتا کیونکہ کوئی مالدار شخص بوجہ بیماری وغیرہ عمر بھر حج کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو اس کے ذمے سے حج قطعاً ساقط ہے۔حج اسے لازم نہیں ہے۔اس لیے اگر وہ اخراجات برداشت کر کے کسی کو حج پر بھیجتا ہے، حج پر جانے والے کا تو نفلی حج ہو جائے گا، لیکن بھیجنے والے کے اعمال میں شمار نہیں ہوگا البتہ اسے حج میں مدد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس حاجی کی دعاؤں سے مستفیض ہوگا، اسی طرح میّت کے نام پر جو حج کرایا جائے گا وہ میّت کے نامہ اعمال میں مطلق درج نہ ہوگا نہ فرض نہ نفل البتہ میّت کو یہ ثواب ملے گا کہ اس نے حج کرانے میں مالی مدد کی۔ واضح رہے کہ حج کے لیے وصیت کرنا مکروہ ہے، اگرچہ ورثا پر واجب ہے کہ میّت کے ترکہ کے تیسرے حصے سے اس کی وصیت پوری کریں بشرطیکہ کوئی دوسری اور جائز وصیت پوری کرنے میں خلل نہ ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حج میں نیابت کی گنجائش ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص جس پر حج فرض ہے بوجوہ حج کرنے سے عاجز ہو تو واجب ہے کہ وہ حج کے لیے کسی کو اپنا نائب مقرر کرے

جواس کے بدلے حج کرے۔ البتہ ان کے نزدیک میّت کی وصیت پر کسی کا ازراہ نیکی اپنے اخراجات پر میّت کی طرف سے حج کرنا درست نہ ہوگا۔ تاہم اگر کوئی شخص بلا وصیت از خود نیکی کے خیال سے میّت کی طرف سے حج کرے تو انشاء اللہ یہ حج اس کی طرف سے قبول ہو جائے گا۔ (تفصیل مسائل کے لیے علماء سے رجوع کیا جائے)

شافعیہ کہتے ہیں کہ حج میں نائب بنایا جا سکتا ہے، لہٰذا جو شخص طبی وجوہ کی بنا پر حج پر جانے سے معذور ہے، حج بدل کرائے۔ اس میں کچھ شرائط ہیں جن کے لیے علماء سے رجوع کیا جانا چاہیے۔ ہاں شافعیہ کے نزدیک فوت شدہ کی طرف سے بھی حج کرایا جا سکتا ہے۔ متوفی کی طرف سے حج کرانا اس پر واجب ہے، جسے وصیت کی گئی ہو۔ ہاں اگر ترکہ سے مصارف حج پورے نہ ہوتے ہوں تو نائب بنانا واجب نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حج اور عمرہ میں نائب بنایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ جس پر حج و عمرہ واجب ہے وہ بوجہ کبرسنی، ناتوانی، ناقابل علاج مرض، یا موٹاپا ادائیگی حج سے معذور ہو، عورت کو بھی حج کے لیے نائب بنایا جا سکتا ہے۔ فوت شدہ کی طرف سے حج بدل کے لیے نائب وارث کی اجازت کا مرہون منت نہیں تاہم اس کے لیے شرائط کڑی ہیں۔ تفصیلات کے لیے علماء سے رجوع کیا جائے۔[۲۴]

فدیہ

- علماء کے نزدیک فرض روزہ اور قضا نماز کا فدیہ پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو فی روزہ ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی قیمت دے دینی چاہیے۔ اور اگر فدیہ میں غلہ یا اس کی قیمت نہ دے سکے تو ایک محتاج و مسکین کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلائے۔ تو بھی فدیہ ادا ہو جائے گا مگر وہی کھانا کھلائے جو خود کھاتا ہے۔
- اگر کوئی شخص مر گیا اور اس کے ذمے رمضان کے روزے تھے تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس نے فدیہ ادا کر دینے کی وصیت کر دی ہے یا وصیت نہیں کی ہے، اگر

وصیت کر دی ہے تو ورثا اس کے ترکہ کے ایک تہائی مال سے فدیہ ادا کریں۔ جتنا بھی ادا ہو سکے بقیہ فدیہ ورثا اگر خوشی سے ادا کریں تو فبہا ورنہ ان کی مرضی۔ مردہ کے کفن دفن میں جو خرچہ ہو یا اس کے ذمے کوئی قرض ہو تو اس کے ادا کرنے کے بعد جو بچ رہے اس سے فدیہ ادا کیا جائے۔ اگر میّت نے وصیت نہ کی ہو تو ایسی صورت میں وارثوں کی مرضی پر ہے، فدیہ ادا کریں نہ کریں، بہتر یہ ہے کہ فدیہ ادا کر دیں، اس لیے کہ وہ میت کے چھوڑے ہوئے مال سے دنیا میں فائدہ اٹھا رہے ہیں تو اس احسان کے بدلے میں ان کو ثواب ہوگا۔

○ فدیہ کے لیے ہر روز کی نمازیں وتر سمیت چھ لگائی جائیں گی۔ اس طرح ایک دن کی نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس سیر گندم بنتا ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ بارہ سیر شمار کیا جائے۔ منت کے روزے جو رہ گئے ہوں ان کا فدیہ بھی دینا ہوگا۔ سجدہ تلاوت کا فدیہ بھی ایک نماز کے برابر شمار ہوگا۔

○ زکوٰۃ جتنے مال کی ہو اور جتنی مقدار مال کی بقایا رہی ہو اس کا حساب کر کے ادا کرنا ہو گی، یہی حکم فطرہ کا ہے کہ ہر ایک فطرہ پونے دو سیر گندم شمار کیا جائے۔ قربانی رہ گئی ہو تو اس سال میں بکرے یا ایک گائے کی قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ کیا جائے۔

○ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نماز پڑھے نہ ہی روزہ رکھے، بلکہ اس کی طرف سے کھانا دے دے۔ دو مُدّ گندم کے ہر دن کے بدلے میں[۲۴] دوسری حدیث میں ہے ''ایک دن کے بدلے نصف صاع صدقہ کرو'' نیز یہ کہ ''جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر رمضان کے روزے ہوں تو ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے'' البتہ نذر کے روزے ہوں تو اس کا قریبی رشتہ دار قضا روزے رکھے گا[۲۵]۔

○ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ''میں اپنے والدین کی زندگی میں ان سے نیکی کیا کرتا تھا، ان کی موت کے بعد ان سے کیسے نیکی کروں''

فرمایا"ان کی موت کے بعد ان کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے نماز پڑھ اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لیے روزے رکھ"[۲۶]

اس روایت کا ظاہری معنی یہ ہے کہ جب تو اپنی نماز پڑھے تو ان کے لیے بھی پڑھ اور جب روزہ رکھے تو ان کے لیے بھی روزہ رکھ۔ جبکہ عملاً ایسا ممکن نہیں کیونکہ فرض نماز کے بعد والدین کے لیے نماز پڑھنی اور فرض روزہ کے ساتھ روزہ رکھنا ممکن نہیں ہے، کہ ایک وقت میں فرض نماز ایک ہی پڑھی جا سکتی ہے اور رمضان کا فرض روزہ ایک دن میں ایک ہی رکھا جا سکتا ہے۔ اس لیے جیسا کہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ "صحابہ تابعین اور ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ میّت کی فوت شدہ نماز نہیں پڑھنی چاہئیں"[۲۷]۔

- حدیث میں اولاد کو والدین کی کمائی اور صدقہ جاریہ بتایا گیا ہے اس لیے جب وہ نماز پڑھے گی اور روزے رکھی گی تو والدین بھی اس کے اجر میں برابر کا حصہ پائیں گے یا پھر یہ کہ نوافل کی ادائیگی اور دعائے مغفرت کے ذریعہ والدین کی نجات اخروی کا اہتمام کیا جائے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا "مجھے اپنے والدین کے ساتھ جو نیک سلوک کرنا چاہیے تھا اس میں سے کچھ باقی ہے۔ ان کی موت کے بعد کیا کروں، فرمایا: ان سے سلوک جاری رکھ جو ان دونوں کے لیے دعا اور استغفار کرنا ہے، ان کی وفات کے بعد ان کے وعدوں کو نبھانا ہے ان کے دوستوں کی عزت اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا ہے[۲۸]۔

☆ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ:

- (والدین کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ) نیکی کی چار باتیں ہیں "ان پر نماز پڑھنا، ان کے لیے دعائے مغفرت کرنا، ان کا قرضہ ادا کرنا، ان کے دوستوں اور رشتہ داروں سے نیک برتاؤ کرنا"[۲۹]۔
- "ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک یہ بھی ہے کہ اولاد ان کے بعد ان کے لیے

دعائے مغفرت کرے''۳۰ اور''آدمی جب والدین کے لیے دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے اس کا رزق قطع ہو جاتا ہے''۳۱۔

○ ''جو شخص اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کی قسم سچی کرے (نذر پوری کرے) ان کا قرض ادا کرے اور کسی کے ماں باپ کو برا نہ کہہ کر انہیں برا نہ کہلوائے، وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا لکھا جاتا ہے، اگرچہ ان کی زندگی میں نافرمان تھا اور جو ان کی قسم پوری نہ کرے، ان کا قرض ادا نہ کرے اور دوسروں کے والدین کو برا کہہ کر اپنے والدین کو برا کہلوائے وہ عاق لکھا جائے گا خواہ ان کی حیات میں فرمانبردار ہی کیوں نہ ہو''۔۳۲

○ ''جب تم میں سے کوئی خیرات کرے تو چاہیے کہ اسے اپنے والدین کی طرف سے کرے کہ اس کا ثواب انہیں ملے گا اور اس کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی''۳۳۔

○ ''والدین کے بعد وفات جو ان کا قرض ادا کرے روزِ قیامت نیکوں کے ساتھ اٹھے گا''۳۴

☆ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ پر اسی ہزار قرض تھے، وقتِ وفات اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ کو بلا کر فرمایا۔ میرے قرض کی ادائیگی میں اول تو میرا مال بیچنا ورنہ میری قوم بنی عدی سے مانگ کر پورا کرنا۔ اگر یوں بھی پورا نہ ہو تو قریش سے مانگنا اور ان کے سوا دوسروں سے سوال نہ کرنا۔ پھر ان سے کہا: تم میرے قرض کی ضمانت کر لو، وہ ضامن ہو گئے۔ امیرالمومنین کے دفن سے پہلے انہوں نے اکابر مہاجرین وانصار کو گواہ کر لیا کہ وہ اسی ہزار مجھ پر ہیں۔ ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے وہ سارا قرض ادا کر دیا۳۵۔

○ مولانا احمد رضا خاںؒ نے والدین کے اولاد پر بعد انتقال بارہ حقوق شمار کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) پہلا حق ان کے جنازے کی تجہیز و تکفین اور تدفین ہے۔

(۲) ان کے لیے ہمیشہ دعائے استغفار کرتے رہنا

(۳) صدقہ وخیرات واعمال صالحات کا ثواب انہیں پہنچاتے رہنا

(۴) ان کا قرض ادا کرنے میں جلدی اور مستعدی کا مظاہرہ کرنا

(۵) ان پر کوئی فرض رہ گیا ہوتو بقدر قدرت اس کی ادائیگی میں سعی بجالانا اور کفارہ دینا وغیرہ۔

(۶) ان کی جائز وصیت کے نفاذ میں حتیٰ الامکان کوشش کرنا

(۷) ان کی وفات کے بعد ان کی قسم سچی کرنا

(۸) ہر جمعہ کو ان کی زیارت (قبر) کے لیے جانا وہاں سورہ یٰسین پڑھنا اور اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچانا۔

(۹) ان کے رشتہ داروں کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کیے جانا

(۱۰) والدین کے دوستوں سے تعلق قائم رکھنا اور ہمیشہ ان کا اعزاز و اکرام کرنا۔

(۱۱) دوسروں کے ماں باپ کو برا نہ کہنا تاکہ وہ اس کے والدین کو برا نہ کہے۔

(۱۲) سب سے سخت اور مدام حق یہ ہے کہ ہمیشہ نیک اور اچھے کام کیے جانا تاکہ والدین کو ان کا اجر پہنچے۔

فاتحہ خوانی

○ مرحومین کے لیے فاتحہ خوانی کا جو رواج چل نکلا ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ محض ایک اصطلاح ہے جو ایصال ثواب یا تعزیّت کے لیے اختیار کی گئی ہے۔ ایصال ثواب کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ زندہ افراد کوئی نیک عمل کریں اور اس پر جو ثواب ملے وہ کسی دوسرے (مردہ یا زندہ) کو بخش دیں وہ اس طرح کہ یا اللہ! میرے اس عمل کا ثواب جو آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ فلاں شخص کو دید یجیے اور پہنچا دیجیے۔ مثلاً کسی نے خدا کی راہ میں کچھ

کھانا یا مٹھائی یا کوئی نقد رقم یا کپڑا وغیرہ دیا یا نوافل ادا کیے، نفلی روزے رکھے یا نفلی حج یا عمرہ ادا کیا، یا کلام پاک کی تلاوت کی، کلمہ طیبہ پڑھا یا مستقل خیرات جاریہ قائم کیں مثلاً تعمیر مساجد، دینی مدارس یا دینی مذہبی کتب کی اشاعت فی سبیل اللہ کی، وغیرہ ان نیک اعمال کا ثواب کسی دوسرے (مردہ یا زندہ) کو دیے جانے کی دعا کی جا سکتی ہے[۳۶]۔

○ ایصال ثواب کے لیے شرعاً نہ کوئی خاص وقت یا دن مقرر ہے نہ کسی خاص عبادت یا جگہ کا تعین کیا گیا ہے، نہ کسی خاص دن لوگوں کا اجتماع کرنے یا کوئی خاص چیز صدقہ کرنے کا حکم ہے۔ پس جو کچھ انسان کی استطاعت میں ہو اور جب ممکن ہو، میت کو اس کا ثواب پہنچا دے باقی سب رسومات اور بدعات ہیں[۳۷]۔

○ کسی بھی نیک عمل یا صدقے کا ثواب متعدد افراد کو مشترکہ طور پر بخشا جا سکتا ہے اور ان میں سے ہر فرد کو پورے عمل اور صدقے کا ثواب ملے گا اور ایصال ثواب کرنے والا بھی پورا ثواب پائے گا[۳۷]۔

○ حضرت انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''ہم اپنے فوت شدہ لوگوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں ان کی طرف سے صدقہ دیتے اور حج کرتے ہیں۔ کیا یہ ان تک پہنچتا ہے''۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''یہ ان تک پہنچتا ہے اور وہ اس سے اسی طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی شخص (ہدیہ) تحفہ ملنے پر خوش ہوتا ہے''[۳۸]۔

○ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''مردہ کی حالت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریاد کرنے والے کی طرح ہوتی ہے، وہ انتظار کرتا ہے کہ ان کے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے ان کو دعا پہنچے اور جب ان کو کسی سے دعا پہنچتی ہے تو اس دعا کا پہنچنا اس کو دنیا اور مافیہا سے محبوب تر ہوتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا سے اہل قبور کو پہاڑوں کی مثل اجر و رحمت عطا فرماتا ہے اور بے شک زندوں کا تحفہ مُردوں کی طرف یہی ہے کہ ان کے لیے بخشش کی دعا مانگی جائے''[۳۹]

○ انسان اپنے عمل کا ثواب غیر کو دے سکتا ہے، خواہ نماز ہو یا روزہ (نفلی)، صدقہ ہو یا کوئی اور شے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے قربانی کیے، ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے''۔[۱۴۰]

○ پانی سے بھی ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں وہ اس طرح کہ کوئی کنواں کھدوا دیں یا راستے پر پینے کے پانی کا انتظام کر دیں یا اسی طرح کچھ اور جیسا کہ حضرت سعد بن عبادہ کے سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بہترین صدقہ پانی ہے، اور انہوں نے اپنی والدہ کے نام پر ایک کنواں کھدوا دیا''[۱۴۱]۔ کھانا سامنے رکھ کر ثواب پہنچانے میں بھی کوئی عیب نہ ہے لیکن وقت فاتحہ کھانے کا قاری کے پیش نظر ہونا بیکار بات ہے[۱۴۲]۔ فاتحہ کے وقت گھی کا چراغ جلانا حرام ہے[۱۴۲] اور سالانہ تیجے اور چہلم وغیرہ کی بھی شرعاً کوئی اصل نہیں، بلکہ ان موقعوں پر قرآن خوانی کے بعد سب کے لیے دعوتِ طعام حرام ہے۔[۱۴۲]

○ شیخ عبدالحق محدث لکھتے ہیں کہ میّت کے دنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ مستحب ہے۔ میّت کو صرف صدقہ اور دعا کا ثواب پہنچتا ہے۔ بعض ضعیف روایات میں ہے کہ میّت کی روح شب جمعہ کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے اس کے ورثا صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔ اسی طرح عیدین، عاشورہ، شب برات کو بھی اموات کی روحیں آ کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی ہیں اور کہتی ہیں کہ کوئی ہے کہ ہمیں یاد کرے، کوئی ہے کہ ہم پر ترس کھائے اور کوئی ہے کہ ہماری غربت کی یاد دلائے[۱۴۳]۔ لیکن جمہور اہل علم کی اکثریت اس سے اتفاق نہیں کرتی۔ ان کے نزدیک صدقہ و خیرات یقیناً اچھی بات ہے، لیکن اس کے لیے کسی خاص دن اور خاص اشیاء کا مقرر کرنا روا نہیں ہے بلکہ بدعت ہے اور متاخرین کی ایجاد ہے۔ حضرت حذیفہؓ ابن ایمان فرماتے ہیں کہ ''جو عبادت صحابہ کرام نے نہیں کی وہ عبادت نہ کرو کیونکہ پہلے لوگوں نے پچھلوں کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی جس کو یہ پورا کریں۔ اے مسلمانو! خدا تعالیٰ سے ڈرو

اور پہلے لوگوں کے طریقہ کو اختیار کرو''۴۴۔ ان نئے طریقہ عبادات کے موجد اس طرح ایک طرف تو ''میں نے آج تم پر اپنا دین مکمل کر دیا'' کی آیت قرآنی کے خلاف کرتے ہیں اور دوسری طرف (نعوذ باللہ) سرور کائناتؐ اور ان کے صحابہ کرامؓ پر یہ اتہام باندھتے ہیں کہ وہ معاذ اللہ رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے زیادہ دین کے مخلص ہیں۔۴۵

حیلہ اسقاط

○ بعض جگہوں میں میّت کو فرائض کی عدم ادائیگی سے بری الذمہ قرار دلوانے کے لیے ''حیلہ الاسقاط'' یا ''دور'' کو رواج دیا گیا ہے۔ اس بارے میں علمائے سلف سے کوئی واضح مثال یا آثار نہیں ملتے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ سے قولاً یا عملاً اس کا جواز ثابت ہے۔ حیلہ کا شرعاً معنی عمدۃ القاری میں یہ کیا گیا ہے کہ ''ایسا عمل جس سے مقصود تک پوشیدہ طور پر رسائی حاصل کی جائے۔'' اسقاط کا معنی گرا دینا اور فقہا کے نزدیک حیلہ اسقاط میّت کے ذمے چھوٹے ہوئے واجب الادا احکام شرعیہ کو گرا دینے کی سبیل ہے۔ آج کے علماء اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ مردہ اپنی زندگی میں جن احکام شرعیہ کو سہواً یا عمداً ادا نہ کر سکا اب جبکہ وہ ان کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتا اسے ان فرائض و عبادات کی عدم ادائیگی پر ربّ رحیم و کریم کی ناراضگی سے بچایا جائے۔ جبکہ سلف کے بعض فقہا کرام نے ایسے شخص کے لیے تجویز فرمایا تھا کہ جس سے کچھ نماز روزے اتفاقاً فوت ہو گئے ہوں اور اسے قضا کرنے کا موقع نہ ملا اور موت کے وقت وصیت کی لیکن اتنا ترکہ نہ چھوڑا کہ جس کے ایک تہائی سے فوت شدہ روزوں اور نمازوں کا فدیہ ادا ہو سکے۔ یہ نہیں کہ ترکہ میں مال موجود ہو، وہ تو ورثا بانٹ کھائیں اور تھوڑے سے پیسے لے کر رب کریم اور مخلوق خدا کو فریب دیا جائے، حنفی فقہ کی کتابیں درمختار و شامی وغیرہ میں اس بارے میں جن شرائط و قیود کا ذکر ہے، ان کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے چند آدمی ایک مختصر سی رقم کی ہیرا پھیری کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ میّت کا حق ادا کر دیا گیا اور وہ تمام فرائض و واجبات سے سبکدوش ہو گئی۔

حالانکہ اس سے نہ میّت کے فرائض و واجبات ادا ہوئے نہ اسے کوئی فائدہ پہنچا الٹے گنہ گار ہوئے۔ ویسے بھی شریعت میں ایک مسلمان کے جو فرائض ہیں، وہ جب تک خود ادا نہ کیے جائیں، کوئی ''حیلہ'' انہیں ساقط نہیں کر سکتا، اور اس کے لیے اسی کو جواب دہ ہونا ہے۔

اس حیلہ کی حقیقت اس سے سمجھ آ جاتی ہے کہ اس کے حامی لکھتے ہیں کہ اگر مردہ کی عمر ۷۲ سال شمار کی جائے، اور بارہ سال اس میں سے وضع کر کے بقیہ عمر کے نمازوں اور روزوں کا شمار کیا جائے تو صرف نماز کے ایک ماہ کا فدیہ تین سو ساٹھ سیر اور ایک سال کا فدیہ ایک سو آٹھ من بنتا ہے۔ ان کے مطابق ساٹھ سال کا مجموعی فدیہ ۶۴۸۰ من کے لگ بھگ ہوتا ہے اور چونکہ اس کی مروجہ نرخ سے قیمت لاکھوں میں چلی جاتی ہے جو آج کل کے دور میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے ''حیلہ'' کیا جاتا ہے۔ ان کی یہ دلیل بجائے خود کس قدر قوی اور متاثر کن ہے، خود فیصلہ کیجیے۔ اس کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ چند لوگ دائرہ میں بیٹھتے ہیں اور ورثا کچھ رقم دائرہ میں لاتے ہیں اور امام مسجد جو دائرہ میں ہوتا ہے، وہ اس رقم کو بمعہ قرآن پاک ہاتھ میں لے کر اسقاط کی مخصوص دعا پڑھتا ہے اور بعد ازاں وہ قرآن و رقم دائرہ میں بیٹھے لوگوں سے ہاتھوں ہاتھ دوبارہ امام کے پاس آتی ہے۔ پھر دعا کرتے ہیں اسی طرح تین مرتبہ پھرانے کے بعد آخری دعا کے بعد وہ نصف رقم امام اور نصف غربا اور قبر بنانے والوں میں تقسیم کر دیتے ہیں حالانکہ ''حیلہ اسقاط'' کے حامی ان علماء کے نزدیک بھی اس طرح فدیہ ادا نہیں ہوتا۔

قطع نظر دیگر علماء کرام کے اس بارے میں مولانا احمد رضا خاںؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ گو قرآن مجید کسی مسلمان کو دے کر اس کا ثواب میّت مسلم کو پہنچانا جائز ہے لیکن کفارے کے عوض قرآن مجید دینے کا جو ''حیلہ'' رائج ہے محض باطل اور بے سود ہے بلکہ بحال وصیت تہائی مال یا باجازت بالغ ورثا اس سے زائد مال اور بلا وصیت جس قدر مال پر وارث عاقل بالغ چاہے اگر کفارہ واجبہ کی قدر کو کافی نہ ہو بطریق دور پورا کریں یعنی مالک وہ مال ایک بار

کسی مستحق فقیر کو دے دے۔ اس قدر کا کفارہ ادا ہو جائے گا بعد ازاں، فقیر بعد قبضہ پھر اُس (دینے والے) کو اپنی طرف سے ہبہ کر دے۔ وارث پھر فقیر کو کفارے میں دے یہاں تک کہ الٹ پھیر میں قدر کفارہ تک پہنچ جائے۔ گویا دائرہ میں صرف مساکین ہوں گے، اغنیا نہیں نیز رقم صرف مساکین میں تقسیم ہوگی اور جب رقم پھرائی جائے تو تمام فقرا بہ نیت کفارہ ایک دوسرے کو حیلہ کرتے جائیں اور اس کی حقیقت کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ حیلہ اسقاط دو حال سے خالی نہیں، یا تو کفارہ بن جائے گا یا پھر میت کو صدقہ کا ثواب ملے گا[۲۶]۔

واللہ اعلم بالصواب۔

حواشی

۱ سورۃ الانعام: ۶۴،سورہ بنی اسرائیل: ۱۸،سورۃ فاطر: ۱۸

۲ سورۃ الزلزال: ۷۔۸ — ۳ سورۃ النجم: ۳۹

۴ ترمذی، ابن ماجہ، امام احمد — ۵ مسلم، ترمذی، امام احمد، نسائی

۶ ابن ماجہ — ۷ نیل الاوطار

۸ سورہ حشر: ۱۰ — ۹ مسلم

۱۰ بخاری، مسلم — ۱۱ مشکل الآثار، طحاوی حنفی، المحلیٰ ابن حزم

۱۲ ابوداؤد — ۱۳ ملخص احکام الجنائز از امام الالبانی

۱۴ فتح الباری — ۱۵ ابوداؤد، ترمذی

۱۶ بخاری، مسلم — ۱۷ بخاری

۱۸ بخاری، مصنف عبدالرزاق، شرح مؤطا امام مالک

۱۹ مسلم — ۲۰ بخاری

۲۱ بخاری و مسلم — ۲۲ فتح الباری، ابن ماجہ

۲۳ ابوداؤد، ابن ماجہ — ۲۴ فقہ آئمہ اربعہ

۲۵ ترمذی، مشکوٰۃ — ۲۶ فقہ السنہ، نیل الاوطار

۲۷ حاشیہ مسلم — ۲۸ ابن ماجہ

۲۹ ابن ماجہ، بیہقی، ابوداؤد، ابن حیان، ابن النجار — ۳۰ ابن النجار

۳۱ طبرانی فی التاریخ، دیلمی — ۳۲ طبرانی فی اوسط

۳۳ طبرانی فی اوسط، ابن عساکر، دیلمی — ۳۴ طبرانی، دارقطنی

۳۵ ابن سعد — ۳۶ شامی، بہشتی زیور، عالمگیری

۳۷ شامی — ۳۸ عمدۃ القاری، شرح بخاری

۳۹ مشکوٰۃ — ۴۰ ہدایہ

۴۱ ابوداؤد، نسائی بحوالہ فتاویٰ رضویہ — ۴۲ فتاویٰ رضویہ

۴۳ بحوالہ فتاویٰ رضویہ جلد نہم — ۴۴ بحوالہ سنت وبدعت

۴۵ سنت وبدعت — ۴۶ فتاویٰ رضویہ

میراثِ میّت

میّت کا ترکہ

مرنے والا انتقال کے وقت جو منقولہ و غیر منقولہ جائیداد و مال، نقد روپیہ، زیورات، کپڑے چھوٹا بڑا سامان اپنی ملکیت میں چھوڑتا ہے حتیٰ کہ سوئی دھاگہ بھی از روئے شریعت وہ سب اس کا ترکہ ہے۔ نیز میّت کے ذمے جو قرضے رہ گئے ہوں یا میّت کی وفات کے بعد دوسروں سے وصول ہوں، وہ بھی ترکے میں شمار ہوں گے۔ میّت کے ترکے میں ترتیب وار چار حقوق واجب ہیں جن کو شرعی قاعدے کے مطابق ادا کرنا وارثوں اور وصی کی ذمہ داری ہے۔ یہاں تک کہ میّت کی جیب میں ایک الائچی بھی ہو تو کوئی ایک شخص، تمام ورثا کی اجازت کے بغیر منہ میں ڈال لے تو جائز نہ ہوگا۔ حقوق یہ ہیں:

۱۔ تجہیز و تکفین کے اخراجات

۲۔ دین و قرض کی ادائیگی

۳۔ جائز وصیت کی تکمیل

۴۔ میراث کی تقسیم

○ ترکے سے سب سے پہلے تجہیز و تکفین کے اخراجات ادا کئے جائیں گے پھر قرضہ، پھر جائز وصایا کی تکمیل جو ایک تہائی مال تک ہو، پھر دو تہائی ترکہ کی ورثا میں تقسیم۔

○ میّت کے ترکہ میں صرف وہی اشیا شمار ہوں گی جو شرعاً اس کی ملکیت اور اس کے قبضے میں تھیں۔ عارضی طور پر مانگی ہوئی یا امانت رکھی ہوئی یا جبراً یا خیانت سے یا چوری کر کے قبضہ میں لی ہوئی اشیاء اصل مالک کو واپس کی جائیں گی۔[1]

○ میّت نے جو اشیاء یا جائیداد مرض الموت سے پہلے کسی کو ہبہ، ہدیہ یا تحفہ کر دی تھیں اور ان پر اس کا قبضہ بھی کرا دیا تھا، وہ ترکہ میں شمار نہ ہوں گی البتہ جن پر قبضہ نہیں کرایا تھا یا وہ اشیاء یا رقم جو کسی کو خاص کر دی تھیں مگر مالکانہ طور پر اس کے قبضہ میں نہیں دی تھیں وہ ترکہ میں شامل ہوں گی۔ اسی طرح جن اشیاء پر مرض الموت میں قبضہ کرایا وہ ترکہ میں شمار ہوں گی اور ان کا دینا وصیت کے حکم میں ہوگا، اور تجہیز و تکفین اور قرضوں کے اخراجات کی ادائیگی کے بعد ان کے بارے میں وصیت کی شرائط کے مطابق عمل ہوگا۲۔

○ وفات یافتہ شخص کی موت کے بعد جو پنشن وصول ہوگی وہ ترکہ میں شمار نہیں ہوگی بلکہ حکومت یا پنشن دینے والا ادارہ جس کو یہ رقم دے گا وہی اس کا مالک ہوگا اور اگر کئی ورثا کو دے تو ان میں تقسیم ہوگی اور میراث نہیں بلکہ متعلقہ ادارہ کا انعام تصور ہوگی۳۔

○ جو اشیاء میّت نے خرید لی تھیں لیکن قیمت ادا کی نہ قبضہ میں لیں، ترکہ میں شمار نہیں ہوں گی، اسی طرح جو چیز یا زمین میّت نے قرض کے بدلے رہن کر دی تھی، اور اس قرض کی ادائیگی کے لیے کوئی مال بھی نہ چھوڑا وہ بھی ترکہ میں شامل نہیں ہوں گی، البتہ مرتہن (قرض خواہ) اسے فروخت کرے تو پہلے اپنا حق وصول کرے اور بقیہ رقم پر ترکہ کے احکام نافذ ہوں گے۴۔

حواشی

۱ مفید الوارثین
۲ شامی، مفید الوارثین
۳ درمختار، شامی وغیرہم
۴ درمختار، شامی، مفید الوارثین

تجہیز و تکفین کے مصارف

میّت کے ترکے سے سب سے پہلے اس کی تجہیز و تکفین و تدفین کا خرچہ لیا جائے گا۔ مگر وہی اخراجات لیے جائیں گے جو مشروع ہوں (جن کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے) مثلاً سامان تجہیز و تکفین غسال اور قبر کھودنے والوں کی اجرت اور قبر کی زمین پر خرچہ، البتہ کفن کی وہ بڑی چادر جو جنازہ کے اوپر دی جاتی ہے اور جاء نماز کا وہ کپڑا جو امام کے لیے بچا لیا جاتا ہے، تکفین کے اخراجات میں شامل نہیں ہوگا، صرف کفن مسنون کے اخراجات شمار ہوں گے، اسی طرح اہل میّت کی طرف سے دعوت یعنی تیجے، ساتویں، چہلم کے اخراجات اور تعزیت کے لیے آنے والوں کی مہمانداری پر اٹھنے والا خرچہ، میّت کے ترکہ سے تقسیم سے پہلے کیے جانے والے صدقات و خیرات، تجہیز و تکفین کے اخراجات میں شمار نہیں ہوں گے بلکہ جو محرک ہوگا، وہ برداشت کرے گا۔ اسی طرح میّت کے سلے ہوئے کپڑے یا جوتے وغیرہ بھی اس کے ترکہ میں شمار ہوں گے یونہی صدقہ نہیں کیے جائیں گے اور صدقہ و خیرات بھی تقسیم شرعی کے بعد، ورثا اپنے حصے میں سے کریں۔ البتہ اگر کوئی رشتہ دار یا دوست اپنے طور پر تجہیز و تکفین اور تدفین کے تمام یا جزوی اخراجات برداشت کرے اور ورثا بھی راضی ہوں، تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ شخص عاقل و بالغ ہو اور اتنے اخراجات ترکہ سے وضع نہیں کیے جائیں گے۔ (مفید الوارثین)

قرضوں کی ادائیگی

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کی جان اپنے قرض کی وجہ سے معلق رہتی ہے جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے''۔ اور ''شہید کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں سوائے قرض کے''[1]۔ اس لیے تجہیز و تکفین اور تدفین کے اخراجات کی ادائیگی کے بعد، سب سے اہم کام میّت کے ذمے لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی ہے تاکہ وفات یافتہ کی روح معلق نہ رہے اور عدم ادائیگی قرض کے گناہوں سے اسے نجات ملے۔

○ میّت نے قرضوں کی ادائیگی کے بارے میں وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، اس کے ذمے تمام قرضے اس کے مال سے فوراً ادا کیے جائیں، خواہ سارا مال خرچ ہو جائے اور اگر قرضہ پھر بھی بچ رہے تو لوگ احساناً ادا کریں یا قرض خواہ معاف کر دیں۔

○ ایک شخص نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! میرے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے، اور چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے کیا میں مال ان پر خرچ کروں اور قرض ادا نہ کروں''؟ فرمایا: ''تمہارا بھائی قرض کی وجہ سے مقید ہے قرض ادا کرو''[2]۔

○ اگر تجہیز و تکفین اور تدفین کے اخراجات کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ ترکہ تمام قرضوں کی ادائیگی کے لیے کافی ہے تو بلا تفریق سب قرض ادا کیے جائیں اگر کافی نہیں اور قرض صرف ایک ہی شخص کا ہے تو جتنا ترکہ ہے وہ سب اس کو دے دیا جائے۔ باقی وہ چاہے تو معاف کر دے یا آخرت پر موقوف رکھے۔ اگر قرض کئی لوگوں کا ہے اور ترکہ کافی نہیں تو کس کا قرضہ پہلے ادا کیا جائے اور کس کو کتنا دیا جائے۔ اس میں بہت تفصیل ہے، بوقت

ضرورت کسی مستند عالم دین سے پوچھ لیا جائے[3]۔

○ اگر تجہیز و تکفین اور تدفین کے بعد ترکہ بالکل نہ بچا ہو، یا اتنا تھوڑا ہو کہ قرض ادا نہ ہو سکے تو باقی قرضوں کا ادا کرنا وارثوں کے ذمہ واجب نہیں۔ تاہم محبت کا تقاضا اور پسندیدہ امر یہی ہے کہ جتنا ہو سکے مرحوم کے بھائی، باپ یا بیٹے یا عزیز و دوست مرحوم کی طرف سے قرض ادا کر کے اسے راحت پہنچائیں اور قرض خواہ کے لیے بھی بہتر ہے کہ وہ اپنا قرضہ اسے معاف کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں سے اسے بچائے وہ تنگ دست (مقروض) کو مہلت دے یا اپنا قرض معاف کر دے۔''[4]

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص کے پاس اس نیکی کے سوا کوئی اور نیک عمل نہ تھا (کہ وہ اپنے تنگدست قرضداروں کو مہلت دیتا تھا یا معاف کر دیتا تھا)۔ اس کے باوجود اس کے سارے گناہ معاف ہو گئے (اللہ تعالیٰ نے اس سے عفو و درگزر سے کام لیا)[5]۔

○ میّت نے بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو وہ بھی قرض ہے اس کی ادائیگی سب سے پہلے کی جائے۔

○ اگر میّت کے ذمے اللہ تعالیٰ کے قرضے (یعنی حقوق و فرائض) رہ گئے ہوں مثلاً نمازوں، اور روزوں کا فدیہ، زکوٰۃ، حج، قربانی، صدقۃ الفطر، نذر یا کفارہ وغیرہ تو ان کا حکم یہ ہے کہ اگر بندوں کے قرضوں کی ادائیگی کے بعد ترکہ میں کچھ مال بچ رہے اور میّت نے اللہ کے ان حقوق کی ادائیگی کی وصیت کی ہو تو بچے ہوئے ترکہ کے ایک تہائی میں سے جس قدر ادا ہو سکیں کر دیے جائیں، باقی کا ادا کرنا وارثوں پر لازم نہیں، اگر کوئی وارث اپنے حصے میں سے ان باقی حقوق کو بھی ادا کر دے تو میّت کو بھی آخرت کے مواخذہ سے بچائے گا خود بھی عنداللہ ماجور ہوگا۔

○ ایک تہائی مال میں سے جس قدر مال سے حقوق اللہ کی ادائیگی کے لیے میّت نے

وصیت کی ہو، ورثا پر اتنے حقوق اور مال کی ادائیگی لازم ہوگی، باقی کے لیے ورثا ذمہ دار نہ ہوں گے بلکہ وہ اللہ اور میّت کے درمیان معاملہ ہوگا۔[6]

حواشی

۱	مسلم	۲	مشکوٰۃ
۳	مفیدالوارثین	۴	مسلم
۵	مسلم	۶	دلیل الخیرات

وصیّت میّت

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

○ ''کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ دو راتیں بھی اس حالت میں گزارے کہ وہ کسی چیز کی وصیّت کرنا چاہتا ہو مگر اس کی وصیّت تحریری شکل میں اس کے پاس موجود نہ ہو''۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ فرمان رسولؐ سنا ہے مجھ پر ایک رات بھی ایسی نہیں گزری جب وصیّت میرے پاس نہ ہو۔[2]

یاد رکھیے! آدمی ہر وقت موت کے قبضہ میں ہے، اس لیے جیسا کہ رسالت مآبؐ نے حکم دیا ہے، انسان کو ہر وقت وصیّت تیار رکھنی چاہیے۔ بالخصوص مرض الموت میں تو یہ بہت ضروری ہے کہ انسان اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کرنے، اللہ و رسول کی طرف رجوع کرنے اور موت کو حق جانتے ہوئے خوشگواری سے موت کا انتظار کرنے پر توجہ دے۔

○ ''جو اللہ سے ملنا پسند کرے گا اللہ اس سے ملنا پسند کرے گا اور جو اللہ سے ملنے کو مکروہ رکھے گا اللہ اس کا ملنا مکروہ رکھے گا''۔[3] پھر اس کی وضاحت میں ارشاد ہوا ''جس وقت انسان کا دم سینے پر آ جائے اس وقت جو اللہ سے ملنے کو پسند کرے گا، اللہ تعالیٰ اس سے ملنے کو دوست رکھے گا اور اگر ناپسند تو ناپسند''۔

☆ قرآن مجید میں ہے ''اللہ کی رحمت سے تم مایوس مت ہونا''[4] اور ''بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے''۔[5]

یاد رکھئے! بیمار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ اس لیے مشکلات و تکالیف اور مصائب و

بیماری میں گھبرانے کی بجائے بیمار کو چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے بہتری اور اچھے انجام کی توقع رکھتے ہوئے اپنا محاسبہ کرے اور جو حقوق اللہ اور حقوق العباد اس کے ذمے ہیں ان کی ادائیگی کی حسب قدرت کوشش کرے اور نماز، روزہ، زکوۃ جو کچھ باقی ہو، ان کی ادائیگی یا ان کے بدلے فدیہ دینے کی فکر کرے اور حقوق العباد جس قدر ادا ہوسکیں ادا کرے بصورت دیگر جن کے ساتھ زیادتی یا ظلم کیا ہے ان سے معافی چاہے، خواہ کتنا ہی گڑگڑانا پڑے اور اسے کسر شان نہ سمجھے بلکہ اس ذلت سے بچنے کے لیے جو رب تعالیٰ کے حضور ہوگی اور اس کی نیکیاں ان کو دے دی جائیں گی جن کا حق مارا ہے، جن پر زیادتی کی ہے، اور ان کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں گے اس لیے اس دنیا میں منت سماجت کرکے یا ان کا حق دے کر اپنی گلوخلاصی کرانے ہی میں عافیت جانے ورنہ ان کے بارے میں وصیّت کر جائے۔

- ایک مسلمان، ترکہ میں سے تجہیز وتکفین اور ادائے قرض کے بعد اپنے ترکہ میں سے ایک تہائی کے بارے میں وصیّت کا حق رکھتا ہے، اور اگر اس سے زائد کی وصیّت کی ہو تو اس کا پورا کرنا ورثا پر لازم نہیں ہوگا۔ یہ بات الگ ہے کہ ورثا میں کوئی عاقل و بالغ اپنے حصے میں سے زائد وصیّت کو پورا کر دے[٦]۔
- اگر کسی کا کوئی وارث نہیں تو کل ترکہ کے بارے میں وصیّت کرسکتا ہے، اگر صرف بیوی وارث ہے تو تین چوتھائی ترکہ اور اگر عورت کا وارث صرف شوہر ہے تو نصف ترکہ تک کی وصیّت کی جاسکتی ہے کیونکہ اس طرح کسی وارث کی حق تلفی کا خدشہ نہیں ہے۔
- ترکہ کے بارے میں ایک تہائی مال تک وصیّت پر عمل کرنا ورثا پر فرض ہے، بالخصوص ادائے قرض وفدیہ نیز اپنی تجہیز وتکفین کے حوالے سے میّت کی جو بھی وصیّت ہو، اسے ہر صورت نبھایا جائے۔
- وصیّت شریعت میں صرف وہی ہے جس میں واضح طور پر اپنی موت کے بارے میں

کوئی ہدایت دی گئی ہو مثلاً یہ کہا یا تحریری ہدایت کی کہ ''میرے مرنے کے بعد میرے مال میں سے اتنی رقم مسجد میں لگا دینا یا فلاں کو دے دینا'' تو اس پر حسب حالات عمل کیا جانا فرض ہے، لیکن اگر ''مرنے کے بعد'' کا ذکر کیے بغیر یونہی کہہ دیا کہ میری فلاں چیز فلاں کو دے دو، تو اس پر عمل نہ ہوگا بلکہ اگر کسی شخص نے تعمیر مسجد یا کسی اور مقصد کے لیے رقم جمع کی تھی، لیکن بقضائے الٰہی موت آ گئی تو ایسی تمام رقم اور مال ترکہ میں شمار ہوگا۔[8]

○ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کے حوالے سے یہ بات پیش نظر رہے کہ وصیّت پر عمل درآمد ترکہ کے حوالے سے اسی صورت ہوگا، کہ جب ترکہ میں سے تجہیز و تکفین کے اخراجات پورے کر لیے جائیں۔ اس کے بعد ترکہ سے میّت کے ذمے قرض ادا کئے جائیں گے، پھر حقوق ادا ہوں گے، تجہیز و تکفین کے اخراجات اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو مال بچ رہے، صرف وہ ترکہ شمار ہوگا۔ ان دونوں اخراجات کے لیے وصیّت لازمی نہیں، یہ ہر صورت میں اس کے مال سے ادا ہوں گے، البتہ حقوق اللہ کے بارے میں مثلاً نماز روزہ بغیر کے فدیے کے بارے میں وصیّت کا ہونا ضروری ہے، میّت نے وصیّت نہ کی ہو تو فدیہ کی ادائیگی لازم نہیں۔

○ وصیّت کرنے والے کو سب سے اول اپنے ورثا کو اپنے سفرِ آخرت کے بارے میں کہ وہ کس طرح ہو، وصیّت کرنی چاہیے اور اس بارے میں اس بات کا اہتمام کرے کہ دمِ واپسیں سے لحد تک ورثا کوئی ایسی بات نہ کریں جو احکام خداوندی اور سنت رسول اللہؐ کے منافی ہو۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کی روح جسم سے الگ ہوئی اور وہ تین چیزوں سے بچا ہوا تھا، یعنی تکبر، بددیانتی اور قرض۔ تو وہ جنت میں داخل ہو گیا''[9] اور یہ کہ ''مومن کی روح اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے''[10] اور یہ کہ ''جو فوت ہو گیا اور اس پر ایک دینار یا ایک درہم قرض تھا۔ آخرت میں اس کی نیکیوں

میں سے قرض ادا کیا جائے گا کیونکہ وہاں دینار و درہم نہیں ہوں گے''[11]۔

مختصر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمادیا کہ دنیا میں قرض لے کر واپس نہ کرنا آخرت میں سراسر گھاٹے کا سبب ہے۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ مسلمان اسی دنیا میں قرض سے فارغ ہو کر آخرت کا رخ کرے۔ اپنی طرف سے کوشش میں کوتاہی نہ ہو، قرض یا کسی کے مال مغبوضہ کی عدم ادائیگی کتنا بڑا اخلاقی جرم ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عرصے تک یہ معمول رہا کہ آپؐ مقروض میّت کی نمازِ جنازہ خود نہ پڑھاتے تھے بلکہ صحابہؓ کو حکم دیتے تھے، کہ وہ پڑھ لیں، حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ ایک جنازہ آیا، آپؐ نے اس کے بارے میں پوچھا کیا اس پر قرض ہے، عرض کیا گیا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا ''اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو'' حضرت ابوقتادہؓ نے ادائیگی قرض کی ذمہ داری لی تو پھر آپؐ نے نماز جنازہ پڑھائی[12]۔ اس لیے لازم ہے کہ وصیّت میں قرض کی ادائیگی پر شدت کے ساتھ زور دیا جائے بلکہ لوگوں کے جس قدر حقوق ذمے ہیں، ان کے پورا پورا ادا کرنے کی وصیّت کرے۔ کتب حدیث بخاری و مسلم کتاب الوصایا میں اس بارے میں متعدد احادیث درج ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دفتر تین ہیں ایک کفر جس میں سے اللہ کچھ معاف نہ فرمائے گا، دوسرا وہ جس کی اللہ کو کچھ پرواہ نہیں، یہ بندے کا اپنے ربّ سے معاملے کا ہے کہ بندہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، کبھی روزہ چھوڑ دیا، کبھی نماز، اللہ چاہے تو گرفت کرے چاہے تو معاف فرمادے اور درگزر کردے۔ تیسرا دفتر جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ معاف نہیں فرمائے گا، وہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر (حقوق) ظلم ہیں ان کا بدلہ ضرور ہونا ہے''[13]

اور یہ کہ ''جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین ظلم سے حاصل کرے گا اسے قیامت کے روز سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ نہ اس کے فرض قبول ہوں گے اور نہ نفل''[14]۔ اور یہ کہ ''میری امت میں دراصل وہ شخص مفلس ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے

کر آئے اس حال میں کہ اس نے کسی کو گالی دی ہو، کسی پر تہمت لگائی ہو، کسی کا مال کھالیا ہو، کسی کا خون بہایا ہو، کسی کو مارا ہو، تو اب راضی کرنے کے لیے اس شخص کی نیکیاں ان مظلوموں کے درمیان تقسیم کی جائیں گی اور نیکیاں ختم ہونے کے بعد اگر مظلوموں کے حقوق اس پر رہ جائیں گے تو ان کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے یہاں تک کہ اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا'' [15]

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: ''تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو، تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیّت کرو'' [15]

گویا اپنی وصیّت میں حقدار کو اس کے حق سے محروم نہ کرو کہ یوں بھی قابل عمل نہ ہو گی، البتہ جن رشتہ داروں کا تھوڑا حصہ ہے یا نہیں ہے، اپنے ایک تہائی میں سے انہیں دینے کی بات کرو۔ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیّت جائز نہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ ''حجتہ الوداع کے موقع پر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، اچانک سخت بیمار ہو گیا۔ بس موت کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ رسول اللہؐ نے میری عیادت فرمائی۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا مال بہت ہے اور صرف ایک بیٹی وارث ہے، کیا میں دو تہائی مال کی وصیّت کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کی، آدھے مال کی، فرمایا نہیں۔ میں نے درخواست کی تہائی مال کی؟ فرمایا'' ہاں، تہائی اور چوتھائی بھی بہت ہے۔ اے سعد تم اپنے ورثاء کو خوشحال رہنے دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اس کی بجائے کہ انہیں تنگ دست چھوڑ و اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔ اے سعد! اللہ کی رضا کے لیے جو بھی خرچ کرو گے تمہیں اس کا اجر ملے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی اہلیہ کے منہ میں دو'' (اس کا بھی اجر ہے)۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں'' چنانچہ ایک تہائی جائز قرار پایا'' [16]۔

○ اپنی وصیّت پر دو مسلمانوں کو خواہ وہ اجنبی ہی ہوں گواہ بناؤ، اگر دو مسلمان نہ ملیں تو دو غیر مسلم ہی سہی اس شرط پر کہ ان کی گواہی شک کے موقع پر قابل اعتماد ہو، جیسا کہ رب رحیم کریم نے سورۃ مائدہ کی آیت ۱۰۶، ۱۰۷، اور ۱۰۸ میں فرمایا ہے۔

○ والدین اور قریبی رشتہ دار جو میراث کے شرعاً حقدار ہیں ان کے لیے وصیّت کرنا جائز نہیں اس لیے کہ آیت میراث سے ان کا حکم مستثنٰی ہو چکا ہے۔ رسول اللہؐ نے یہ بات حجتہ الوداع کے موقع پر بڑی وضاحت سے بیان فرمائی تھی کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دیا ہے، لہٰذا کسی وارث کے لیے وصیّت جائز نہیں" ۱۷۔

○ وصیّت کرنے میں کسی پر زیادتی حرام ہے اس طرح کہ کسی وارث کو اس کے حق سے محروم نہ کیا جائے اور کسی کو اس کے استحقاق سے زیادہ نہ دیا جائے۔ ۱۸ اور وصیّت پر عمل کرنا ورثا اور وصی پر فرض ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جبکہ جو وصیّت ہے وہ پوری کر دی جائے اور قرض جو میّت نے چھوڑا ہے وہ ادا کر دیا جائے بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہو، یہ حکم ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ دانا و بینا اور نرم خو ہے" ۱۹۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہ نقصان دینا ہے نہ نقصان برداشت کرنا، جس نے کسی کا نقصان کیا اللہ تعالیٰ اس کا نقصان کرے گا، جس نے کسی کو پریشان کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے پریشان کرے گا" ۲۰۔

○ ظالمانہ وصیّت باطل اور نا قابل قبول ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے ہمارے اس دینی معاملے میں نئی چیز پیدا کی جو درحقیقت اس میں نہ ہو، وہ نا قابل قبول ہے" ۲۱

اس زمانے میں کہ جب لوگوں میں حق کی پہچان ختم ہو رہی ہے، اور لوگ اپنی انا، رسموں اور بدعتوں کا شکار ہیں، خاص طور پر مال وزر اور تجہیز و تکفین میں، ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ وصیّت کر دے کہ اس کی تجہیز و تکفین سنت کے مطابق ہو، اور حقدار کا حق

دیا جائے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرامؓ اس بارے میں وصیت کرتے ہوئے رخصت ہوئے تھے اور جنہوں نے وصیّت کر دی، ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے وصیّت کی حالت میں انتقال کیا اس کا انتقال ٹھیک راستے اور شریعت پر چلتے ہوئے ہوا اور اس کی موت تقویٰ اور شہادت والی موت ہوئی اور اس کی مغفرت ہوگی'' [۲۲]۔

○ امام نوویؒ نے ''الاذکار'' میں لکھا ہے کہ ''مرنے والے کے حق میں یہ بہت بہتر ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو جنازے سے متعلق ہونے والی بدعتوں سے منع کر کے جائے اور یہ بات زور دے کر کہے''۔

○ میّت کے ذمے قرض اتنا ہو کہ اس کی ادائیگی کے بعد ترکہ کچھ باقی نہ رہے تو وصیّت بے کار ہوگی، البتہ قرض خواہ اپنا قرضہ معاف کر دیں تو جو کچھ مال رہ جائے اس کے ایک تہائی میں وصیّت پر عمل ہوگا۔

○ نابالغ یا مجنون کی وصیّت شرعاً باطل اور ناقابل نفاذ ہوگی۔[۲۳]

○ غیر مشروع اور گناہ کے کاموں میں مال خرچ کرنے کی وصیّت بھی باطل اور ناقابل نفاذ ہوگی، خواہ وارث اس خرچہ کی اجازت ہی کیوں نہ دے دیں۔ اسی طرح عاقل و بالغ قاتل کے بارے میں بھی وصیّت ناقابل نفاذ ہوگی [۲۴] تاہم اس میں کچھ ایسی صورتیں بھی ہیں، جن پر عمل ہو سکتا ہے ان کے لیے علماء سے رجوع کیا جائے۔

○ وصیّت کرنے والا جب تک زندہ ہے اسے اپنی وصیّت باطل کرنے، منسوخ کرنے اور تبدیل کرنے کا پورا حق ہے۔ اور اگر وہ ایسا عمل کرے، جس سے وصیّت سے انحراف کا اشارہ ملتا ہو تب بھی وصیّت منسوخ سمجھی جائے گی مثلاً کوئی چیز کسی کو دینے کی وصیّت کی پھر خود استعمال کر لی یا کسی اور کو دے دی البتہ گواہوں کی موجودگی کے باوجود جھوٹ بولا کہ وصیّت کی ہی نہیں تھی تو وصیّت موثر ہوگی اور جھوٹ بولنے کا گناہ ہوگا [۲۵]۔

○ اگر کسی خاص زمین یا مال کے بارے میں وصیّت کی اور بعد میں وہ مال ضائع ہو گیا یا اس کی ملکیت سے نکل گیا تو وصیّت باطل ہو گئی۔[۲۶]

○ میّت نے کسی کو کوئی مال دینے کی وصیّت کی اور اس نے میّت کی موت کے بعد وصیّت کو قبول کرنے اور وہ مال لینے سے انکار کر دیا تو وہ وصیّت باطل ہو جائے گی اور وہ شخص بعد میں اس کا مطالبہ نہیں کر سکے گا[۲۷]۔ یاد رہے وصیّت کا قبول یا رد موت کے بعد ہی معتبر ہو گا۔ وصیّت کرنے والے کی زندگی میں نہیں۔

○ تجہیز و تکفین اور میّت کے ذمے قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو ترکہ بچ رہے، اس میں سے ایک تہائی مال کے بارے میں وصیّت پر عمل لازمی ہو گا اور اگر وصیّت نہ کی ہو تو پھر وہ مال بھی ورثا میں تقسیم ہو جائے گا یا وصیّت کے مطابق خرچہ کرنے کے بعد ایک تہائی مال میں جو باقی بچا وہ ورثا میں تقسیم کیا جائے گا[۲۸]۔

○ ایک سے زیادہ وصیّتوں کی صورت میں ایک تہائی مال میں جس قدر وصیّتیں پوری ہوں، ادا کر دی جائیں باقی چھوڑ دی جائیں، البتہ ورثا میں سے عاقل و بالغ اور حاضر ورثا اپنی خوشی سے اپنے حصے میں سے بقایا وصیّتوں کو پورا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، لیکن نابالغ، دیوانے یا غیر حاضر وارث کے حصے میں سے ان وصیّتوں پر عمل کے اخراجات نہیں لئے جائیں گے[۲۹]۔

○ اگر میّت نے ایک سے زائد وصیّتیں کیں جو تہائی مال سے پوری نہیں ہوتیں تو جو وصیّتیں شرعاً زیادہ ضروری ہیں مثلاً نماز اور روزوں کے فدیہ کی وصیّت بھی کی، اور صدقے کی بھی، تو پہلے نماز اور روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے اسی طرح حج، زکوٰۃ اور فطرہ کی وصیّت کی تو پہلے زکوٰۃ پھر حج پھر فطرہ کی وصیّت پوری کی جائے۔

مالکیہ کے نزدیک حج کرانے کی وصیّت مکروہ ہے کیونکہ حج میں بدنی عبادت کا پہلو غالب ہے اور بدنی عبادت میں نیابت نہیں ہو سکتی لیکن ورثا پر واجب ہے کہ اگر میّت نے

وصیت لی ہے تو ایک تہائی مال میں سے وصیّت کے مطابق حج کرائیں، البتہ اس وصیت پر عمل سے کسی اور وصیّت (جو مکروہ نہ ہو) پر عمل میں خلل پڑتا ہو تو حج کی وصیت کو نظر انداز کر دیا جائے مثلاً میّت نے پچاس ہزار روپے صدقہ کرنے اور حج کرانے کی وصیت کی اور ترکہ صرف پچاس ہزار ہے تو صرف صدقہ کیا جائے حج کو ترک کر دیا جائے۔

حنفیہ کے نزدیک وصیّت کے مطابق حج بدل مقررہ شرائط کے تحت کرایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ ترکہ میں ایسا ممکن ہو، ان شرائط کے بارے میں علماء کرام سے رہنمائی لے لی جائے۔ شافعیہ کے نزدیک وفات یافتہ کی طرف سے ایک تہائی مال میں دیگر فرائض کی ادائیگی کے بعد اگر حج کے لیے ضروری رقم بچ رہے، اور میّت کے ذمے حج فرض باقی تھا تو وصی پر حج بدل کرانا واجب ہے خواہ میّت نے وصیّت نہ کی ہو البتہ نفلی حج اور عمرہ کے لیے میّت کی طرف سے وصیّت ضروری ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جس پر حج واجب تھا، فریضہ حج ادا کرنے سے پہلے وفات پا جائے تو واجب ہے کہ اس کے مال متروکہ سے حج بدل کرانے کا خرچہ نکالا جائے خواہ اس نے اس کی وصیّت نہ کی ہو۔ (فقہ آئمہ اربعہ)

○ اگر سب وصیّتیں برابر درجے کی ہیں، زیادہ ضروری اور غیر ضروری کا فرق نہیں تو جس کی وصیت پہلے کی ہے، اسے پہلے پورا کیا جائے گا، پھر کچھ ترکہ بچ رہے تو دوسری کو پورا کریں ورنہ ترک کر دیں، مثلاً روزے کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت بھی اور نماز کے فدیہ کی بھی تو جو وصیّت پہلے کی، اس پر پہلے عمل کیا جائے، البتہ حج اور زکوٰۃ کی وصیّت کے بارے میں علماء نے زکوٰۃ کو مقدم کرنے پر ترجیح دی، یاد رہے ایسی وصیّتوں میں فرائض شرعیہ کو مقدم تو رکھا جائے گا اور مستحبات کو موخر کر دیا جائے گا۔ البتہ اگر وصیّتیں مال کی افراد میں تقسیم کے حوالے سے ہیں، مثلاً اپنے ایک تہائی مال کی وصیّت زید کے لیے اور پھر اتنے ہی مال کی خالد کے لیے وصیّت کر دی، تو ایسی صورت میں مقدم و موخر کے بجائے مال دونوں میں برابر

تقسیم ہوگا ۳۰؎۔ اس مسئلے میں باریکیاں بہت ہیں اس لیے بوقت ضرورت علماء سے رجوع کیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں نماز روزہ کے فدیہ کے بارے میں جان لیا جائے کہ ہر روز کی نمازیں وتر سمیت چھ شمار ہوں گی اور ہر نماز کا فدیہ از روئے احتیاط دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی، اس طرح ایک دن کی نمازوں کا پورا فدیہ بارہ سیر یا اس کی قیمت ہوگی۔۔۔ ایک روزے کا فدیہ ایک نماز کے فدیہ کے برابر ہوگا اور اس میں رمضان کے روزوں کے علاوہ منّت کے روزوں کا بھی فدیہ دینا ہوگا، زکوٰۃ جتنے مال کی ہو اس کا حساب کرنا ہوگا۔ فرض حج بدل کے لیے میّت کی بستی سے کسی کو حج بدل کے آمدورفت اور قیام و طعام کے ضروری اخراجات ادا کرنے ہوں گے، اگر ایک تہائی ترکہ میں اتنی گنجائش نہ ہو تو جہاں سے کم مصارف آتے ہوں، وہاں سے بھیج دیا جائے، صدقۃ الفطر پورے دو سیر گندم۔ قربانی کے لیے ایک بکرے یا ایک گائے کی قیمت کے ساتویں حصے کے برابر رقم اور رہ گئے سجدہ تلاوت کے لیے ایک نماز کے برابر فدیہ ادا کیا جائے گا۔ (شامی، درمختار وغیرہم)

- غیر مشروع امور مثلاً سوم، چہلم یا سالانہ عرس و برسی وغیرہ یا پکی قبر یا کسی کو اجرت دے کر قرآن برائے ایصال ثواب پڑھانے جیسی وصیّت نا قابل نفاذ اور غیر موثر ہوگی ۳۱؎۔
- اگر کسی کا ایک تہائی ترکہ کفایت کرتا ہو تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ لازمی بدنی و مالی عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی کفارہ، فطرانہ، نذر وغیرہ کے فدیہ کی ادائیگی کی وصیّت کر جائے ورنہ گنہگار رہوگا۔ ۳۲؎
- اگر کوئی شخص مقروض ہے یا کسی کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں یا اسی قسم کے دیگر معاملات جن میں کسی کی حق تلفی کا اندیشہ ہو تو مومن پر لازم ہے کہ ان کے بارے میں تحریری یا زبانی وصیّت کر جائے ورنہ گنہگار رہوگا۔ ۳۳؎
- اگر کسی کے شرعی ورثا غریب ہوں، تو مستحب یہ ہے کہ اپنے تہائی مال سے نماز روزہ

کے فدیہ کے علاوہ صدقہ وخیرات کے بارے میں وصیّت نہ کی جائے۔غریب ورثا کے لیے اپنا مال چھوڑ جانے میں صدقہ وخیرات سے دوگنا اجر ہے[۳۴]۔

○ ایسے لوگوں کو مال دیئے جانے کی وصیّت کرنا مکروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور فسق وفجور میں مبتلا ہوں کیونکہ اگر وصیّت کی گئی اس پر عمل کرنا لازمی ہوگا،لیکن وصیّت کرنے والا گنہگار ہوگا[۳۵]۔

○ وصیّت مرض الموت میں کی جائے یا تندرستی میں،اس کا بہر صورت ایک ہی حکم ہے اور وہ نافذ العمل ہے بلکہ ہر عاقل وبالغ کو رب تعالیٰ نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ مرض الموت سے پہلے اپنا مال وجائیداد خواہ وہ جس قدر بھی ہو،جس شخص کو چاہے خواہ وہ وارث ہو،رشتہ دار ہو،یا اجنبی کو دے سکتا ہے،البتہ اسے یہ مال اپنے باقی مال سے الگ کرکے متعلقہ شخص کے قبضہ میں دینا ہوگا۔بصورت دیگر یہ دینا شرعاً معتبر نہیں ہوگا اور دینے والا ہی مالک شمار ہوگا اور بعداز مرگ اس کے ترکہ میں شمار ہوگا۔[۳۶]

○ مرض الموت،یعنی وہ مرض جس میں انسان کی موت ہوجائے،اس میں مریض کو اپنی جائیداد پر کلی اختیار نہیں رہتا،بلکہ وہ جتنے بھی ہدایا،تحائف دے گا یا صدقہ خیرات دے گا،سب کے سب وصیّت کے حکم میں ہوں گے اور اپنے ترکہ کے تہائی مال سے دے گا۔اور اگر کوئی ہبہ یا ہدیہ یا صدقہ ایک تہائی مال سے زائد کا دے گا تو میّت کے انتقال کے بعد تہائی سے زائد مال اس شخص سے لیا جاسکے گا اور کسی وارث کو بھی تہائی مال سے زیادہ تمام ورثا کی اجازت کے بغیر نہیں دیا جاسکے گا اور نابالغ ودیوانے کی اجازت بھی معتبر تصور نہ ہوگی۔خدا کی راہ میں دینے اور نیک کام میں لگانے کا بھی یہی حکم ہے[۳۷]۔

○ مرض الموت میں جو لوگ بیمار پرسی کے لیے آکر رہتے ہیں،اور کھاتے پیتے ہیں ان کی مریض کے پاس رہنے کی ضرورت ہے تو کوئی حرج نہیں،لیکن اگر ضرورت نہیں اور وہ لوگ وارث بھی ہوں تو ان کو اس مال میں کھانا جائز نہیں جب تک سب وارث راضی

نہ ہوں، البتہ غیر وارث کے لیے ترکہ کے ایک تہائی میں سے خرچ کیا جاسکتا ہے۔

○ مرض الموت میں اپنا قرضہ معاف کرنے کا بھی اختیار نہیں کیونکہ وارث کو اس حالت میں معاف کیا ہوا قرضہ معاف نہیں ہوتا اور غیر وارث کو ایک تہائی مال سے زائد کا قرضہ وارثوں کی اجازت کے بغیر معاف نہیں ہوگا۔ اسی طرح مرض الموت میں یہ اقرار کہ فلاں کا اتنا قرضہ میرے ذمے ہے یا فلاں کے ذمہ اپنا قرض، میں نے وصول کرلیا ہے، اس وقت تک معتبر نہیں، جب تک اس بارے میں پوری تسلی نہ ہوجائے۔ بعینہ مرض الموت میں عورت کا شوہر کو مہر معاف کرنا بھی معتبر نہیں ہوگا۔

○ مرض الموت اس بیماری کو کہتے ہیں جس میں مبتلا ہوکر آدمی دنیا سے رخصت ہو جائے، اور یہ مرض اسی روز سے شمار ہوگا، جس روز وہ اس میں مبتلا ہوا، البتہ کوئی مرض سال بھر سے یا زیادہ عرصہ سے تھا، اس کو ابتدا سے شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ جس روز سے مرض نے شدت اختیار کی اس روز سے شمار ہوگا مثلاً کوئی شخص سال دو سال سے کسی مرض مزمنہ میں مبتلا تھا، اس کے بعد ایک ہفتہ کے لیے مرض شدید ہوگیا اسی میں انتقال ہوگیا تو مرض الموت ایک ہفتہ شمار ہوگا اور اس سے پہلے کے سب معاملات ہبہ، صدقہ وغیرہ جائز اور مثل حالتِ صحت شمار ہوں گے ۳۸۔ جس مرض میں مریض بلاتکلف نماز وغیرہ کے لیے مسجد جاتا تھا، بازار سے ضروریات خرید لاتا تھا، یعنی بستر سے نہیں لگ گیا تھا وہ بھی ابتداء سے مرض الموت شمار نہیں ہوگا۔ ۳۸

○ مریض اگر شدید مرض کے بعد صحت یاب ہوجائے تو اس نے مرض کے دوران جو وعدے کیے تھے، جو تصرفات کیے تھے، وہ سب درست اور مثلِ حالت صحت سمجھے جائیں گے۔ ۳۹ اسی طرح جو شخص پھانسی کی کوٹھڑی میں بند ہے، اس کے صرف اس وقت کو مرض الموت تصور کیا جائے گا، جس وقت اسے قید سے نکال کر قتل گاہ لے جاکر پھانسی دے دی جائے اور اگر کسی روز قتل گاہ سے واپس قید میں لے آئیں تو یہ دن بھی صحت مند کا دن متصور

ہوگا۳۹۔

○ وصیت کرنے والا جس شخص کو اپنی موت کے بعد قرضوں کی ادائیگی، وصیتوں کی تعمیل اور بچوں کے امور کی انجام دہی کے لیے اپنا نائب یا وکیل مقرر کرے اس کو ''وصی'' کہتے ہیں۔ مجوزہ ''وصی'' کو اس شخص کی زندگی میں وصی بننے سے انکار کرنے کا اختیار ہے، اس کی موت کے بعد یہ اختیار نہیں رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو بعض امور میں وصی بنایا بعض کا تذکرہ نہ کیا گیا تو وہ تمام امور میں وصی سمجھا جائے گا، اگر دو وصی مقرر کئے گئے تو دونوں کو مل کر کام کرنا ہوگا البتہ تجہیز و تکفین کے انتظامات اور میت کے اہل و عیال کی فوری ضروریات کو ایک شخص بھی انجام دے سکتا ہے، اسے جائز و معتبر مانا جائے گا۴۰۔ وصی کو تمام ذمہ داریاں خوفِ خدا اور عذاب آخرت کے ڈر سے پوری دیانتداری اور خیرخواہی سے انجام دینی چاہئیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہوگا۴۰۔

حواشی

۱ بخاری کتاب الرضیٰ، مسلم کتاب الذکر
۲ ایضاً
۳ بخاری
۴ سورۃ الشوریٰ: ۴۲
۵ سورہ انشراح: ۶
۶ درمختار، شامی
۷ درمختار، فتاویٰ رضویہ، بہشتی زیور وغیرہ
۸ درمختار، بہشتی زیور، مفید الوارثین
۹ ابن ماجہ، دارمی
۱۰ ابن ماجہ، دارمی
۱۱ ابن ماجہ
۱۲ بخاری، نسائی
۱۳ سنن امام احمد، مستدرک حاکم
۱۴ مسلم، بخاری
۱۵ انوار الحدیث
۱۶ بخاری، کتاب الوصایا
۱۷ ابی داؤد، ترمذی باب وصیت
۱۸ سورہ نساء آیت ۷
۱۹ سورہ نساء: ۱۲
۲۰ مستدرک حاکم

۲۱ بخاری، کتاب الصلح

۲۲ ابن ماجہ، فی الترغیب

۲۳ شامی، درمختار

۲۴ شامی، درمختار

۲۵ مفیدالوارثین

۲۶ مفیدالوارثین

۲۷ شامی، درمختار

۲۸ مفیدالوارثین

۲۹ مفیدالوارثین

۳۰ مفیدالوارثین، شامی، درمختار

۳۱ شامی، درمختار

۳۲ درمختار

۳۳ شامی، درمختار، مفیدالوارثین

۳۴ شامی، درمختار

۳۵ شامی، درمختار

۳۶ مفیدالوارثین

۳۷ درمختار، بہشتی زیور

۳۸ شامی، درمختار، وغیرہم

۳۹ شامی، درمختار، مفیدالوارثین

۴۰ درمختار، مفیدالوارثین

تقسیم میراث

○ تجہیز و تکفین اور تدفین، قرضوں کی ادائیگی، اور ایک تہائی مال کی وصیت کی تعمیل کے بعد میت کے ترکہ میں جو کچھ بچ رہے گا، وہ سب کا سب مال وارثوں کا ہے اور شریعت و قانون کے مطابق ان میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس بارے میں بوقت ضرورت علماء یا ماہرین قانون سے رجوع کیا جائے تاکہ کوئی وارث محروم نہ رہے۔

○ اگر کئی رشتہ دار ایک حادثہ میں اکٹھے ہلاک ہو جائیں اور یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے اور کون بعد میں مرا تو ایسی صورت میں شرعاً یہ سمجھا جائے گا کہ وہ سب بیک وقت ہلاک ہوئے ہیں اس لیے میراث صرف زندہ وارثوں میں تقسیم ہوگی۔

○ مفقودالخبر وارث کا حصہ انتظار کی شرعی مدت تک بطور امانت محفوظ رکھا جائے گا اور مقررہ مدت کے بعد عدالت نے اسے مردہ قرار دے دیا تو امانت رکھا ہوا حصہ بھی میت کے ورثا میں تقسیم ہوگا، مفقود کے ورثا میں نہیں البتہ مفقودالخبر کا اپنا مال اسی کے موجود وارثوں میں تقسیم ہوگا۔

○ میت کے انتقال کے وقت اگر اس کا کوئی وارث بطن مادر میں ہے تو تقسیم میراث اس کی پیدائش تک ملتوی رکھی جائے گی کیونکہ لڑکے اور لڑکی کے حصے مختلف ہیں۔

○ قاتل مقتول کی جائیداد کا شرعاً وارث ہو تو بھی قتل کے باعث شریعت اسے میراث سے محروم کر دیتی ہے بشرطیکہ وہ عاقل و بالغ ہو۔ اسی طرح مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے خواہ باپ بیٹا ہی کیوں نہ ہوں۔

- شریعت کا حکم ہے کہ ترکہ جلد از جلد وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے تا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو اور ورثا بدگمانیوں اور الجھنوں سے بچے رہیں۔
- یاد رکھئے میّت کے قرض ادا نہ کرنے اور جائز وصیّت پوری نہ کرنے سے ورثا گنہگار ہوتے ہیں اور میّت کو بھی جنت میں جانے سے معلق رکھتے ہیں۔
- میّت نے نمازوں اور روزوں وغیرہ کے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت نہ بھی کی ہو، تب بھی ورثا کو چاہیے کہ میّت کا ترکہ فضول رسموں میں اڑانے کے بجائے اپنے حصے سے اور کچھ میّت کی طرف سے فدیہ میں دے دیں تا کہ اسے ثواب پہنچے اور اللہ اس کا عذاب ختم کر دے۔
- میّت کے ترکہ کو ورثا میں تقسیم کرنے کے بجائے میّت کی جائیداد یا میّت کے کاروبار پر کسی ایک کا قبضہ جمانا اور تقسیم میں لیت ولعل کرنا صریحاً گناہ اور ظلم ہے۔ حدیث رسولؐ ہے: ''جو شخص دوسرے کی زمین کا کچھ حصہ ناحق دبا لے تو اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا''[1] اور یہ کہ ''جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو، یا تو وہ اس سے کسی طرح بری ہو جائے، اس دن سے پہلے کہ جس دن اس کے پاس اشرفی ہو گی نہ روپیہ۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو ظلم کی مقدار کے موافق لے لی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ لے کر اس پر لاد دیے جائیں گے''[2] اور یہ کہ ''خبردار (کسی پر) ظلم نہ کرنا۔ کان کھول کر سن لو کہ کسی شخص کا مال (تمہارے لیے) حلال نہیں ہو سکتا''[3] اس لیے بہتر یہی ہے کہ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل کو غنیمت جانیں اور رب عزّ وجل کی گرفت سے بچیں کہ جب وہ پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔
- بعض لوگ بہنوں اور لڑکیوں کو میراث نہیں دیتے، شادی کے موقع پر تحفے تحائف دے کر سمجھتے ہیں کہ ان کا حق ادا ہو گیا۔ حالانکہ اس طرح ان کا حق ختم نہیں ہوتا۔ ان کا حصہ پورا پورا ادا کرنا واجب ہے اور ان کو میراث سے محروم رکھنا حرام اور ظلم ہے۔ بے زبان

بہنوں اور بیٹیوں کا حصہ ہضم کرنے کے لیے جو چالیں بھی چلی جاتی ہیں، از روئے شرع وہ مردود اور باطل ہیں۔ سلامتی اسی میں ہے کہ ان کا حصہ پوری دیانتداری سے ان کے قبضہ میں دے دیا جائے۔ اگر ایسا ظالم دنیاوی عذاب سے بچ بھی جائے تو حساب و کتاب کا متعین دن یقیناً آنے والا ہے جس کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''یقیناً آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے بہت بڑا ہے''۔

○ بیوہ کو نکاح ثانی یا دوسرے قبیلہ سے ہونے کی بنا پر شوہر کی میراث سے محروم کرنا ظلم اور جہالت ہے۔ اسی طرح دلہن کی موت پر اس کے ساز و سامان اور جہیز کی ورثا میں جن میں شوہر اور والدین شامل ہیں، تقسیم شریعت کے مطابق کی جانی چاہیے۔

○ بندوں کے بندوں پر مالی حقوق کے علاوہ غیر مالی حقوق بھی ہیں، روزمرہ کی زندگی میں عزیز و اقارب اور دوست و احباب میں اکثر و بیشتر ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جن سے حقوق واجبہ پر اثر پڑتا ہے اور جس کا حق تلف ہوتا ہے اس کو اذیت ہوتی ہے۔ اس لیے لازمی اور ضروری ہے کہ اپنی زندگی کا جائزہ لے کر اپنی موت سے پہلے ان کا تدارک و تلافی کی جائے۔ صاحب معاملہ سے معافی مانگی جائے اور اللہ تعالیٰ سے ان گناہوں کے لیے ندامت قلب کے ساتھ توبہ و استغفار کی جائے۔ مزید برآں فراخدلی سے کام لیتے ہوئے معذرت خواہ کی معذرت قبول کر لینی چاہیے کہ اللہ و رسول کا یہی حکم ہے۔

حواشی

۱ بخاری ۲ بخاری

۳ بیہقی

موت کی عدّت

○ ''عدّتِ موت'' سے مراد وہ عدّت ہے جو ایک خاتون کو اپنے شوہر کی موت کے بعد اس کے گھر میں بعض قیود و شرائط کے ساتھ گزارنا ہوتی ہے۔

○ شوہر کے انتقال کی صورت میں عدّت کی مدت چار ماہ دس دن ہے، جس کے دوران بیوہ کو شوہر کے گھر میں رہنے کی پابندی ہے، البتہ اگر کوئی خاتون شوہر کی موت کے وقت حمل سے ہے تو عدّت کی مدت بچے کی پیدائش کے ساتھ ختم ہو جائے گی خواہ وہ موت کے چند گھنٹوں بعد ہی پیدا ہو جائے[1]۔

○ شوہر کے انتقال کے وقت اگر بیوی گھر سے دور سفر میں تھی، یا کہیں گئی ہوئی تھی: اسے خبر ملتے ہی شوہر کے گھر واپس آنا چاہیے۔ اسی طرح اگر وہ ناراض ہو کر میکے میں تھی، اور اگر طلاق رجعی کے باعث علیحدگی تھی، تب بھی اسے اپنے شوہر کے گھر آ جانا اور عدّتِ موت پوری کرنا ہوگی اور وہ شوہر کی وارث بھی ہوگی[2]۔

○ عدّت شوہر کی وفات سے شروع ہوگی، خواہ زوجہ کو اس کی اطلاع ملی ہو یا نہ۔ تاخیر سے اطلاع ملنے کی صورت میں اگر تاریخ وفات میں شک ہو تو جس تاریخ کا یقین ہو، اس تاریخ سے عدّت ہوگی اور اگر اتنی تاخیر سے خبر ملی کہ عدّت کے چار مہینے ۱۰ دن پورے ہو چکے ہوں تو عدّت گزر چکی ہے از سرِ نو عدّت نہیں گزاری جائے گی[3]۔

○ انتقال چاند کی پہلی تاریخ کو ہوا ہو تو چاند کے حساب سے چار ماہ دس دن پورے کرنا ہوں گے۔ اگر کسی اور تاریخ کو ہوئی تو ہر مہینے کے تیس دن لگا کر چار ماہ دس دن پورا کرنا

ہوں گے اور جس وقت وفات ہوئی، اسی وقت عدّت ختم ہو جائے گی۔ ۴

○ اسقاطِ حمل کی صورت میں اگر حمل کا کوئی عضو مثلاً ناک، کان یا انگلی وغیرہ بن گیا تھا، تو اسقاط کے ساتھ ہی عدّت ختم ہو گئی لیکن کوئی عضو نہ بنا تھا صرف لوتھڑا یا گوشت کا ٹکڑا تھا، تو اسے عدّت چار ماہ دس دن پورا کرنا ہوگی ۵۔

○ طلاق بائن یا خلع یا کسی اور طرح نکاح ٹوٹ جانے کی صورت میں عدّت موت نہیں بلکہ عدّتِ طلاق پوری کرنا ہوگی اور عورت ترکہ میں حصہ دار نہ ہوگی۔ البتہ طلاق بائن عورت کی مرضی کے بغیر دی تھی، تو عدّت موت یا عدّت طلاق جس میں زیادہ دن لگیں عورت وہ پورے کرے گی اور شوہر کی وارث ہوگی۔ ۶

○ عدّت کے دوران میں عورت گھر میں جس طرح اور جہاں چاہے رہے، کسی خاص جگہ تک پابند رہنا خلافِ اسلام ہے۔ ۷

○ عدّتِ موت میں عورت نان ونفقہ کے اخراجات شوہر کے ترکہ میں اپنی شرعی حصے سے پورا کرے۔

○ عدّت موت میں نہ تو بیوہ بلاضرورت گھر سے نکلے گی نہ دوسرا نکاح کرے گی نہ بناؤ سنگھار، کہ یہی سوگ ہے اور سوگ مسلمان عاقل و بالغ عورت پر واجب ہے، کافر یا مجنون یا نابالغہ پر نہیں البتہ گھر سے نکلنا اور دوسرا نکاح کرنا ان کے لیے بھی روا نہیں۔ ۸

○ عدّت میں خوشبو لگانا، کپڑے یا بدن میں خوشبو لگانا، زیور گہنا پہننا، پھول اور چوڑیاں سجانا یا پہننا، سرمہ، مسّی، مہندی کا استعمال اور سر میں تیل ڈالنا، کنگھی کرنا، ریشمی اور چمک دار رنگیلے کپڑے پہننا حرام ہے۔ البتہ سر دھونا، نہانا اور بوقت ضرورت کنگھی کرنا جائز ہے۔ لیکن کنگھی موٹے دانے والی استعمال کی جائے گی ۸۔

○ اگر وقت میت گھر میں زینت دار اور تیز شوخ کپڑے ہوں تو بہتر ہے کہ فوری طور پر معمولی کپڑے حاصل کر کے پہنے اور زینت کا کبھی قصد نہ کرے۔ عدّت گزر جانے کے

ساتھ یہ پابندیاں ختم ہو جائیں گی۔

○ حدیث رسول ﷺ ہے کہ کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی کا سوگ منائے سوائے بیوہ کے، کہ اس کے سوگ کی مدت چار ماہ دس دن ہے[11]۔

○ سر میں جوئیں پڑنے یا سر درد کے باعث تیل لگانے کی ضرورت پڑے تو سادہ تیل استعمال کرے اور دوا کے طور پر سرمہ استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو رات کو استعمال کرے دن میں دھو ڈالے۔ خارش وغیرہ کے باعث ریشمی کپڑا پہننے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ زینت کے لئے نہ ہو۔[12]

○ عدت کے دوران گھر سے نکلنا جائز نہیں البتہ عورت اتنی غریب ہے کہ معاش کے بارے میں فکر ہے اور وہ ملازمت کرتی ہے تو دن میں باپردہ گھر سے نکلنے کی اجازت ہے لیکن کام سے فارغ ہوتے ہی گھر واپس آجائے۔[13]

○ عدت میں سفر جائز نہیں خواہ حج کا ہی کیوں نہ ہو، البتہ مجبوری کے وقت سفر کرنا پڑے تو اجازت ہے، بشرطیکہ رات کو اپنے گھر آجائے یا دور کا سفر ہے تو محرم کو ساتھ لے کر جائے۔ بیمار عورت کے لئے گھر پر معالج بلانا ممکن نہ ہو تو وہ اس غرض سے ہسپتال میں داخل ہو سکتی ہے یا دور کا سفر اختیار کر سکتی ہے بشرطیکہ محرم ہمراہ ہو۔

○ شوہر کی وفات کے بعد اگر اسے کسی مجبوری، مثلاً کرایہ یا ورثا کے عدم تعاون وغیرہ کے سبب مکان بدلنا پڑے تو قریبی علاقہ میں منتقل ہونے کی اجازت ہے۔ اسی طرح عورت تنہا ڈرتی ہو اور کوئی قابل اطمینان شخص ساتھ رہنے والا نہ ہو، یا مکان آسیب زدہ ہو یا کوئی اور سبب جس پر اس کا [illegible] ہو تو ان اسباب کے باعث کسی محفوظ مکان میں جو پرانے مکان کے قریب ہی ہونا چاہیئے وہ [illegible]ت بدل سکتی ہے۔

○ سوگ میں چوڑیاں پہننا جائز نہیں اس لئے شوہر کی وفات کے وقت چوڑیاں پہن رکھی ہوں تو انہیں توڑنے کے بجائے اتار کر محفوظ کر لیں تاکہ بعد میں استعمال ہو سکیں۔

○ دورانِ عدّت شادی بیاہ کی تقریبات یا علاج معالجہ کے لیے خاتون کا باہر نکلنا جائز ہے۔

○ عدّت کے ختم ہونے پر اردگرد سے عورتوں کا جو جمگھٹا بیوہ کو عدّت سے نکالنے کے نام سے جمع ہوتا ہے فضول اور عبث بلکہ گناہ ہے عدّت پوری ہونے کے ساتھ ہی بیوہ عدّت سے نکل آتی ہے۔

○ عدّت کے اندر منگنی نہ ہی نکاح جائز ہے البتہ عدّت کے بعد بیوہ کا دوسرا نکاح کر دینا مستحب ہے۔

حواشی

١ عالمگیری، امداد الفتاویٰ

٢ شامی

٣ شامی، بہشتی زیور، درمختار

٤ معارف القرآن، بہشتی زیور

٥ شامی

٦ شامی

٧ شامی

٨ شامی و بہشتی زیور

٩ شامی و بہشتی زیور

١٠ ایضاً

١١ ترمذی

١٢ ہدایہ، عالمگیری وغیرہ

١٣ امداد الفتاویٰ، شامی، بہشتی زیور

١٤ امداد الفتاویٰ

زیارۃ القبور

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

○ ''قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ تمہیں آخرت یاد دلاتی ہیں''[1] اور ''وہ دنیا سے بے پرواہ کرتی ہیں''[2] کیونکہ ''وہ موت یاد دلاتی ہیں، دل کو نرم کرتی اور آنکھوں میں آنسو لاتی ہیں''[3] اور یہ کہ ''اپنے فوت شدگان کے پاس آیا کرو ان کو سلام کیا کرو، اور ان کے لیے دعا کیا کرو کیونکہ تمہارے لیے ان میں عبرت ہے''[4]۔ گویا زیارۃ القبور کا فلسفہ صرف یہ ہے کہ زندہ انسان ان کو دیکھ کر عبرت پکڑے اور موت کو یاد کرے۔

○ ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے کُھل کر ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''اگر تم لذتوں کو توڑنے والی موت کو یاد کرتے تو اس سے رک جاتے جس میں، میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ لذتوں کو توڑنے والی موت کا ذکر اکثر کیا کرو۔ اس لیے کہ ہر روز قبر اعلان کرتی ہے کہ میں مسافر کا گھر ہوں۔ میں مٹی اور کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں۔ جب مومن بندہ دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہتی ہے کہ زمین پر چلنے والوں میں سب سے زیادہ میرے نزدیک محبوب تو تھا۔ آج جب کہ تیرا معاملہ میرے سپرد کیا گیا ہے، عنقریب تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ جہاں تک مومن بندے کی نگاہ جاتی ہے، وہاں تک اس کی قبر وسیع ہو جاتی ہے، اور جنت کی طرف اس کے لیے ایک دروزاہ کھول دیا جاتا ہے۔ جب کافر یا فاجر دفنایا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تیرے لیے خوش آمدید والی کوئی بات نہیں۔ زمین پر چلنے والوں میں سب سے زیادہ مبغوض میرے نزدیک تو ہی

تھا۔ آج کے دن جب تیرا معاملہ میرے سپرد کیا گیا ہے تو عنقریب دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں، پھر قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی دونوں جانب کی پسلیاں مل جاتی ہیں''۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اس طرح فاجر کی پسلیاں مل جاتی ہیں، پھر اس پر ستر اژدھے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک زمین پر پھونک مار دے تو رہتی دنیا تک اس میں کچھ نہ اُگے۔ پھر وہ اس کو کاٹتے اور نوچتے ہیں یہاں تک کہ اسے حساب کے لیے اٹھایا جائے گا''۔ پھر رسول اللہؐ نے فرمایا: ''بے شک قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے''۵۔

○ حضرت علیؓ جنگِ صفین کے بعد واپس آئے تو قبرستان کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے: ''اے ڈراؤنے شہر! اے ویران مکان! اے تاریک قبروں اور خاک کے رہنے والو! اے مسافرو اور تنہائی اور وحشت کے مقامات کے باشندو! تم ہمارے سے پہلے پہنچ گئے۔ ہم تمہارے بعد آنے اور تم سے ملنے والے ہیں۔ مکان آباد ہو گئے۔ بیویاں بیاہ دی گئیں۔ مال تقسیم ہو گئے۔ یہ خبر ہم نے سنائی۔ تم سناؤ، تمہارے پاس کیا خبر ہے؟'' پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا ''اگر انہیں بولنے کی اجازت مل جائے تو تمہیں بتائیں کہ بہترین سفر سامان تقویٰ ہے''٦۔

○ حضرت عثمان غنیؓ جب کسی قبر کے قریب کھڑے ہوتے تھے تو اس قدر روتے تھے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو جاتی (اور اس کا سبب وہ یہ بتاتے تھے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، اس سے نجات مل گئی تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے آسان ہوں گی اور اگر اس سے نجات نہ ملی تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی

فرمایا کہ قبر سے بڑھ کر خوفناک منظر کبھی میں نے نہیں دیکھا ہی نہیں ہے۔

○ حضرت علیؓ سے قبرستان میں زیادہ دیر ٹھہرے رہنے کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ''میں قبر والوں کو بہترین پڑوسی پاتا ہوں۔ میں قبر والوں کو سچا پڑوسی جانتا ہوں، کیونکہ وہ زبانوں کو ہمیشہ (بدگوئی اور بدکلامی سے) روکے رکھتے ہیں اور آخرت کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں نے کبھی قبر سے بڑھ کر خوفناک منظر نہیں دیکھا'' ۸۔

○ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اکثر قبرستان میں بیٹھتے تھے اور اس کا یہ سبب بتاتے تھے کہ ''میں ایسی قوم کے پاس بیٹھتا ہوں جو مجھے آخرت کی یاد دلاتی ہے اور جب میں ان لوگوں سے غائب ہو جاتا ہوں تو یہ لوگ میری غیبت نہیں کرتے'' ۸۔

○ حضرت امام جعفر صادق ؒ رات کو قبرستان میں تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ ''اے قبر والو! کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو پکارتا ہوں، تو تم لوگ کوئی جواب نہیں دیتے ہو۔ افسوس! کہ میرے اور تمہارے درمیان ایسا حجاب آ گیا ہے لیکن آئندہ میں بھی تمہارے ہی جیسا ہونے والا ہوں''۔ آپ یہی کلمات دہراتے رہتے یہاں تک کہ صبح صادق نمودار ہوتی اور آپ نماز فجر کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے'' ۸۔

○ مشہور محدث حضرت یزید رقاشی ؒ قبروں کے پاس جا کر کہتے کہ ''اے قبر کے گڑھے میں دفن ہو جانے والو! اور اے تنہائی میں رہنے والو! اور زمین کے اندرونی حصے سے اُنس رکھنے والو! کاش مجھے خبر ہو جاتی کہ میں تمہارے کون سے اعمال پر خوشخبری حاصل کروں؟ اور میں تم سے کون سے بھلائی پر رشک کروں''۔ یہ فرما کر آپ اس قدر روتے کہ آنسوؤں سے آپ کا عمامہ بھیگ جاتا۔ آپ اتنے زور سے روتے تھے جیسے بیل چیخا کرتا ہے ۸۔

○ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہم عصر محدث اور فقیہ حضرت سفیان ثوریؒ کہا کرتے تھے

کہ ''جو مسلمان بکثرت قبروں کا تذکرہ کرتا ہے وہ اپنی قبر کو جنت کا باغ پائے گا اور جو قبروں کے ذکر اور ان کی یاد سے غافل رہے گا وہ اپنی قبر کو جہنم کا گڑھا پائے گا'' [۸]۔

○ جلیل القدر محدث حضرت صالح مُرّی کبھی کسی قبر کو دیکھ لیتے تھے، تو دو دو دن تک حیران و پریشان رہتے۔ کھانا پینا چھوڑ دیتے اور بالکل خاموش رہا کرتے تھے [۹]۔

○ ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبر کے قریب بیٹھے ہوئے ارشاد فرمایا: ''قبر روزانہ اتنی بھیانک آواز میں پکارتی ہے۔ اے ابن آدم! تم مجھے بھول گئے ہو۔ میں تنہائی کا گھر ہوں اور وحشت کا مقام ہوں۔ میں کیڑے مکوڑوں کا مکان ہوں، میں تنگی و مصیبت کی جگہ ہوں ان خوش نصیبوں کے علاوہ جن کے لیے خدائے رحمٰن ورحیم وکریم مجھ کو کشادہ کر دے۔ میں سارے انسانوں کے لیے ایسی ہی تکلیف دہ ہوں اور وسیع!۔ پھر فرمایا ''قبر یا تو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے'' [۱۰]۔

○ حضرت یزید بن شرتح ؒ نے قبر سے یہ آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے کہ ''اے لوگو! تم ہم جیسوں کی زیارت کو آئے ہو۔ ہم بھی تمہاری طرح تھے اور زندگی میں تمہاری شکل کے تھے۔ اب اس جنگل میں ہماری شکلیں ہوا کے ساتھ اڑ رہی ہیں اور ہم ایک کوٹھڑی میں ہیں۔ تمہارے پاس نہیں آسکتے۔ اب ہم میں سے کوئی لوٹ نہیں سکتا۔ اب یہی گھر تمہارا ٹھکانے بننے والا ہے۔'' [۱۱]

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان کی زیارت (قبر) کو پہنچتا ہے تو وہ (صاحبِ قبر) اس سے انس حاصل کرتا ہے اور اس کی باتوں کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے یعنی اس شخص کے اُٹھ کر جانے تک صاحبِ قبر کی یہی حالت رہتی ہے۔'' [۱۱] نیز یہ کہ ''میت کو سب سے زیادہ انس اس شخص سے ہوتا ہے جو اس کا دنیا میں بہترین دوست ہو'' [۱۱]۔ مزید فرمایا ''جب کوئی اپنے جاننے والے

شخص کی قبر سے گزرتا ہے تو اس کو سلام کرتا ہے تو قبر والا اس کو جواب دیتا ہے۔ نیز پہچان کر اسے سلام کرتا ہے''[۱۲]۔

○ حضرت ابورزینؓ نے عرض کی کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ (اہل قبور) سنتے ہیں'' تو فرمایا: ''سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے'' پھر فرمایا کہ ''اے ابورزینؓ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے بجائے انہی کی تعداد میں فرشتے تم کو جواب دیں'' (اور جواب نہیں دے سکتے سے مراد ایسا جواب ہے، جس کو انسان اور جنات نہیں سن سکتے ورنہ وہ جواب ضرور دیتے ہیں)''[۱۲]۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد سے واپسی پر حضرت مصعب بن عمیرؓ اور ان کے ساتھیوں کی قبر پر ٹھہرے اور فرمایا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ کے نزدیک زندہ ہو۔ تو اے لوگو! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، قیامت تک ان پر جو سلام کرے گا یہ جواب دیتے رہیں گے''[۱۳]۔

عورتوں کا قبرستان جانا

○ عورتوں کے لیے بھی بعض علماء کرام نے زیارت قبور کو جائز بتایا ہے۔ اور ایسی عورتوں کے لیے مستحب مانا ہے کہ جن کے باہر جانے سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، لیکن قبروں کی زیارت کے لیے عورتوں کے نکلنے سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، لہٰذا قبروں کی زیارت کے لیے عورتوں کا جانا حرام ہے۔ اس پر حنفیہ اور مالکیہ کا اتفاق ہے۔ حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ زیارت قبور کے لیے عورتوں کا جانا مطلقاً مکروہ ہے، اور اگر کسی فتنہ پیدا ہونے کا احتمال ہو تو حرام ہے، البتہ سلفی حضرات عورتوں کو شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے قریبی عزیز کی قبر پر جانے کی اجازت دیتے ہیں لیکن وہ بھی کبھی کبھار۔ مگر جو عورتیں اکثر قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں، وہ اس حدیث کی زد میں آتی ہیں۔ ''بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت فرمائی ہے''[۱۴]۔ اور امام قرطبیؒ کا یہی قول ہے۔

دُرّالمختار میں ہے کہ عورتیں عزیزوں کی قبور پر جائیں گی تو جزع فزع کریں گی، لہٰذا ممنوع ہے اور صالحین کی قبروں پر برکت کے لیے جائیں تو بوڑھیوں کے لیے حرج نہیں اور جوان عورتوں کے لیے ممنوع ہے۔ جن علماء نے روا رکھا ہے، ان کے نزدیک بھی ضروری ہے کہ ان مواقع پر بے پردگی نہ ہو، فاسقوں اور ناخدا ترسوں کا مجمع اور اختلاط مرد و زن نہ ہو، بے باک و بے لحاظ عورتیں موجود اور رقص و مزامیر نہ ہوں۔

مولانا احمد رضا خاں نے اس حوالے سے بحث کرتے ہوئے فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں لکھا ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین، جمعہ بلکہ عام نماز میں عورتوں کو شرکت کی اجازت دی ہے اور کچھ عرصہ کی ممانعت کے بعد قبروں پر جانے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی لیکن جب حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے یکسر روکا اور عورتیں ام المومنینؓ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کی شکایت لے گئیں تو ام المومنین نے فرمایا ''اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرور انہیں مسجد سے منع فرما دیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئی تھیں ۱۵۔ تو جب قرن اولیٰ میں یہ صورت حال ہوئی تو اب تو اس سے بھی زیادہ شدت سے خواتین کو مسجدوں میں جانے سے منع ہونا چاہیے، اور جب مسجدوں میں نہیں جا سکتیں تو قبروں پر جانے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے چنانچہ عمدۃ القاری شرح بخاری، ج ۴، ص ۸۷ میں ہے ''عورتوں کے لیے زیارت قبور مکروہ ہے بلکہ اس زمانے میں حرام ہے''۔ اور غنیۃ میں امام شعبی سے نقل کیا گیا ہے کہ ''امام قاضی سے استفتا ہوا کہ عورتوں کا مقابر پر جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا: ایسی جگہ جواز عدم جواز نہیں پوچھتے۔ یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے۔ جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے، اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے، جب گھر سے باہر نکلتی ہے۔ سب طرفوں سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں۔ جب قبر تک پہنچتی ہے، میّت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے، جب واپس آتی ہے اللہ کی لعنت میں

ہوتی ہے۔[16]

○ قبرستان میں مرحومین کے لیے دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانا جائز ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد مرتبہ تین بار ہاتھ اٹھا کر دعا کی[17]۔

ارواح سے توسّل

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسا اشارہ نہیں ملا اور نہ صحابہ کبار رضوان اللہ اجمعین سے آثار ملے ہیں کہ جن سے ثابت ہو کہ اہل قبور حاجات کو پوری کرنے کی استطاعت وصلاحیت رکھتے ہیں، جبکہ آج کل مسلمانوں میں اہل قبور کے بارے میں عجیب تصورات رائج ہو چکے ہیں۔ البتہ حنفیہ کا ایک گروہ بزرگوں کے مزار پر فاتحہ کے بارے میں یہ رویہ رکھتا ہے کہ مزارات شریفہ پر متوسط آواز میں بادب سلام کرنے کے بعد درودِ غوثیہ تین بار، الحمد شریف ایک بار، آیۃ الکرسی ایک بار، سورہ اخلاص سات بار، پھر درود غوثیہ سات بار اور وقت فرصت دے تو سورہ یٰسین اور سورہ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل سے اس کے کرم کے حوالے سے اس قرأت پر طلب ثواب کی دعا کرے اور پھر اسے صاحب قبر کی نذر کرتے ہوئے اپنا مطلب جائز وشرعی کے لیے صاحب قبر کو وسیلہ قرار دیتے ہوئے دعا کرے[18]۔ کشف الغطاء میں ہے استمداد سے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی مختصر یہ کہ یہ طبقہ ارواح اولیاء کو حاجت روا اور مشکل کشا جانتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی صالحین اور اولیاء اللہ سے زندگی میں اور بعد موت دونوں صورتوں میں توسل اور دعا طلبی کو مشروع قرار دیتے ہیں[19]۔ البتہ وہ توسل واستمداد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا خدا سے دعا کرتا ہے اور اس بندہ مقرب کی روحانیت کو وسیلہ بناتا ہے یا اس بندہ مقرب سے عرض کرتا ہے کہ اے اللہ کے بندے اور اس کے دوست میری شفاعت کیجیے اور خدا سے دعا کیجیے۔ میرا مطلب مجھے عطا فرمادے اور ان کے نزدیک ایسی دعا میں شرک کا کوئی شائبہ نہیں[20]۔ جبکہ علماء کا ایک دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ

بزرگان قبور کو خطاب بہ طلب دعائے حاجت روای کرنا خالی از شائبہ وشرک نہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اعانت واستمداد کے معاملے میں احتیاط سے کام لیا جائے اور کسی سے دعا کے لیے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ صاحب قبر کو اس کے نفع ونقصان کا مکمل اختیار ہے کیونکہ یہ اعتقاد رکھنا معناً شرک ہے۔

○ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نزدیک استمداد اور استعانت کا انداز یہ ہونا چاہیے ''اے میرے حضور (پیر مرشد)! میں فلاں کام کے لیے بارگاہ الٰہی میں التجا کر رہا ہوں۔ آپ بھی دعا وشفاعت سے میری امداد کیجیے'' [۲۱]۔

○ ''جامع البرکات میں ہے کہ اولیاء اللہ کو کائنات میں کرامات وتصرفات کی قوت حاصل ہے اور یہ قوت ان کی روحوں کو بھی ملتی ہے تو روحیں جب بعد وفات بھی زندہ رہتی ہیں تو یہ قوت بھی باقی رہتی ہے''۔

علامہ صاویؒ نے لکھا ہے ''اولیاء اللہ کے مقابر کی زیارت کرنے والوں کو اس خیال سے کافر کہنا کہ زیارت قبور غیر اللہ کی عبادت ہے، یہ بالکل کھلی ہوئی گمراہی ہے، اولیاء کرام کی قبروں کی زیارت ہرگز ہرگز غیر اللہ کی عبادت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے بارے مین محبت رکھنے کی نشانی ہے [۲۲]۔

○ قبرستان میں مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کرنا سنت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان اس لیے بھی جاتے تھے کہ مرحومین کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں [۲۳]۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں جس طرح زندہ انسان کھانے پینے کے محتاج ہیں، اسی طرح مردے دعا کے انتہائی محتاج ہوتے ہیں۔

○ مولانا احمد رضا خاںؒ نے فتاویٰ رضویہ میں بزرگوں کے مزارات پر حاضری کے بارے میں لکھا ہے کہ پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے پر مواجہہ میں کھڑے ہو کر دعا کرے اور سلام وایصال ثواب دیر تک کرنا چاہے تو روبقبلہ ہو کر بیٹھ

جائے اور پڑھتا رہے۔ بعض کے نزدیک سلام کے بعد قبلہ کی طرف پشت اور میّت (قبر) کی جانب منہ کر کے جتنا ہو سکے قرآن شریف پڑھ کر میّت کو ثواب پہنچا دے جبکہ حنابلہ کے نزدیک دعا کرتے وقت کعبے کی طرف رخ کرے اس لیے کہ نبی کریمؐ نے قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ حاشیہ الطحطاوی میں منقول ہے کہ میّت کے سر کی طرف منہ کر کے سلام کہے۔ نہ قبر پر ہاتھ پھیرے نہ اس کو چھوئے اور نہ ہی اس کو چومے کیونکہ یہ نصاریٰ (عیسائیوں) کی عادت ہے۔

قبر کو بوسہ دینا

○ قبر کو ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے، طواف بالاتفاق ناجائز اور سجدہ حرام ہے کیونکہ طواف خصوصیات کعبہ سے ہے اور سجدہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہے البتہ علماء کی ایک بہت مختصر جمعیت، مشائخ اور صلحا اور والدین کی قبر کو بوسہ دینے کی اجازت دیتی ہے۔ اسی طرح حنفیہ کا ایک طبقہ خواص کو بزرگوں کے مزارات اور مقابر کی چوکھٹ وغیرہ کو بوسہ دینے کا قائل ہے اور ہاتھ باندھے الٹے پاؤں لوٹنا ان کے نزدیک ایک طرز ادب ہے۔ تاہم وہ بھی عوام کو مقابر و مزارات کو بوسہ دینے سے منع کرتا ہے اور اس پر سخت تنبیہ کرتا ہے[۲۴]۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر شب میں بقیع تشریف لے جاتے تھے اور اہل قبور سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے: "سلام تم پر اے ان گھروں والے مسلمانو! اب تم کو وہ ملا چاہتا ہے جس کا تم سے وعدہ ہے، تمہاری معیاد کل کا دن ہے اور خدا چاہے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں" [۲۵]۔ اور "تم پر سلام ہو اے فانی ارواح اور بوسیدہ اجسام اور ٹوٹی ہوئی ہڈیو! جو دنیا سے خدا پر ایمان کے ساتھ نکلے، اے اللہ ان پر اپنی جانب سے آسائش اور ہماری طرف سے سلام پہنچا" [۲۵]۔

ایصال ثواب

○ قرآن مجید میں ایصال ثواب سے متعلق متعدد آیات موجود ہیں۔ سورہ حشر میں

ہے ''اور جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب کریم و رحیم ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے'' ۲۶۔

علامہ جلال الدین سیوطی شافعیؒ لکھتے ہیں اس امر پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ بے شک دعا میّت کو نفع دیتی ہے ۲۷۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

○ ''جو قبرستان میں داخل ہو اور سورہ یٰسین پڑھے تو اللہ تعالیٰ تمام قبر والوں سے تخفیف (آسانی) فرماتا ہے اور اس پڑھنے والے کو بقدر ان کی گنتی کے نیکیاں عطا فرماتا ہے'' ۲۷۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ''ہم اپنے فوت شدہ لوگوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں، ان کی طرف سے صدقہ دیتے اور حج کرتے ہیں کیا یہ ان تک پہنچتا ہے'' ارشاد فرمایا: ''یہ ان تک پہنچتا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی شخص ہدیہ (تحفہ) ملنے پر خوش ہوتا ہے'' ۲۸۔

○ ''جو شخص قبرستان سے گزرا اور اس نے سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھی اور اس کا ثواب مردوں کو بخشا تو ان کی تعداد کے برابر اس کو اجر و ثواب ملے گا'' ۲۹۔

○ ''جو شخص قبرستان جائے پھر ایک مرتبہ سورہ الفاتحہ، سورہ اخلاص اور سورہ التکاثر پڑھ کر کہے (یعنی یوں دعا کرے): اے رب رحیم و کریم! جو کچھ میں نے تیرے کلام سے پڑھا ہے، اس کا ثواب میں نے ان قبروں والے مومنین اور مومنات کو بخشا تو وہ تمام مردے اللہ کی بارگاہ میں اس کی سفارش کرتے ہیں'' ۳۰۔

○ ''جب کوئی مومن آیۃ الکرسی پڑھے اور اس کا ثواب اہل قبور کو بخشے تو اللہ تعالیٰ مشرق سے لے کر مغرب تک ہر مومن کی قبر میں چالیس نور داخل فرماتا ہے اور جس مومن نے آیۃ الکرسی کی تلاوت کی اس کو اللہ تعالیٰ ساٹھ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا ثواب عطا فرماتا ہے اور تمام میّتوں کی گنتی کے برابر اس کے درجات بلند فرماتا ہے۔ اور ہر میّت

کے برابر اس کو دس نیکیاں عطا فرماتا ہے[۳۱]۔

○ حضرت ابوالدرداءؓ یوں دعا کرتے تھے کہ ''اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں ہر ایسے عمل سے جو میرے مُردوں کے لیے رنج وغم کا باعث بنے''[۳۲]۔

والدین کی قبر پر جانا

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

○ ''جو اپنے ماں باپ دونوں یا ایک کی قبر پر ہر جمعہ کے دن زیارت کو حاضر ہو، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا لکھا جائے گا''[۳۳]

○ ''جو شخص بروز جمعہ اپنے والدین دونوں یا ایک کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے قریب سورہ یٰسین پڑھے بخش دیا جائے گا'[۳۴]۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سورہ یٰسین کے جتنے حروف ہیں ان سب کی گنتی کے برابر اللہ تعالیٰ اس کے لیے مغفرت فرمائے گا''[۳۵]۔

○ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ''جو بہ نیت ثواب اپنے والدین دونوں یا ایک کی قبر کی زیارت کرے تو حج مقبول کے برابر ثواب پائے اور جو والدین یا ایک کی زیارت قبر بکثرت کیا کرتا ہو فرشتے اس کی قبر کی زیارت کو آئیں''[۳۶]۔

○ حضرت حسینؓ سے روایت ہے کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو کر کہے ''اے سڑے ہوئے جسموں اور بکھری ہوئی ہڈیوں کے رب، جو دنیا سے بحالت ایمان نکلے تو ان پر رحم فرما اور ان کو میرا اسلام پہنچا'' تو حضرت آدمؑ سے لے کر اس وقت تک جتنے مومن انتقال کر چکے ہیں سب اس کے لیے دعائے مغفرت کریں گے''[۳۷]۔

○ مرقاۃ المفاتیح میں حضرت احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ جب تم قبرستان جاؤ تو سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر ان کا ثواب قبرستان والوں کو پہنچاؤ کیونکہ قرآن

پڑھنے کا ثواب ان کو پہنچتا ہے اور یہ کہ مدینہ طیبہ کے انصار صحابہ کرام کا یہ طریقہ تھا کہ ان کا کوئی شخص بھی جب فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر اکثر آتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے یعنی اس کا ثواب صاحب قبر کو پہنچاتے تھے۔

○ احادیث و آثار سے زیارۃ القبور کے دو فائدے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ زیارت کرنے والا موت اور مردوں کو یاد کر کے فائدہ اٹھاتا ہے کہ انجام کیا ہے؟ جنت یا جہنم۔ اور اپنی عاقبت سنوارنے کی فکر کرتا ہے دوسرا یہ کہ میّت کو زائر کے سلام، دعا، استغفار کرنے اور قرآن مجید کی تلاوت سے فائدہ ہوتا ہے۔

○ زیارۃ القبور کے لیے جائیں تو اول تمام اہل قبور کو سلام کہیں پھر تمام مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ پھر والدین یا رشتہ داروں، عزیزوں کی قبر پر الگ الگ دعا کریں تو حسن ہے۔ ۳۸؎

○ قبروں کی زیارت عبرت حاصل کرنے اور آخرت کی یاد دلانے کی غرض سے مستحب ہے۔ خاص طور پر جمعہ کے روز اور اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا ہی ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ زیارت قبور کے لیے خاص دن کی تعیین نہیں ہے، شافعیہ کہتے ہیں کہ جمعرات کو عصر کے وقت سے لے کر ہفتہ کے روز طلوع شمس تک اس کی تاکید ہے۔ مالکیہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ ۳۹؎

حنفیہ کے نزدیک ہر ہفتہ میں ایک دن زیارت کرے۔ جمعۃ المبارک یا جمعرات یا ہفتہ یا پیر کے دن مناسب ہیں۔ سب سے افضل جمعہ کے روز صبح کا وقت ہے۔ شب میں تنہا قبرستان نہ جائے۔ ۴۰؎

○ قبر کی زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ دعا اور زاری اور حصول عبرت اور میّت کے لیے تلاوت قرآن میں لگا رہے کہ اس سے میّت کو اجر ملتا ہے۔ لیکن امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ، امام شافعی اور جمہور اہل علم نے قبرستان میں قرآن پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے اور وہ

اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل لاتے ہیں کہ سرور کائنات ؐ سے ایسا کوئی قول ثابت نہیں۔ اس کے برعکس ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنالو جس گھر میں سورہ بقرہ کی تلاوت ہو وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے''[۴۱] اور ''اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو اور انہیں قبرستان نہ بنا لو[۴۲] سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ قبرستان میں قرآن اور نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ تاہم حنفیہ قبرستان میں قرآن پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہ تلاوت یادداشت سے ہو یا دیکھ کر ہر طرح جائز ہے بشرطیکہ قبر پر نہ بیٹھے اور نہ کسی دوسری قبر پر پاؤں رکھ کر وہاں تک جائے اور اگر اس کے بغیر اپنے مرحومین کی قبر تک نہ جاسکے تو تلاوت کے لیے قبر کے قریب جانا حرام ہے، بلکہ کنارے ہی سے، جہاں تک کسی قبر کو روندے بغیر جا سکتا ہے تلاوت کر کے ایصالِ ثواب کرے۔ اگر اس قبر تک پہنچنے کے لیے کوئی نیا راستہ بنایا گیا ہو تو اس پر چل کر بھی وہاں تک نہ جائے[۴۳]۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ مقابر کے پاس تلاوت قرآن اس نیت سے ہو کہ قرآن کی آواز سے میّت کا دل بہلے گا تو بے شک تلاوت کرے۔

قبرستان میں نماز ادا کرنا

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

○ ''قبروں کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ ہی ان پر بیٹھو''[۴۴]۔ مزید فرمایا ''ساری زمین مسجد ہے سوائے قبرستان اور حمام کے''[۴۵]۔ اور ''نماز کا کچھ حصہ گھروں میں ادا کرو، انہیں قبرستان نہ بنا دو''[۴۶] ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جا رہی ہو''[۴۷] اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے درمیان نماز ادا کرنے سے روکا ہے[۴۸]۔

○ قبرستان میں نماز پڑھنے کی نہی بظاہر ''نماز پڑھنا حرام'' ہونے کی دلیل بنتی ہے۔ امام نوویؒ نے یہی رائے اختیار کی ہے۔ چنانچہ امام مناویؒ فیض القدیر میں اوپر دی گئی پہلی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یعنی قبر کی طرف رخ کرتے ہوئے کیونکہ اس

میں بہت تعظیم ہے۔اس لیے کہ یہ تو معبود حقیقی کا مقام ہے چنانچہ مکمل حدیث نے قبر کو اس کے حقیقی مقام سے گرانے اور خواہ مخواہ عظمت دینے سے بیک وقت منع فرما دیا۔ پھر دوسری جگہ فرمایا ''بلاشبہ یہ مکروہ ہے۔ اگر اس جگہ نماز پڑھنے سے انسان کا ارادہ تبرک حاصل کرنا ہے پھر تو اس نے دین میں بدعت ایجاد کر دی، جس کی اللہ تعالیٰ نے قطعاً اجازت نہیں دی اور مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے''۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ''ہمارے اہل علم کا فتویٰ ہے اگر ظاہر حدیث سے حرمت کا فتویٰ دیا جائے تو کوئی بعید نہیں۔ اس حدیث سے قبرستان میں نماز ادا کرنے کی نہی ثابت ہوتی ہے، چنانچہ یہ فعل حرام کی حد تک ناپسندیدہ ہے''

ہاں! قبرستان میں نماز ادا کرنا اس صورت میں حرام نہیں، جب اس کی عظمت کا ارادہ نہ ہو، ورنہ تو شرک ہے۔ اس حدیث کی شرح میں امام علی القاری حنفی نے مرقاۃ (ج ۲، ص۳۷۲) میں لکھا ہے کہ ''اگر یہ تعظیم قبر یا صاحب قبر کے لیے ہو تو تعظیم کرنے والے نے کفر کیا چنانچہ اس کی مشابہت مکروہ ہے، مناسب یہ ہے کہ اس کا حکم مکروہ تحریمی ہو۔ سامنے رکھا ہوا جنازہ بھی اسی معنی میں ہے بلکہ اس سے بھی قریب تر''

بہر حال حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے قبر ہو تو نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ قبر سامنے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ خشوع کے ساتھ (نظریں جھکائے ہوئے) نماز پڑھنے کی حالت میں نظر قبر پر پڑتی ہو، اگر قبر پیچھے کی جانب یا اوپر ہو جہاں نماز پڑھی جا رہی ہو، اس جگہ اور مقابر کے درمیان کوئی آڑ ہو تو اس کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ کوئی کراہت نہیں بلکہ ایک گروہ مزارات مقدسہ کے قریب مسجدیں بنانے اور ان میں نماز پڑھنے کو روا رکھتا ہے۴۹۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مطلقاً باطل ہے اور قبرستان سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر کم از کم تین قبریں ہوں اور وہ جگہ مردوں کو دفن کرنے کے لیے وقف ہو، اگر وہاں تین قبریں نہیں ہیں بلکہ صرف ایک دو قبریں ہوں تو وہاں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے بشرطیکہ قبر سامنے نہ ہو، قبر سامنے ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قبرستان میں جہاں پر قبریں کھلی ہوئی نہ ہوں نماز مکروہ ہوگی۔ خواہ قبریں پیچھے ہوں یا آگے یا دائیں بائیں جانب یا نیچے کی جانب البتہ شہداء اور انبیاء کے قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ تعظیم کا اظہار مقصود نہ ہو، ایسا ہو تو نماز حرام ہوگی۔ اگر قبر کھلی ہوئی ہو اور کوئی آڑ نہ ہو تو بوجہ موجودگی نجاست کے نماز وہاں درست نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مقبرے پر نماز بلا کراہت جائز ہے۔ بشرطیکہ نجاست سے بچا جا سکے۔ اگر نجاست سے بچنا ممکن نہ ہو تو اس کے مسائل وہی ہیں جو گندگی وغیرہ پھینکنے کی جگہ نماز پڑھنے کے بارے میں ہیں ۵۰۔

قبروں کو مسجد یا میلہ بنانا

○ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ: ''جب (مرض الموت میں) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ جاتی تو اپنا پلو چہرہ مبارک پر ڈال لیتے اور ذرا افاقہ ہو جاتا تو چہرہ انور سے کپڑا ہٹا دیتے۔ اس دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا ہے (عبادت گاہیں)'' ۵۱۔

○ ایک دوسری جگہ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں: ''اگر یہ حکم نہ ہوتا تو آپؐ کی قبر کھلی جگہ بنائی جاتی لیکن اس بات کا خطرہ تھا کہ وہ سجدہ گاہ نہ بن جائے'' ۵۲۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے پروردگار میری قبر کو بت نہ بنا دینا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر لعنت کرے جو انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں ۵۳۔

○ حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف پانچ دن پہلے یہ بات سنی۔ آپؐ نے فرمایا ''تم میرے بھائی اور دوست ہو۔ میں اس بات سے بے زار ہوں کہ تم میں سے کسی کو اپنا خلیل بناؤں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا

تھا، اگر مجھے اپنی امت سے خلیل بنانا ہی ہوتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا۔ یہ بات توجہ سے سن لو۔ تم سے پہلی اقوام اپنے انبیاء کرام اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیتی تھیں۔ خبردار! تم قبروں کو مسجدیں مت بنانا، میں تمہیں اس بات سے منع کر رہا ہوں''[۵۴]۔

○ مزید فرمایا: ''بلاشبہ بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت بپا ہوگی اور وہ لوگ جو قبروں کو مسجدیں بنالیں''[۵۵]۔

○ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کے دوران میں چند امہات المومنین نے حبشہ میں ماریہ نامی کنیسہ کا باہم تذکرہ کیا۔ واضح رہے کہ ام سلمیٰؓ اور ام حبیبہؓ حبشہ جا چکی تھیں۔ ان امہات المومنین نے اس کی خوبصورتی اور تصاویر کا تذکرہ کیا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے تھے۔ پھر اس طرح کی تصویریں بنا دیتے۔ روزِ قیامت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہوں گے''[۵۶]۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا ''خبردار! میری قبر کو میلہ نہ بنا لینا اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا لینا، تم جہاں بھی ہو، مجھ پر درود بھیجا کرو۔ تمہارے درود مجھے پہنچ جاتے ہیں''[۵۷]۔

مذکورہ بالا احادیث میں قبروں کو مسجدیں (عبادت گاہیں) بنانے اور ان پر مسجدیں تعمیر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ قبروں کو میلا بنانے کا مطلب یہ ہے کہ مخصوص اوقات میں سفر کر کے وہاں حاضری دی جائے تاکہ ان قبروں کی یا کسی اور کی عبادت کی جائے۔ حنفیہ کے نزدیک ''قبروں کے اوپر گھر یا مسجد بنانا جائز نہیں اس لیے کہ قبر کی جگہ میت کا حق ہے تو کسی کے لیے اس کی ہوا میں تصرف جائز نہ ہوگا''[۵۸]۔

قبروں کا طواف

وہ طبقہ علماء بھی جو مقابر و مزارات کی تعمیر اور عرس کو روا رکھتا ہے، وہ بھی طواف قبر کو

منع کرتا اور سجدہ کو حرام قرار دیتا ہے۔ علامہ سیوطی نے حافظ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ ان (احادیث) کا معنی یہ ہے کہ نبیوں علیہم السلام کی قبروں پر سجدہ کرنے سے روکا گیا ہے، جب اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں تو صلحا کی قبر پرستی سے وہ کس طرح خوش اور مہربان ہوسکتا ہے''۔ حدیث رسولؐ ''میری قبر کو عید (میلہ) نہ بنالینا'' میں واضح الفاظ میں آپؐ نے اپنی امت کو اپنی قبر پر جشن منانے اور میلے لگانے سے منع فرمایا تو امت کے صلحا کی قبروں پر اس کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔ آپؐ نے دنیا سے تشریف لے جانے سے صرف پانچ دن پہلے فرمایا ''تم سے پہلے جو لوگ تھے، وہ اپنے نبیوں اور علماء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے تھے، تم قبروں کو سجدہ گاہ (مسجد) مت بنانا۔ میں تمہیں اس سے منع کررہا ہوں''۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی انبیاء کی تعلیمات کو نظر انداز کرتے ہوئے صلحا کی قبروں پر عمارات بنائی گئیں تو وہاں شرک کے جھنڈے بلند ہو گئے۔ اسی لیے حضرت علیؓ نے ابوالہیاج اسدیؓ سے اپنے دور خلافت میں کہا کہ کیا تجھے اس کام پر نہ بھیج دوں جس پر رسول اللہؐ نے مجھے بھیجا تھا۔ پھر انہیں یہ بتایا کہ جو بت دیکھو، تصویر دیکھو اس کو مٹادو اور جو اونچی قبر (قبے) دیکھو اس کو بھی مٹادو۔

ملا علی قاری حنفی نے صرف مسجد کی اطراف قبریں بنانے کی اجازت دی ہے۔ حنفیہ کے ایک طبقہ متاخرین نے اس بنا پر بزرگوں کے مزارات پر چڑھاوے بھی روا رکھے ہیں کہ ''وہ نذور مزارات طیبہ کے حضور لائے جاتے ہیں اور بلند مرتبوں کے حضور پیش کرتے ہیں''۵۹۔ اور بزرگوں کی قبر کی جو تعظیم کی جاتی ہے وہ ''تعظیم خشت وگل نہیں بلکہ محبوب کی روح کی تعظیم مقصود ہے اور لوگوں کو دکھایا جاتا ہے کہ یہ مزار محبوب کا ہے اس سے تبرک و توسل کرو کہ تمہاری دعا مستجاب ہو''۵۹۔ اور مقررہ اوقات پر عرس اور مجالس کے انعقاد کے بارے میں ان کا رویہ یہ ہے کہ ''یہ تعینات عادیہ ہیں، اور اس لیے قبور صالحین کی زیارت ان کے طفیل برکت، اور ایصال ثواب، تلاوت قرآن، دعائے خیر اور تقسیم شیرینی و طعام

سے ان کی امداد باجماعِ علما مستحسن اور اچھا عمل ہے۔ ۵۹۔ اور عرس کے دن کا تعین اس لیے ہے کہ وہ دن ان کے انتقال کی یاددہانی کرانے والا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام ہو فلاح و نجات کا سبب ہے۔ ہاں جو شخص اس تعیین عادیہ کو فوقیت شرعی جانے اور گمان کرے کہ ان کے علاوہ دنوں میں ایصال ثواب ہوگا ہی نہیں یا جائز نہیں یا ان ایام میں ثواب دیگر ایام سے زیادہ کامل و وافر ہے، تو بلاشبہ وہ شخص غلط کار اور جاہل ہے اور اس گمان میں خطا کار اور صاحبِ باطل ہے لیکن اتنا گمان اصل ایمان میں خلل نہیں ہوتا نہ ہی کسی قطعی عذاب اور حتمی وعید کا سبب ہوتا ہے'' ۵۹۔

زیارت قبور کے لیے سفر کرنا

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

○ ''تین مسجدوں کے سوا کسی کے لیے بھی بغرض ثواب سفر نہ کیا جائے، مسجد حرام، مسجد رسول اللہؐ اور مسجد اقصیٰ'' ۶۰۔ اور ''تین مسجدوں کے سوا کسی کے لیے بھی بغرض ثواب سفر نہ کرو، میری یہ مسجد (مسجد نبوی)، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ'' ۶۱۔

○ حضرت ابوبصرہ الغفاری بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ملے جب، کہ وہ (ابو ہریرہؓ) کہیں سے تشریف لا رہے تھے۔ انہوں نے دریافت کیا، کہاں سے آ رہے ہو؟ کہنے لگے ''کوہِ طور سے واپس آ رہا ہوں، وہاں نماز ادا کی تھی'' ابوبصرہ الغفاری کہنے لگے ''اگر آپ سے پہلے ملاقات ہو جاتی تو آپ نہ جاتے کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تین مسجدوں کے سوا کہیں بھی (بغرض ثواب) سفر کر کے نہ جاؤ، مسجد حرام، مری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ'' ۶۲۔

○ حضرت قزعہؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے کوہِ طور جانے کا قصد کیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا، انہوں نے فرمایا ''تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ کا فرمان ہے کہ ''تین مسجدوں کے سوا کسی جگہ کا سفر کر کے نہ جایا جائے، لہذا کوہِ طور کو چھوڑو، وہاں مت

جانا''۶۳۔

○ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: ''میں نے نذر مان رکھی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ پر فتح یاب فرمائے تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ آپؐ نے فرمایا: ''یہاں نماز پڑھ لو''۶۴۔

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ جب اجر وثواب کے لیے سفر کا ارادہ کیا جائے تو اللہ کی زمین میں صرف تین ایسے مقامات ہیں، جہاں مقصد پورا ہوگا۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ کا محض حصولِ ثواب کے لیے سفر کیا جائے گا تو وہ بے فائدہ ہوگا خواہ کوہِ طور ہی کیوں نہ ہو جہاں رب کریم نے اپنے نبی موسیٰ کلیم اللہؑ کو تجلی دی تھی۔

ان تین مقامات میں سے مسجد حرام تو وہ مقدس ترین عبادت گاہ ہے جسے اللہ کی بندگی اور عبادت کے لیے سب سے پہلے زمین پر بنایا گیا۔ اس کے بعد دوسری مسجد اقصیٰ اور تیسری مسجد نبوی ہے، مسجد حرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہاں ہر فرض نماز کا اجر ایک لاکھ نمازوں کے برابر کر دیا گیا، اسی طرح مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی میں ہر فرض نماز پچاس ہزار نماز کے برابر ہو جاتی ہے۔۶۵ بخاری کی ایک روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا کہ میری مسجد میں پڑھی گئی نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد میں پڑھی جانے والی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ باقی دنیا میں جتنی بھی مساجد ہیں ان میں ہر باجماعت نماز پر راجح روایات کے مطابق پچیس اور ستائیس نمازوں کا اجر رکھا گیا ہے۔۶۶

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود ونصاریٰ پر اس لیے لعنت فرمائی کہ انہوں نے انبیاء اور صلحا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا اور ان کی زیارتوں کے لیے سفر کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب انسان اللہ کے کسی جلیل القدر بندے کی قبر پر وہ کچھ کرتا ہے جو اللہ کا حق ہے تو وہ رب عز وجل کے عذاب کو دعوت دیتا ہے کیونکہ وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

آخر الذکر حدیث کہ بیت الاقصیٰ نہ جاؤ یہیں نماز پڑھ لو ایک طرف یہ اشارہ بھی

دیتی ہے کہ کسی نے مسجد اقصیٰ جا کر نماز پڑھنے کی نذر مان رکھی ہو تو وہ مسجد حرام یا مسجد نبوی میں اس کو پورا کر سکتا ہے کہ ان ہر دو مقامات پر ادائیگی نماز مسجد اقصیٰ میں ادائیگی نماز کے برابر یا اس سے دوگنا ہے، اور انسان ایسا سفر تو تب کرے کہ اس سے کہیں زیادہ ثواب کا حصول ممکن ہو۔ تاہم بعض نے موتیٰ خاص کر بزرگوں کی قبور کے لیے سفر کرنے کو مستحب قرار دیا ہے جبکہ کوئی عقیدہ اور عمل خلاف شریعت نہ ہو۔ حنابلہ کا موقف ہے کہ اگر مزار دور ہو اور وہاں سفر کے بغیر پہنچا نہ جا سکے تو اس کی زیارت مباح ہے مستحب نہیں۔ امام شافعی اور اکثر علمائے شافعیہ نے ایسے سفر سے منع کیا ہے، البتہ امام غزالی جو کہ شافعی تھے، سفر سے منع نہیں کرتے۔ صحابہؓ میں سے ایک گروہ ایسے سفر کے حق میں نہ تھا، ان میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت قزعہؓ اور حضرت ابو بصرہ الغفاریؓ بھی شامل تھے۔ حنفیہ کے ایک کثیر گروہ کے نزدیک بزرگوں کے مقبروں کی زیارت خواہ وہ دور ہوں اور ان کے لیے سفر کرنا پڑے مستحب ہے۔ اور اہل اللہ کے مزارات پر ہر سال جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت، میلاد کی محافل، ذکر و اذکار کی مجالس برپا کرنا اور ان کا ثواب ارواح طیبہ کو پہنچانا بلکہ اولیا و صلحاء کے مزارات سے برکت لینا جائز ہے بشرطیکہ یہ اجتماعات اور مجالس منکرات شرعیہ مثل رقص و مزامیر وغیرہ سے پاک ہوں[۶۷]۔

قبرستان میں چراغاں کرنا

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں، ان کو سجدہ گاہ بنانے والوں اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی۔[۶۸]

اکثر علمائے امت کے نزدیک قبروں پر چراغاں بدعت ہے اور ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ''ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جانے والی ہے''[۶۹] دوسرے یہ کہ اس میں مال کا ضیاع ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس میں آگ کے پجاری مجوسیوں سے مشابہت ہے، امام ابن حجر الفقیہؒ نے الزواجر

جلد اول، صفحہ ۱۳۴ میں لکھا ہے کہ ''ہمارے اہل علم نے قبر پر چراغ جلانے کو حرام قرار دیا ہے، اگرچہ کچھ وقت کے لیے ہی ہو۔ اس لیے کہ نہ تو وہاں رہنے والے مردے کو فائدہ ہے، نہ وہاں جانے والے کو۔ انہوں نے اس کو مال ضائع کرنے اور اسراف سے تعبیر کیا ہے اور مجوسیوں سے مماثلت بھی۔ کچھ بعید نہیں کہ یہ گناہ کبیرہ ہو''۔ محدث محمد ناصر الدین الالبانیؒ ''احکام الجنائز'' میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ قبر پر چراغ جلاتے ہیں۔ وہ نیکی وثواب کی نیت سے جلاتے ہیں۔ مقیم یا زائر کے لیے روشنی کی خاطر نہیں کیونکہ چراغ دن چڑھے بھی، روز روشن میں بھی جلائے جاتے ہیں، لہٰذا اس کے حرام ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ گمراہ کرنے والی بدعت ہے۔

جمہور اہل علم قبرستان میں چراغ جلانے کی ممانعت میں ایک دلیل یہ بھی لاتے ہیں، کہ ازروئے حدیث رسول اکرم ﷺ قبروں کی زیارت کا مقصد یہ ہے کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہیں تا کہ انسان ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے، اپنی آخرت کو سنوارنے کی فکر کرے اور باقی زندگی نیک کاموں میں لگائے۔ برائی کی تمام آلودگیوں سے اپنے دامن کو صاف کرے لیکن بقعہ نور مزارات کی جگمگاتی روشنیوں سے موت کسے یاد آتی ہے، کون عبرت حاصل کرتا ہے۔ سال کے سال وہی کچھ ہوتا ہے جس سے سرور کائنات ﷺ نے اپنی قبر مبارک کو بچانے کے لیے دعا کی اور اپنی امت کو اس سے منع فرمایا۔ البتہ حنفیہ کا ایک طبقہ جو اصولی طور پر قبروں کی طرف شمعیں لے جانے کو بدعت اور مال کا ضیاع مانتا ہے ''بشرطیکہ یہ چراغاں فائدہ سے بالکل خالی ہو'' وہ اس کے وزن مین یہ دلیل لاتا ہے کہ قبرستان میں مسجد ہے یا قبور سر راہ ہیں یا وہاں کوئی شخص بیٹھا ہے، یا مزار کسی ولی اللہ یا محققین علماء میں سے کسی عالم کا ہے اور وہاں شمعیں روشن کرنا اس لیے جائز وروا سمجھتا ہے کہ اس سے اس صاحبِ مزار بزرگ کی روح کی تعظیم مطلوب ہے کیونکہ بے تزک واحتشام ظاہری قلوب عوام میں وقعت نہیں ہوتی ہے۔ البتہ فتاویٰ عالمگیری اور سراجیہ میں واضح طور پر ہے

کہ موت کی پہلی چند راتوں میں جو شمعیں گھروں سے قبروں کے سرہانے لے جائی جاتی ہیں وہ بدعت ہیں، کیونکہ عوام الناس میں یہ تصور پیدا ہو گیا ہے کہ چالیس رات روح قبر پر آتی ہے اور اندھیرا دیکھ کر واپس چلی جاتی ہے۔ یہ خیال باطل اور فضول ہے اور شرعاً بے اصل ہے۔ اسی طرح قبروں میں چراغاں کے لیے طاق بنانا بھی ناجائز و مکروہ ہے۔

شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ ''نیک لوگ جمع ہو کر قرآن شریف پڑھیں، اور خیرات کر کے میّت کو ثواب پہنچائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ قبروں کو ملبوس کرنا (چادریں چڑھانا) چراغ جلانا، گانے باجے بجانا بدعتیں ہیں''۔[1]

قبروں کا احترام

☆ قبر کے اوپر بیٹھنا، چلنا یا سونا مکروہ ہے، اور پیشاب پاخانہ کرنا حرام ہے۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ قبر نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کا مقام ہے۔ لہٰذا یہ بڑی بدتمیزی اور بداخلاقی ہوگی کہ وہاں انسان اپنی شرمگاہ کھولے اور اس سے خارج ہونے والی گندگی سے آلودہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قبر پر بیٹھنے سے تو یہ بہتر ہے کہ آدمی انگارے پر بیٹھ جائے جس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور اس کی کھال بھی جھلس جائے''۔[2]

○ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے قبر پر پاؤں رکھنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ''جس طرح مجھے زندہ مسلمان کو اذیت دینا ناپسند ہے، اسی طرح مردہ مسلمان کی ایذا ناپسند ہے''[3] اور فرمایا ''مجھے انگاروں یا تلوار پر چلنا یا جوتا پاؤں سے سی لینا اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی قبر پر چلوں''[4] اور یہ کہ ''اگر میں تپائی ہوئی بھال پر پاؤں رکھوں اور وہ میرے قدم سے پار ہو جائے تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ کسی قبر پر پاؤں رکھوں''[5]۔ اور یہ کہ ''بے شک مجھے آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ سہل اور پیارا ہے مسلمانوں کی قبر پر پاؤں رکھنے سے'' اسی طرح سر بازار یا قبروں کے درمیان قضائے حاجت کرنا (برائی ہیں) برابر

ہے٦۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتے پہنے چلتے دیکھا تو فرمایا: ''خرابی ہو تیری، اے جوتیوں والے! اپنی جوتیاں اتار دے''۷۔

حضرت عمارہؓ ابن حزم کو قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا ''قبر والے، قبر سے اتر آ نہ تو صاحب قبر کو اذیت دے نہ وہ تجھے''۸۔

امام ابو جعفر طحاویؒ کے بقول اسی لیے جمہور علماء نے قبرستان میں جوتوں سمیت چلنا ناپسند کیا ہے۹۔

○ قبر پر بیٹھنا اور اسے روندنا نصیحت پکڑنے اور خشیت الٰہی کے اس مقصد کے قطعاً منافی ہے جو قبروں کی زیارت میں پیش نظر ہوتی ہے۔ مزید برآں ایسی حرکت سے قبروں کی توہین ہوتی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعتہ اللمعات میں لکھا ہے کہ قبر پر بیٹھنے، تکیہ لگانے یا روندنے کی وجہ سے قبر کی میّت اپنی اہانت محسوس کرتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میّت کو جس بات سے گھر میں اذیت ہوتی ہے وہ قبر میں بھی اس سے ایذا پاتی ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے قبر کے اوپر بیٹھنے یا سونے کو مکروہ اور پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اس پر شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔ حنفیہ کے نزدیک قبر کے اوپر بیٹھنا اور سونا مکروہ تنزیہی اور پیشاب یا پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ انہوں نے بہ تکرار مسلمانوں کو بے ضرورت قبر پر پاؤں رکھنے، اس پر بیٹھنے اور قبروں کو روندتے ہوئے چلنے سے منع کیا ہے۔ حتیٰ کہ قبروں کو روندتے ہوئے یا قبرستان کے نئے راستے سے اپنے اعزہ کی قبروں تک جانے کو بھی مکروہ بتایا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس صورت میں دور ہی سے فاتحہ خوانی کر لی جائے۸۰۔ چلنے میں جوتوں سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ بھی مردے کو تکلیف دیتی ہے۔ اس لیے ایک گروہ نے قبرستان ننگے پاؤں جانے کو روا رکھا ہے۔ البتہ مالکیہ قبر پر بیٹھنے یا سونے کو روا سمجھتے ہیں لیکن

پیشاب وغیرہ کرنے کو وہ بھی حرام قرار دیتے ہیں ۸۱۔ اور قبرستان میں یا اس کی متعلقہ زمین میں بول و براز، گندگی وغیرہ پھینکنا یا قبرستان کو گندگی کا مخزن بنا دینا، حرام سخت حرام ہے، اور اس کا مرتکب مستحق عذاب نار و غضب جبار ہے ۸۲۔

قبرستان میں نہ کرنے کے کام

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ قبر کو چونا کیا جائے، اس پر بیٹھا جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے یا اس پر اضافی مٹی ڈالی جائے (یا اس پر لکھا جائے) ۸۳۔

قبر پر عمارت بنانا

○ حضرت ثمامہؒ بن شفی بیان کرتے ہیں کہ ''ہم (وہ حضرت معاویہ کی طرف سے علاقہ ''درب'' کے گورنر تھے) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مملکت روم کی طرف نکلے، ہمارے چچازاد بھائی ''روڈس'' کے مقام پر فوت ہو گئے۔ حضرت فضالہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ دفن کرنے تک قبر کے پاس کھڑے رہے، جب قبر برابر ہو گئی تو فرمایا ''ہلکی رکھو'' (اور دوسری روایت کے مطابق بس تھوڑی ہی مٹی ڈالو) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کو زمین کے برابر رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے'' ۸۴۔

سفیان التمارؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو دیکھا وہ اونٹ کے کوہان جیسی تھی ۸۵۔

قاسم بن محمدؒ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ''اے اماں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھا دیں۔ پس انہوں نے تینوں قبریں دکھا دیں۔ نہ وہ زمین سے زیادہ اونچی تھیں نہ ہی زمین کے ساتھ ملی ہوئی تھیں ان پر بطحاء کی سرخ کنکریاں پڑی ہوئی تھیں ۸۶۔

احادیث بالا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں

ان کاموں سے منع فرمایا(۱) گچ وغیرہ سے قبر کو لیپ دینا، (۲) قبر پر عمارت بنانا (۳) قبر پر کچھ لکھنا (۴) قبر پر اضافی مٹی ڈالنا (۵) قبر ایک بالشت سے اونچی بنانا۔

○ قبر پر مکان، گنبد، مدرسہ یا مسجد بنانا یا اس کے چاروں طرف چار دیواری بنانا فعل مکروہ ہے۔ اسی طرح قبر کے گرد چبوترہ اور دیوار کھینچنا بھی ممنوع ہے خواہ اس سے زینت یا تفاخر مقصود نہ ہو، اگر ایسا ہو تو یہ عمل حرام ہوگا۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ البتہ حنابلہ کہتے ہیں کہ قبر پر تعمیر کرنا مکروہ مطلق ہے ۸۷۔ جو لوگ قبروں پر ایسے محل اور مکانات بنا دیتے ہیں جو بیشتر زندہ اشخاص کو میسر نہیں ہیں، انہیں غور کرنا چاہیے کہ کیا یہ عمل بدعت اور قابل گرفت نہ ہے۔

○ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ "قبر کو گچ سے پکا نہ کیا جائے کیونکہ رسول اللہؐ نے منع فرمایا ہے۔" فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ قبر کو گچ اور گارے سے پکا نہ کیا جائے، نہ اس پر عمارت اور سقط بلند کیا جائے اور غنیۃ (فقہ حنفی کی معروف کتاب) میں ہے کہ "قبر پر زینت کے لیے عمارت بنانا حرام ہے اور دفن کے بعد پختگی و مضبوطی کے لیے بنانا مکروہ ہے۔ جہاں پہلے عمارت ہو، وہاں دفن مکروہ نہیں کیونکہ بغیر دفن کے وہ جگہ حقیقتاً قبر نہیں"۔ لیکن بعض حنفیہ قبر کے اوپر عمارت بنانے کی ممانعت سے نفس قبر پر عمارت کی تعمیر کو منع سمجھتے ہیں کیونکہ سقف قبر اور ہوائے قبر میّت کی ملکیت ہے لیکن ان کے نزدیک قبر کے گرد مکان بنانا قبر پر تعمیر عمارت نہیں۔ تاہم وہ بھی قبر کے گرد عمارت یا چبوترہ ملک غیر میں بنانے یا عام وقفی قبرستان میں تعمیر کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں اور اسے ڈھا دینے کا فتویٰ دیتے ہیں ۸۸۔ البتہ وہ بزرگوں اور مشائخ کے مزارات کے گرد زمین جائز التصرف میں استفادہ زائرین کے لیے عمارت بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں کہ جہاں نیت محمود نفع موجود منع مفقود۔ وہ مشائخ و صوفیا اور محققین علماء کے مزارات پر لوگوں کے آرام کے لیے عمارت بنانے اور راستے کی تاریکی سے ہونے والی لوگوں کی تکلیف رفع کرنے کے لیے قبرستان میں چراغاں کرنے کو روا

رکھتے ہیں تاہم وہ بھی بہ نیت فاسدہ و برائے زینت وتفاخر (مثلاً امراء و روسا کی قبروں پر) عمارتیں بنانے کو منع کرتے ہیں، اسی طرح کسی جنگل میں ایسی قبر پر کہ جہاں لوگوں کا آنا جانا نہ ہو، عمارت بنانے کو روا نہیں رکھتے کہ یہ فضول خرچی اور مال کا ضیاع ہے ۸۹۔ بحارالانوار میں ہے کہ سلف نے معروف و محقق علماء و مشائخ کی قبروں پر عمارت بنانے کی اجازت دی ہے تا کہ لوگ ان کی زیارت کو آئیں تو نفع پائیں۔

مردے کی ہڈی توڑنا

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن مردے کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا'' ۹۰۔

یہ حدیث مومن مردے کی ہڈی توڑنا حرام ہونے کی دلیل ہے۔ حنابلہ کا مسلک ہے کہ میّت کے کسی بھی حصے کو کاٹنا حرام ہے۔ اسی طرح اس کی ذات کو ضائع کرنا یا جلانا بھی حرام ہے، خواہ اس نے اس بات کی وصیّت ہی کیوں نہ کی ہو، دوسرے مذاہب فقہ میں بھی اسی طرح ہے بلکہ ابن حجرؒ نے اسے گناہ کبیرہ میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''حدیث سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ جرم زندہ کی ہڈی توڑنے کے برابر ہے''۔ امام نوویؒ نے المجموع میں لکھا ہے کہ ''اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بلا عذر شرعی ضرورت کے قبر کو اکھاڑنا منع ہے، البتہ شرعی عذر کے ساتھ جائز ہے۔۔۔ جب میّت پرانی ہو کر مٹی ہو جائے تو قبر اکھاڑنا جائز ہے اور اس وقت وہاں دوسرا مردہ بھی دفن کیا جا سکتا ہے۔ وہاں تعمیر یا زراعت بھی جائز ہے'' ۹۱۔ اسی طرح ہر قسم کا فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس بات پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ لیکن یہ سب اس وقت جائز ہے جب میّت کی ہڈی وغیرہ کے نشان باقی نہ ہوں اور یہ نتیجہ ہر علاقے اور زمین کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں تجربہ کار لوگوں کی رائے قابل اعتماد ہو گی۔

بعض اوقات شہری مسلمان حکومتیں جو آبادی کو منظّم اور خوبصورت بنانے کے

بہانے مسلمانوں کے قبرستانوں کو ختم کر دیتی ہیں، انہیں اس حکم کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ایسا کرنا شرعاً کہاں تک جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس نے کسی مسلمان کو بلا عذر شرعی تکلیف دی، اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی'' [۹۲] اور اللہ عزوجل فرماتا ہے ''بے شک جو لوگ اللہ اور رسول کو تکلیف دیتے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا و آخرت میں اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے'' [۹۳]۔

علامہ زیلعی اور امام نووی کے برعکس علامہ شرنبلانی نے امداد الفتاح میں تاتارخانیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب قبر میں میت گھل کر مٹی بھی ہو جائے تب بھی اس قبر میں غیر کو دفن کرنا مکروہ ہے کہ اس کی تعظیم و حرمت کے خلاف ہے۔ چہ جائیکہ وہاں تعمیر یا زراعت کی جائے۔ خزانۃ الروایہ میں بھی کچھ اسی طرح ہے البتہ جن مقامات پر جگہ تنگ ہو، قبرستانوں میں اتنی وسعت نہ ہو کہ ہر میت کے لیے الگ الگ قبر ہو، وہاں قبور کو کھود کر دوسری اموات کو دفن کیا جا سکتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں مولانا احمد رضا خاں اور ان کے مکتبہ فکر کا رجحان اسی طرف ہے، کہ وہ بلا عذر شرعی پرانی قبور کو اکھاڑنے کے حق میں نہیں ہیں بلکہ عالمگیری کے مطابق وہ کسی ایسے پرانے قبرستان سے بھی کوئی دوسرا نفع حاصل کرنے کو مباح نہیں سمجھتے، جس کے نشانات تک معدوم ہو گئے ہوں، اسی طرح اس وقف میں جو دفن کے لیے ہو، مدرسہ وغیرہ بنانے کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں، خواہ سو سال سے اس قبرستان میں کوئی میت وہاں دفن نہ کی گئی ہو۔ اسے قبرستان ہونے کی تعریف سے خارج نہیں کیا جا سکتا کیونکہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک واقف کے صرف اتنا کہنے سے کہ میں نے یہ زمین مسلمانوں کے دفن کے لیے وقف کی وہ تمام زمین قبرستان ہو جاتی ہے خواہ ایک مردہ بھی دفن نہ کیا گیا ہو اور امام محمد کے مطابق اس قطعہ زمین میں ایک شخص کے دفن سے ساری زمین قبرستان ہو جاتی ہے پھر یہ کہ وقف کی تبدیلی جائز نہیں اور جب کوئی شے یا زمین ایک بار وقف ہو جائے تو دوبارہ

وقف نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے قبرستان کی بیع و رہن حرام ہے بلکہ جو خاص قبرستان ہو جس میں کسی نے مردے دفن کیے ہوں مگر اس کام کے لیے وقف نہ کیا ہو وہ بھی قبور کی جگہ کو نہ بیچ سکتا ہے نہ رہن رکھ سکتا ہے کہ اس میں توہین اموات مسلمین ہے اور ان کی توہین حرام ہے۔ ۹۴

مومن کی ہڈی توڑنا جائز نہیں البتہ مومن کے علاوہ دوسروں کی ہڈی توڑنے میں کوئی قباحت نہیں، جیسا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر کا فیصلہ کیا تو آپ نے بنی نجار کے سرکردہ افراد سے اس باغ کی قیمت طے کرنے کے لیے فرمایا، جہاں مسجد تعمیر کی جانی تھی، انہوں نے کہا ''نہیں ہم تو صرف اللہ تعالیٰ سے اس کا اجر چاہتے ہیں''۔ اس میں مشرکوں کی قبریں بھی تھیں۔ کھجور کے درخت اور ناہموار جگہ بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کی قبریں اکھاڑنے کا حکم دیا۔ ناہموار جگہ برابر کر دی گئی اور کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے اور مسجد نبوی کی بنیاد اٹھا دی گئی ۹۵۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو قبرستان عطیہ یا بیع کے ذریعے ذاتی ملکیت میں آ جائے اس میں ہر طرح کی تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ گری ہوئی قبروں کو ختم کرنا اگر وہ قابل احترام نہ ہوں (مسلمانوں کی نہ ہوں)۔ قبریں اکھاڑنے اور جو کچھ وہاں ہے اسے نکالنے کے بعد مشرکوں کے قبرستان کی جگہ نماز ادا کرنا بھی جائز ہے اور مسجدیں تعمیر کرنا بھی''۔

قبر پر چادر ڈالنا

○ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے جن کے مدفونوں پر عذاب ہو رہا تھا، آپ نے فرمایا ''ان کو کسی گناہ کبیرہ پر عذاب میں مبتلا نہیں کیا گیا بلکہ ان میں ایک پیشاب کرتے ہوئے پردہ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ ایک کی بات دوسرے تک پہنچا دیتا تھا۔ آپؐ نے ایک تازہ ٹہنی لی، پھر اس کے دو ٹکڑے کر کے دونوں قبروں پر ایک ایک کو گاڑھ دیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اللہ کے رسولؐ

آپؐ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: ''جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہو جاتیں شاید کے ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے ۹۶۔

اس حوالے سے حنفیہ کے نزدیک قبر پر پھول ڈالنا یا ہری سبزی رکھنا اچھا ہے جب تک وہ گھاس سبز و تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اسی پر اس کا قیاس بھی ہوگا جو ہمارے زمانے میں آس وغیرہ کی شاخیں رکھنے کا دستور ہے ۹۷۔ اسی طرح کسی مزار یا قبر پر پھول یا کپڑے کی چادر منت مان کر چڑھانے کی اگرچہ کوئی اصل نہیں تاہم کسی اہل اللہ کی قبر پر چادر بقصد تعظیم وتبریک ڈالنا مستحسن ہے ۹۸۔ تاہم جمہور علماء کے نزدیک اس بارے میں مسلم وابوداؤد کی وہ حدیث بھی سامنے رہنی چاہیے جس میں ام المومنین عائشہؓ نے بیان کیا ہے کہ کس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے درودیوار پر پردوں کو برداشت نہ کیا اور فرمایا ''بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھروں اور مٹی کو کپڑوں سے ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا''۔ شافعیہ کے نزدیک گلاب کے پھول یا خوشبودار گھاس وغیرہ قبر پر رکھنا جائز نہیں، کچھ یہی حال اگربتی وغیرہ جلانے کا ہے کہ شافعیہ کلی طور پر منع کرتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اگربتی وغیرہ قبر پر رکھ کر نہ جلائی جائے کہ اس میں سوٴ ادب اور بدفالی ہے۔ عالمگیری میں ہے کہ قبر کی چھت میّت کا حق ہے، اور قبر پر بتی رکھ کر جلانا میّت کے حق میں مداخلت ہے، البتہ قبر کے قریب خالی زمین پر رکھ کر سلگائیں تو حرج نہیں بلکہ خوشبو محبوب ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ قبر پر پھول اور خوشبو والی کوئی چیز صاحب قبر کی روح کی مسرت کا باعث ہے اور یہ شرعاً ثابت ہے۔

اسی ضمن میں حنفیہ کے معروف فتاویٰ عالمگیری وفتاویٰ قاضی خاں وغیرھم میں ہے کہ سبز درختوں اور سبز گھاس کا قبر سے کاٹنا مکروہ ہے اور خشک ہو تو مضائقہ نہیں۔ اس بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ خشک گھاس وہاں سے کاٹ کر جانوروں کے پاس لے جائیں، جانوروں کو قبرستان میں چرنے کے لئے چھوڑنا ممنوع ہے کہ اس طرح قبروں کا روندا جانا

بھی ممکن ہے ۹۷۔ قبرستان میں درخت لگانے کے بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ اچھا ہے لیکن درخت قبر پر نہیں خالی جگہ پر لگائے جائیں اور قبرستان کے گرد بہ نیت حفاظت قبرستان چاردیواری کرنا جائز ہے ۹۷۔

○ حنفیہ کے ایک طبقہ کے نزدیک چادریں وہ پھول کی ہوں یا کپڑے کی جو بطور تبرک مزاروں پر چڑھائی جاتی ہیں، ڈالنے والے کی ملکیت تصور ہوں گی۔ جس طرح کہ کفن بطور احسان دینے والے کی ملک سے نہیں نکلتا، البتہ اور چڑھاوے خواہ وہ چادریں ہی ہوں، دیگر نذور کی طرح خادم مزار ہی کو ان کا مالک سمجھا جائے گا تاہم اس قسم کے چڑھاوے مطلقاً منع نہیں نہ یہ نذور شرعی ہیں بلکہ عرف ہیں کہ اکابر کے حضور جو کچھ لے جاتے ہیں اسے نذر کہتے ہیں۔ بعینہ وہ درخت جو قبرستان میں کسی نے لگائے ہیں لگانے والے کی ملکیت تصور ہوں گے۔ البتہ اگر وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے یا عرف عام کے تحت لگائے جائیں تو انہیں حکومت یا انتظامیہ قبرستان کی ملکیت سمجھا جائے گا ۹۷۔

○ قبر پر عود یا لوبان جیسی کوئی بھی چیز نہیں سلگانی چاہیے کیونکہ یہ اسراف اور مال کا ضیاع ہے اور میّت اس قسم کی خوشبو سے غنی ہے، ویسے بھی قبر سے دھواں اوپر اٹھنا فال بد ہے۔ البتہ قرآن خوانی اور ذکر واذکار کی مجالس میں حاضرین کے لیے سلگائی جائیں تو بہتر ہے ۹۷۔

حواشی

۱	مسلم، مصنف عبدالرزاق	۲	ابن ماجہ
۳	مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی، امام احمد	۴	مصنف عبدالرزاق
۵	ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ	۶	نہج البلاغہ، ملفوظات
۷	مشکوٰۃ شریف	۸	احیاء العلوم
۹	تہذیب التہذیب	۱۰	طبرانی

۱۱۔ شرح الصدور
۱۲۔ بیہقی، ابن ابی الدنیا
۱۳۔ طبرانی فی الاوسط، حاکم
۱۴۔ ترمذی
۱۵۔ مسلم، فتح القدیر
۱۶۔ غنیۃ المستملی، فتاویٰ رضویہ جلد نہم
۱۷۔ مسند امام احمد، مؤطا امام مالک
۱۸۔ فتاویٰ رضویہ، جلد نہم
۱۹۔ اشعۃ اللمعات
۲۰۔ فتاویٰ رضویہ ج۔۹
۲۱۔ فتاویٰ عزیزیہ
۲۲۔ تفسیر صاوی، جلد اول
۲۳۔ مدارج النبوۃ
۲۴۔ فتاویٰ رضویہ جلد نہم
۲۵۔ مسلم، ابن ماجہ، نسائی، کتاب العمل الیوم واللیلۃ
۲۶۔ سورۃ الحشر: ۱۰
۲۷۔ شرح الصدور
۲۸۔ عمدۃ القاری
۲۹۔ دار قطنی، درمختار، شرح الصدور
۳۰۔ شرح الصدور
۳۱۔ التذکرۃ، قرطبیؒ
۳۲۔ شرح الصدور
۳۳۔ ترمذی
۳۴۔ ابن عدی
۳۵۔ ابن عدی، دیلمی، ابن النجار
۳۶۔ ترمذی، ابن عدی
۳۷۔ شرح الصدور
۳۸۔ شامی، درمختار، فتاویٰ رضویہ
۳۹۔ فقہ آئمہ اربعہ
۴۰۔ فتاویٰ رضویہ، بہشتی گوہر
۴۱۔ مسلم، ترمذی
۴۲۔ بخاری مسلم
۴۳۔ درمختار، فتاویٰ رضویہ، ج۹
۴۴۔ مسلم، الکتاب الجنائز
۴۵۔ ابوداؤد، کتاب الصلاۃ
۴۶۔ بخاری کتاب الصلاۃ
۴۷۔ مسلم، کتاب الصلاۃ المسافرین
۴۸۔ مجمع الزوائد
۴۹۔ فتاویٰ رضویہ، ج۔۹
۵۰۔ الفقہ ائمہ اربعہ
۵۱۔ بخاری، کتاب الصلاۃ
۵۲۔ بخاری کتاب الجنائز، مسلم کتاب المساجد
۵۳۔ مسند امام احمد، حلیۃ الاولیا ابی نعیم
۵۴۔ مسلم، کتاب المساجد
۵۵۔ مسند امام احمد
۵۶۔ بخاری، کتاب الصلاۃ
۵۷۔ ابوداؤد
۵۸۔ خلاصۃ الفتاویٰ
۵۹۔ فتاویٰ رضویہ، ج۔۹
۶۰۔ مسلم، کتاب الحج، بخاری کتاب فصل الصلاۃ
۶۱۔ ایضاً، رواہ حضرت ابوسعید الخدریؓ
۶۲۔ مسند امام احمد
۶۳۔ اخبار مکہ الازرقی
۶۴۔ فتح الباری

۶۵ ابن ماجہ

۶۶ بخاری، مسلم

۶۷ فتاویٰ رضویہ ج۔۹، اشعۃ اللمعات

۶۸ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد

۶۹ نسائی

۷۰ فتاویٰ رضویہ جلد نہم

۷۱ فتاویٰ شاہ رفیع الدین

۷۲ مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ

۷۳ شرح الصدور

۷۴ ابن ماجہ

۷۵ بیہقی فی دلائل النبوۃ

۷۶ طبرانی، مصنف ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ

۷۷ ابوداؤد، نسائی

۷۸ حاکم، طبرانی

۷۹ شرح معانی الآثار، ج۲، بہار شریعت

۸۰ شامی، کشف النور

۸۱ کتاب الفقہ ائمہ اربعہ

۸۲ فتاویٰ رضویہ، عالمگیری، درمختار، ردالمختار

۸۳ مسلم، کتاب الجنائز

۸۴ صحیح مسلم، کتاب الجنائز

۸۵ بخاری

۸۶ ابوداؤد

۸۷ کتاب الفقہ آئمہ اربعہ

۸۸ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

۸۹ فتاویٰ رضویہ جلد نہم حوالہ کشف الخفاء

۹۰ سنن ابی داؤد، ابن ماجہ

۹۱ علامہ زیلعی نے بھی شرح کنز میں یہی لکھا ہے

۹۲ طبرانی فی الاوسط

۹۳ القرآن ۳۳/۵۷

۹۴ فتاویٰ رضویہ، ج۔۹

۹۵ بخاری ومسلم کتاب المساجد

۹۶ بخاری

۹۷ فتاویٰ رضویہ، ج۔۹

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر آخرت

قرآن مجید کی سورہ زمر کی آیات ۳۰، ۳۱ ہیں:

''بے شک آپ ﷺ کو بھی مرنا ہے، اور وہ بھی مر جائیں گے، پھر دوبارہ آپ ﷺ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے مقدمات پیش کرو گے''۔

سورہ زمر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور ان آیات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ہجرت حبشہ کے زمانہ میں نازل ہوئیں اور ہجرت حبشہ ۵ نبوی کا واقعہ ہے۔ گویا رب کریم و رحیم نے آغاز اسلام ہی میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ ''زوال و فنا سے صرف خدا ہی کی ذات پاک و منزہ ہے ورنہ ہر شے کو لوٹ کر وہیں جانا ہے، جہاں سے وہ آئی ہے''

انسان فانی ہے

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ:

''اے محمدؐ جب تک آپؐ چاہیں زندہ رہیں، بہر حال ایک دن آپؐ کو کوچ کرنا ہے، اور جس سے آپؐ محبت کریں، بہر حال اس سے ایک دن جدا ہونا ہے اور جو عمل آپؐ چاہیں کریں بہر حال وہ ایک دن آپ کے سامنے آنا ہے''

حضرت جبرئیلؑ کے مخاطب اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، لیکن ان الفاظ میں یہاں ایک طرف عالم انسانیت کو تنبیہ تھی، اس امر پر کہ اس دنیا میں جو کچھ تم چاہو کرو،

بالآخر تمہیں یہاں سے جانا اور ایک دن کہ جو یوم حساب ہے اپنا کیا بھگتنا ہے، وہاں دوسری طرف آپؐ کے صحابہ کرامؓ اور آپؐ کے ماننے والوں، آپؐ کی اُمت کو یہ اطلاع دی گئی تھی کہ جس طرح اس دنیا کی ہر چیز پر موت وارد ہوتی ہے، اسی طرح سرور کائنات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو موت وفراق کی منازل سے گزرنا ہے، گویا آپؐ کی رحلت ضروری ہے، اور اس کا ادراک انہیں اس لیے کرایا گیا کہ وہ سرور کائناتؐ کی اس دنیاوی زندگی کے بارے میں غلط تصور کا شکار نہ ہوں اور خود سرور کائناتؐ نے بار بار اپنی امت، اپنے بیشتر ساتھیوں پر واضح کر دیا کہ انہیں اپنے ساتھیوں اور صحابہؓ سے پہلے ہی رخصت ہونا ہوگا اور اس کی حکمت بھی واضح کی، چنانچہ فرمایا:

''جب خدا تعالیٰ کسی قوم پر رحم کرنا چاہتا ہے تو اس قوم کے سامنے ہی اس قوم کے نبی کو وفات دے دیتا ہے اور نبی کو اس قوم کے لیے مغفرت کا پیش خیمہ بنا دیتا ہے۔ اور جب کسی امت کو اس کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کرنا چاہتا ہے تو نبی زندہ رہتا ہے، اور اس کی زندگی میں اس امت پر عذاب نازل ہو جاتا ہے اور اس نافرمان امت کی ہلاکت سے نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے''[1]

اور فرمایا: ''اے میرے صحابہ! میری زندگی تمہارے لیے نعمت ہے۔ کیونکہ میں تم سے باتیں کرتا ہوں، تم مجھ سے باتیں کرتے ہو اور جب میں وفات پا جاؤں گا تو میری وفات بھی تمہارے لیے رحمت ثابت ہوگی، کیونکہ وفات کے بعد تمہارے عمل میرے سامنے لائے جائیں گے، اگر عمل اچھے ہوں گے تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا، اور اگر عمل برے ہوں گے تو تمہارے لیے دعا واستغفار کروں گا''[2]

اور یوں بھی رب کریم آپ کو یقین دلا چکے تھے:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی[3]

آپ کا آخر آپ کے اول سے بہتر ہے

اس لیے رحلت سے چھ ماہ قبل جب سورہ النصر کا نزول ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ کوچ قریب آ گیا۴۔ بلکہ بعض صحابہؓ نے بھی سمجھ لیا تھا کہ یہ آیت جدائی کی گھڑی کا پیش خیمہ اور اعلان ہے۵۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ. اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا

''جب اللہ کی مدد اور فتح پہنچ گئی اور تو نے لوگوں کو فوج در فوج دین اللہ میں داخل ہوتے دیکھ لیا تو آپؐ اللہ کی حمد و تسبیح کیجیے اور اس سے استغفار کیجیے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے''۔

چنانچہ آپ اٹھتے بیٹھتے اور آتے جاتے یہ پڑھتے تھے، سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلٰی اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَابُ الرَّحِیْم اور کبھی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اور کبھی یہ پڑھتے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ

معمول تھا کہ ہر سال رمضان المبارک میں خدا کے حکم سے حضرت جبرئیلؑ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ تھوڑا تھوڑا قرآن کریم سنا کرتے تھے، اور خود سنایا کرتے تھے۔۶ اس دورِ قرآن مجید کا مقصد یہ تھا کہ آیتوں اور سورتوں کی ترتیب اور ناسخ و منسوخ کے بارے میں رب رحیم و کریم کی آخری ہدایات کا پیغمبرؐ کے سامنے اعادہ ہو جائے اور رمضان المبارک میں قرآن مجید کی تلاوت اور اس کا دور امت کے لیے اسوہ بن جائے۔ اس سال (۱۰ھ) کے رمضان المبارک میں حضرت جبرئیلؑ نے سابقہ معمول کے خلاف دو دفعہ آپ سے دور کیا۔ اس سے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ شاید یہ رمضان ان کی زندگی کا آخری رمضان ہے۔ چنانچہ اس سال آپؐ نے عام معمول سے ہٹ کر رمضان المبارک میں ایک عشرہ کے اعتکاف کے بجائے دو عشرہ یعنی بیس یوم کا اعتکاف فرمایا۸ لیکن اس وقت سرور کائناتؐ نے اس بارے میں کسی سے کوئی بات نہ کی۔

البتہ بعد میں وفات سے قبل ایک روز اپنی بیٹی فاطمہ بتولؓ کو اس کی وجہ یہ بتائی کہ مجھے رمضان ہی میں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ میری موت قریب ہے۔9

تکمیل دین کا اعلان

پھر یہ کہ آپؐ نے اسی سال (۱۰ھ) میں حج ادا فرمایا جو فرضیت حج کے بعد آپ کا پہلا اور آخری حج ثابت ہوا۔ یہی حج ''حجۃ الوداع'' کہلاتا ہے۔ اسی حج کے دوران میں عرفہ کے روز جب سرورِ کائنات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات کے میدان میں اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔10

''اور آج ہم نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا''۔

تو آپؐ اشارہ خداوندی سمجھ گئے۔ جب دین نقطہ عروج اور منتہائے کمال کو پہنچ گیا تو یہاں دوسرے صحابہ کرامؓ دین حق کی تکمیل کے اس اعلان پر شادمان وخوش تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کہ رازدانِ اسرار نبوت تھے، اداس و پریشان ہو گئے، آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا تو حیران ہوئے کہ انہیں تو سب سے زیادہ خوش ہونا چاہیے کیونکہ وہ تو سب سے پہلے فدائی اسلام اور نبی اسلامؐ کے ہمراہی ہیں۔ دین حق کے لیے انہی نے سب سے زیادہ قربانیاں دیں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں، پھر یہ غمگین کیوں ہیں؟ بعض اکابرین صحابہؓ نے ان سے جب اس اداسی، اس غمگینی کا سبب پوچھا تو اپنی گہری سوچ کو توڑ کر بولے: ''تم نے غور نہیں کیا، دین کی تکمیل کے اعلان میں یہ خبر پوشیدہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت جلد ہم سے چھین لیے جائیں گے کیونکہ دین حق کی تکمیل سے آپؐ کا مشن پورا ہو چکا''۔

صدیق اکبرؓ کے منہ سے نکلی ہوئی بات سب کے دلوں پر تیر بن کر لگی۔ خوشی سے تمتماتے چہرے ایک دم مرجھا گئے اور وہ سب رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا: حضور! تکمیل دین کے اعلان میں صدیق اکبرؓ کو ''رحلت رسول'' کی بو آ رہی ہے، وہ اس پر اداس بیٹھے ہیں۔ ارشاد فرمایا: صدیق اکبرؓ کی رائے درست ہے، انہوں نے ٹھیک سمجھا''[11]۔

اسی خطبہ حجۃ الوداع میں آپؐ نے اعلان فرمایا'' کہ شاید اب اس کے بعد تم سے ملنا نہ ہو، اور شاید پھر تمہارے ساتھ حج نہ کر سکوں'' اور آپؐ کا خطبہ میں بار بار یہ فرمانا بھی اسی طرف اشارہ تھا کہ ''آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچا دی۔ اے اللہ تو خود بھی گواہ رہیو۔'' یوں بھی اس خطبے میں اپنی اُمّت سے جس طرح خطاب فرمایا، لوگوں کو جس طرح کی مختلف تاکیدیں اور نصیحتیں کیں، وہ سب بتا رہی تھیں کہ سرور کائنات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجتماعی طور پر الوداع کہہ رہے ہیں اور یوم النحر کو آپ نے ۶۳ جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور پھر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ بقیہ ۳۷ جانوروں کو وہ ذبح کریں تاکہ سو کی گنتی پوری ہو جائے۔ ۶۳ جانوروں کی قربانی کے بعد آپ کا ہاتھ روک لینا بھی شاید اسی لیے تھا کہ آپ عمر عزیز کے ۶۳ سال پورے ہونے پر رحلت فرما جائیں گے۔ جمرۃ العقبہ کے قریب رک کر فرمایا ''مجھ سے مناسک حج سیکھ لو اس لیے کہ اس سال کے بعد شاید مجھے حج کا موقع نہ ملے'' [12]

سفرِ آخرت کی تیاری

حجتہ الوداع سے واپسی کے سفر میں آپؐ سے کئی ایسی باتیں ظاہر ہوئیں، جن سے اشارہ ملتا تھا کہ آپؐ کی وفات کے دن قریب ہیں اور آپ الرفیق الاعلیٰ سے ملنے کے مشتاق ہیں، اور کئی باتیں ایسی کیں، جن سے صحابہ کرامؓ کو یہ تاثر دینا مطلوب تھا کہ میں بھی انسان ہوں اور انسانوں کی مدت کا قانون مجھ پر بھی نافذ ہوگا۔ چنانچہ واپسی کے سفر مدینہ

میں غدیر خم کے قریب پڑاؤ ڈالا، وہاں ایک خطاب خاص رفقا سے کیا۔ اس میں وہی الوداعی رنگ زیادہ ابھر کر سامنے آیا۔ بول ایسے ہیں کہ ان کے سننے والوں پر رقت طاری ہوگئی۔ اپنی محکم سنت کے مطابق رب رحیم وکریم کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! بہرحال میں انسان ہوں شاید جلد ہی میرے پاس خدا کا (بلاوا لے کر) قاصد آ پہنچے اور میں لبیک کہوں۔ میں ذمہ داری کے دو بوجھ تمہارے اندر چھوڑے جارہا ہوں، ان میں سے ایک خدا کی کتاب ہے جس میں ضابطہ حیات اور روشنی وحکمت ہے۔ سو خدا کی کتاب کو تھام لو اور اسی سے رہنمائی حاصل کر۔ دوسرے میرے گھر کے لوگ، اپنے گھر کے لوگوں کے بارے میں میں تمہیں خدا ہی کی یاد دلاتا ہوں''۔

اس خطبے میں یا اس کے بعد، اسی مقام پر آپ نے یہ بھی فرمایا:

''جس کا میں رفیق ہوں، علیؓ بھی اس کا رفیق ہے۔ اے اللہ! جو علیؓ کو دوست رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو علیؓ سے دشمنی رکھے، تو بھی اس سے دشمنی رکھ''۔

پھر فرمایا:

''میں بشر ہوں اور بشر کے لیے خلود ودوام نہیں۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ شاید عنقریب میرے رب کا قاصد یعنی ملک الموت آئے اور میں اس کی دعوت کو قبول کرلوں''۔

حج سے واپس آنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جماعت کو اپنی وفات کے بارے میں واضح طور پر باخبر کرنا شروع کر دیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ امور سلطنت وتبلیغ کی انجام دہی بھی جاری رہی، اور اجتماعی معاملات بھی نپٹاتے رہے۔

ایک مہینہ قبل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ وفات سے ایک ماہ قبل رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص ساتھیوں کو حضرت عائشہؓ کے مکان پر جمع کیا، جب ہم سب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ہمیں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اس وقت آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے نم تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جدائی کے خیال سے آپؐ بے قرار ہیں۔ آپؐ نے اس موقع پر ہمیں تقویٰ کی نصیحت کی اور بہت سی دعائیں دیں۔[۱۳] حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے کاش! میں اپنے بھائیوں کو دیکھتا''۔ ہم نے عرض کیا ''حضورؐ! کیا ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں''۔ ارشاد فرمایا: ''تم میرے رفیق ہو، میرے ساتھی ہو، بھائی تو وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے۔ اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔ میں ان کے لیے حوضِ کوثر پر پہلے سے پہنچا ہوا ہوں گا''۔ ہم نے عرض کیا: ''حضورؐ! یہ تو فرمائیے کہ آپؐ اپنی امت کو قیامت کے دن کس طرح پہچانیں گے''۔ فرمایا: ''اگر تم میں سے کسی کے سفید منہ گھوڑے دوسرے گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو پہچان نہیں سکتا۔ بس اسی طرح میں بھی اپنی امت کو شناخت کر لوں گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے اعضاء وضو (ہاتھ، منہ، پاؤں اور سر) کو آفتاب کی طرح روشن کر دے گا''۔[۱۴]

جیش اسامہ

۲۶ صفر یوم دوشنبہ ۱۱ھ کو آپ نے رومیوں کے مقابلے کے لیے مقام اُبنیٰ کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں غزوہ موتہ ہوا تھا اور جس میں حضرت اسامہؓ کے والد زیدؓ بن حارث، حضرت جعفرؓ طیار، اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ وغیرہم شہید ہوئے تھے۔ یہ آخری سریہ تھا اور آپ کی بھیجی ہوئی فوجوں میں کی آخری فوج تھی۔ آپؐ نے حضرت اسامہؓ بن زید کو اس لشکر کا امیر اور سردار مقرر کیا، اور لشکر میں حضرت عمرؓ جیسے اولین مہاجرین اور بڑے بڑے صحابہ کرامؓ کو شامل کیا[۱۵]۔ چہار شنبہ (بدھ) سے آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا اس کے بعد آپؐ نے لشکر اسامہؓ کا نشان اپنے دست مبارک سے تیار کر کے

حضرت اسامہؓ کودیا اور فرمایا:

''اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اللہ سے کفر کرنے والوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کرو''۱۶؎

جانے وہ کون لوگ تھے، جنہوں نے ہمارے معاشرہ میں صفر المظفر کے آخری چہار شنبہ کو تقریب مسرت منانے کو رواج دیا کہ اس روز لوگ اپنا کاروبار بند رکھتے اور جشن و جلوس میں شرکت کرتے اور اسے باعث اجر و ثواب خیال کرتے ہیں اور اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ اس روز آپؐ نے بیماری سے صحت پائی تھی، حالانکہ جس بیماری میں آپ دنیا سے رخصت ہو کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے اس کا آغاز ہی اس دن ہوا تھا، اکثر روایات کے مطابق آپ کی بیماری صفر کے آخر میں شروع ہوئی ۱۷؎۔

الوداعی پیغام

اس سے قبل شروع ماہ صفر ۱۱ھ میں ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُحد تشریف لے گئے اور شہدائے احد کے گنج شہیداں پر نماز پڑھی اور واپس آ کر سر منبر فرمایا کہ:

''لوگو! میں تم سے پہلے رخصت ہونے والا ہوں اور خدا کے سامنے تمہارے متعلق شہادت دینے والا ہوں، واللہ! میں حوضِ کوثر کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے ممالک کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں (یعنی مختلف ممالک دعوت حق کے نتیجے میں فتح ہونے والے ہیں)۔ مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے۔ ڈر یہ ہے کہ منافقت (یعنی دنیاوی مفاد کی کشمکش) میں نہ پڑ جاؤ''۱۸؎

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ کے اس خطبہ سے معلوم ہو رہا تھا، کہ امت کو الوداعی پیغام دے رہے ہیں، حضرت نواس بن سمعانؓ نے تو آپؐ کے سامنے جرات کر کے عرض کر ہی دیا کہ ''یارسول اللہ! یہ تو وداعی پیغام معلوم ہو رہا ہے''۔

بیماری کا آغاز

۲۸ صفر بروز چہار شنبہ اپنے ایک آزاد کردہ غلام ابو مواہبہ کو قریب شام طلب کیا، اور فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اہل قبور کے لیے دعائے مغفرت کروں، اس لیے میرے ساتھ آؤ۔ دونوں ایک ساتھ چلے اور بقیع پہنچے، تو رسول اکرمؐ نے فرمایا: "السلام علیکم یا اهل قبور! ہم بھی جلد ہی تم سے آملنے والے ہیں، خوش رہو اس موجودہ حال میں تمہارا حال کتنا بہتر ہے، ان لوگوں کے مقابلے میں جو ابھی بقید حیات ہیں۔ نفاق و افتراق کی آمد ہے، ایسی جیسے ظلمت بداماں امواج، بالکل ایک دوسرے کے پیچھے بھی اور ایک دوسرے سے بدتر بھی"۔ پھر ابو مواہبہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا "مجھے اس دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور یہاں حیاتِ جاوداں اور ساتھ ہی اس کے بعد جنت اور اپنے رب سے ملاقات......اور مجھے آزادی دی گئی ہے کہ میں (دونوں میں سے کسی) ایک کو پسند کرلوں، میں نے اپنے رب سے ملاقات اور جنّت کا انتخاب کرلیا ہے۔ ابو مواہبہؓ نے کہا "لے لیجیے اس دنیا کے خزانوں کی کنجیاں، یہاں کی زندگیٔ جاوید اور جنت"، لیکن آپؐ نے فرمایا "میں پہلے ہی اپنے رب کی ملاقات اور جنت کا انتخاب کر چکا ہوں"، بعد ازاں آپ نے بقیع کے مدفونوں کے لیے دعائے مغفرت کی۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعۃً مزاج ناساز ہو گیا اور سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہو گئی۔

دوسرے روز ناسازیٔ طبع کے باوجود ایک صحابیؓ کے جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ واپس آرہے تھے کہ راہ ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا۔ پھر شدید تپ لاحق ہوئی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ جو رومال سرورِ کائنات ﷺ نے سرِ مبارک پر باندھ رکھا تھا، میں نے اسے ہاتھ لگایا تو سینک آرہا تھا۔ بدن ایسا گرم تھا کہ میرے ہاتھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ میں نے تعجب کیا۔ فرمایا "انبیاء سے بڑھ کر کسی کو تکلیف نہیں ہوتی، اسی لیے ان کا اجر سب سے بڑھا ہوا ہوتا ہے"۔ اسی حالت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مکان کو رونق

بخشی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''اس وقت میرے سر میں درد تھا۔ میں نے آپ کو دیکھ کر عرض کیا ''وارأساہ (ہائے میرا سر)''۔

آپؐ نے سن کر فرمایا: بل انا وارأساہُ (نہیں بلکہ میرا سَر)۔

سرورِ عالمؐ یہ دیکھ کر کہ عائشہ بھی دردِ سر میں مبتلا ہیں تشریف فرما ہوگئے، اور خوش طبعی کے طور پر اپنی محبوب بیوی سے مزاح فرمانے لگے۔

یہ دردِ سر آپ کے مرضِ وفات کی ابتدا ثابت ہوا۔ اس میں جو تاریخ اختیار کی گئی ہے اسے ابن سعد نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔ حضرت کا پورا قول یہ ہے:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۸ صفر بدھ کے دن علیل ہوئے اور تیرہ دن بیمار رہ کر ۱۲ ربیع الاول کو آپؐ نے رحلت فرمائی''۔

سات دن قبل

پانچ دن تک آپ ﷺ اس حالت مرض میں بھی ازراہِ عدل وکرم باری باری ازواج مطہرات کے گھر تشریف لے جاتے رہے، آپؐ نے کوشش فرمائی کہ اپنے وہ معمولات قائم رکھیں جو حالت صحت میں آپؐ کے تھے۔ آپؐ ہمیشہ کی طرح مسجد میں نماز کی امامت فرماتے رہے لیکن آپؐ کی بیماری بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ آپؐ صرف بیٹھ کر نماز ادا فرما سکتے تھے، آپؐ نے صحابہؓ سے کہا کہ آپؐ بیٹھ کر نماز ادا کریں گے۔

روز بروز کمزوری میں اضافہ ہوتا گیا مگر اس کمزوری میں بھی آپؐ نے بیویوں کی باریوں کے معمول کو نبھانا چاہا۔ صحابہؓ کمزوری میں آپ کو اٹھا کر گھر پہنچاتے، کمزوری برداشت سے باہر ہوگئی تو آپؐ نے یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ میں زندگی کے بقیہ دن عائشہؓ کے گھر گزارنا چاہتا ہوں۔ اس خواہش کا اظہار اس طرح ہوا کہ جس بیوی کے گھر تھے، اس سے بار بار پوچھتے ''میں کل کہاں ہوں گا''، یعنی کل کس کی باری ہے، انہوں نے نام لیا تو پوچھا ''پرسوں کہاں ہوں گا؟'' انہوں نے جواب دیا لیکن آپؐ کے بار بار پوچھنے اور

اضطراب سے ان کو خیال ہوا کہ شاید آپ عائشہؓ کے حجرہ میں جانے کے لیے مضطرب ہیں، انہوں نے یہی بات دوسری ازواج سے کہی۔ یہ جان کر وہ سب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ! ہم سب اپنی باری اپنی بہن عائشہؓ کو دیتے ہیں" ۱۹

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے بعض بیویوں کے سامنے صراحت کے ساتھ اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا:

"مرض کی کمزوری نے اب مجھے اس قابل نہیں رکھا کہ میں تم میں باری باری آؤں جاؤں، اس لیے تم مجھے عائشہؓ کے پاس رہنے کی اجازت دے دو" ۲۰

بہر حال دیگر امہات المومنینؓ نے آپؐ کو اجازت دے دی، لیکن اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ بغیر مدد کے چل نہ سکتے تھے، اس لیے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آپؐ کو سہارا دے کر عائشہؓ کے حجرہ میں لے گئے اور یوں آخری ہفتہ کی تیمار داری حضرت عائشہؓ کے حصے میں آئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سرور کائناتؐ اس اجازت کے بعد میرے گھر تشریف لائے تو آپؐ کے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی، اور آپؐ کے قدم زمین پر گھسٹتے تھے۔ ۲۱

بیماری کی سختیاں

- رسول اکرمؐ کو مرض وفات میں بڑی سختیوں سے گزرنا پڑا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "میں نے بیماری میں جتنی تکلیف میں آپؐ کو دیکھا، کسی کو نہیں دیکھا"۔ ۲۲
- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں: میں جب آپؐ سے ملنے گیا تو آپ کو نہایت تیز بخار میں مبتلا دیکھا۔ میں نے عرض کیا: "حضور! بخار بہت تیز ہے"۔ فرمایا: "ہاں تمہارے دو شخصوں کے برابر ہے"۔ میں نے عرض کیا: "یہ دوگنی تکلیف اس لیے ہے کہ آپؐ کا اجر بھی دوگنا ہوگا"۔ فرمایا: "ہاں، یہی بات ہے۔ اگر کسی مومن کے پیر میں کانٹا

چبھ جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کانٹے کی تکلیف کو بھی گناہ کا کفارہ بنا دیتے ہیں''۔ ۲۳

○ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں: ''سرور عالمؐ پر بار بار بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ باپ کی بے چینی اور گھبراہٹ دیکھ کر بیٹی (حضرت فاطمہؓ) سے رہا نہ گیا۔ بے قرار ہو کر بولیں۔ ہائے میرے ابا جان کی تکلیف''۔ ۲۴

○ خیال ہوتا ہے کہ خدا کے مقرب بندوں کو تکالیف کیوں پہنچتی ہیں؟ جن کے لعاب دہن کی شفا بخش تاثیر کے مقابلے میں مرہم اکسیر بھی کوئی حقیقت نہ رکھتی ہو، جن کی ایک نظر کرم سے بیمار شفا پائیں، وہ بیمار ہوں، اور وہ بھی اس طرح کہ قریب بیٹھنے والے بھی ان کے تپ کی گرمی کو برداشت نہ کر سکیں۔ بارگاہ الٰہی کے سب سے مقرب بندے، سرور کائناتؐ نے اس کا سبب یہ بیان فرمایا ہے کہ:

''انسان اپنے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ جس قدر وہ اپنے دین میں پختہ ہوتا ہے اسی قدر تکلیفوں میں اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے''۔ ۲۵

اور سرور کائناتؐ نے اپنے تکالیف میں مبتلا ہونے کی ایک حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب کوئی مصیبت زدہ تکالیف میں گھر کر آپؐ مصائب بھری زندگی کو یاد کرے گا تو آپؐ کی مصیبت کا تصور اس کی مصیبت کو آسان کر دے گا۔ فرمایا:

''لوگو! اگر تم میں سے کوئی فرد مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو اسے میری مصیبت کو یاد کرنا چاہیے، اس لیے کہ میری امت میں مجھ سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچ سکتی''۔ ۲۶

تکبر میں رسوائی ہے

○ علالت کے دوران ایک روز مسلمانوں کو جمع فرمایا اور ارشاد کیا:

''مرحبا مسلمانو! اللہ تم کو اپنی رحمت میں رکھے، تمہاری شکستہ دلی کو دور فرمائے۔ تم کو رزق دے۔ تمہاری مدد کرے۔ تم کو رفعت دے۔ تمہیں یہ امن وامان میں رکھے۔

میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ ہی کو اپنے بعد تمہارا نگران بناتا ہوں۔ میں اس کی طرف سے تم کو کھلا ڈرانے والا اور آگاہی دینے والا ہوں، دیکھنا اللہ کی بستیوں اور اس کے بندوں میں تکبر اور برتری کو اختیار نہ کرنا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اور تمہارے لیے پہلے ہی فرما دیا ہے ''وہ جو آخرت کا گھر ہے، ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو زمین میں برتری اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور بہترین انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے'' (سورہ قصص:۸۳)

پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ (سورة زمر: ٦٠)

(کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ میں نہیں ہے)۔

آخر میں فرمایا: سلام تم پر اور ان پر جو بذریعہ اسلام میری بیعت میں داخل ہوں گے'' ۲۷۔

حضرت ابوبکرؓ کی درخواست

○ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو آپؐ کی نبوت اور اسلام پر سب سے اول ایمان لانے والے اور سفر ہجرت کے رفیق حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: ''مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپؐ کی خدمت کروں'' فرمایا: ''ابوبکرؓ! اگر میرے اہل بیت میری تیمارداری نہ کریں گے تو وہ عذاب الٰہی میں پکڑے جائیں گے۔ رہا تمہارا اجر و ثواب تو وہ تمہاری نیت پر اللہ رحمان و رحیم تمہیں عطا فرمائے گا'' ۲۸۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوا کرتے تو یہ دعا کیا کرتے اور اپنے جسم پر پھیر لیا کرتے تھے:

اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُ كَ

شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا

''اے نسل انسانی کے پالنے والے خطرے کو دور فرما دے اور صحت عطا کر۔ شفاء دینے والا تو ہی ہے اور اسی شفا کا نام شفا ہے جو تو عنایت کرتا ہے، ایسی صحت دے کہ کوئی تکلیف باقی نہ چھوڑ''

ان دنوں مین نے یہ دعا پڑھی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر دم کر کے چاہا کہ جسم اطہر پر مبارک ہاتھوں کو پھیر دوں لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کھینچ لیے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الاعلیٰ ۲۹

حضرت فاطمہ الزہرہ کو خبر دینا

○ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیشتر اوقات حضرت عائشہؓ کی گود میں سر رکھے لیٹے رہتے تھے لیکن جب حضرت فاطمہؓ آ جاتی تھیں تو حضرت عائشہؓ ذرا ادھر ادھر ہٹ جاتی تھیں، تا کہ باپ بیٹی کچھ دیر تنہا ایک ساتھ رہ سکیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ آپؐ بیٹی کے کان میں کچھ کہہ رہے ہیں جس پر وہ رونے لگیں۔ بعد ازاں کوئی اور بات ان کے کان میں کہی، تو وہ آنسوؤں کے درمیان مسکرا اٹھیں۔ جب وہ واپس جا رہی تھیں، حضرت عائشہؓ نے ان سے پوچھا، فاطمہ! آپؐ نے کیا کہا کہ پہلے تم رو دیں، پھر روتے روتے مسکرا اٹھیں۔ انہوں نے کہا: ''یہ راز کی بات ہے جس کو افشاں نہیں کر سکتی''۔ حضرت فاطمہؓ نے وصال نبیؐ کے بعد بتایا کہ ''آپؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ اسی بیماری میں آپؐ وفات پا جائیں گے، اس لیے میں رو دی، بعد ازاں آپؐ نے فرمایا: میرے گھر والوں میں تو سب سے پہلے مجھ سے آ ملے گی، یہ سن کر میں ہنس پڑی'' ۳۰ ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے دوسری مرتبہ فرمایا کہ تو بہشت کی تمام عورتوں کی سردار ہو گی۔ ۳۱

حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی سے روایت ہے کہ آپؐ مرض الموت میں فرماتے تھے کہ یہ اسی زہر کا اثر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ

کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب بیمار ہوتے تو معوّذات یعنی سورہ اخلاص، سورہ فلق، اور سورہ الناس پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کرتے اور پھر اپنا ہاتھ تمام بدن پر پھیر لیتے تھے۔ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں میں آپؐ کی آخری علالت میں معوّذات پڑھ کر دم کرتی مگر برکت کے لیے آپؐ ہی کے دست مبارک آپؐ کے بدن پر پھیر دیتی۔ ۳۲

انتہائے زہد

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ انہی دنوں حضورؐ کے پاس کہیں سے کچھ دینار آئے تھے۔ کچھ دینار آپ تقسیم کر چکے تھے اور کچھ گھر میں رکھے ہوئے تھے۔ آپ کو خیال جو آیا تو پوچھا: ''عائشہؓ اس سونے کو کیا کیا؟ عرض کیا: میرے پاس ہے۔ فرمایا انہیں خیرات کر دو۔ حضرت عائشہؓ وہ دینار نکال کر لائیں تو آپ بے ہوش تھے۔ حضرت عائشہؓ آپؐ کی حالت کو دیکھ کر پریشان ہو رہی تھیں، اس پریشانی میں انہیں آپؐ کی ہدایت کا خیال نہ رہا۔ ہوش میں آتے ہی پوچھا: دینار کہاں ہیں؟ کیا خیرات کر دیئے۔ عرض کیا: نہیں، ابھی تعمیل کرتی ہوں، لیکن پریشانی نے پھر غافل کر دیا۔ تیسری دفعہ ہوش میں آتے ہی پھر ان دیناروں کے بارے میں استفسار کر دیا۔ ام المومنین نے وہ دینار پیش کر دیئے (پانچ سے سات یا نو کے درمیان دینار تھے) آپؐ ان کو لے کر اپنے ہاتھ میں الٹتے پلٹتے اور فرماتے: عائشہؓ! میں کیا اپنے رب سے اس حال میں ملوں گا، کہ میرے گھر میں سونا ہو، بلاؤ علیؓ کو بلاؤ، حضرت علیؓ کو بلایا گیا اور آپؐ نے وہ دینار ان کے ہاتھ سے خیرات کرا دیئے'' ۳۳

قبر پرستی کی ممانعت

○ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ مرض الوفات کے دوران میں آپؐ کی ازواج مطہرات میں سے کسی نے کہا کہ اس نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا، جس کا نام کنیسہ ماریہ تھا۔ ام سلمیؓ اور ام حبیبہؓ نے بھی ہجرت حبشہ کے دوران اسے دیکھا تھا۔ دونوں نے اس کی

خوبصورتی اور اس میں جو تصویریں تھیں ان کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کو اٹھایا اور فرمایا ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں سے کوئی نیک آدمی فوت ہوتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے، پھر اس میں تصویریں بناتے۔ وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں'' ۳۴۔

بیماری کے دوران آپؐ بڑے کرب سے دوچار رہے، اور ایک دن جب آپؐ کا کرب انتہا کو پہنچا تو ام المومنین حضرت صفیہؓ نے آپؐ سے عرض کیا: ''اللہ کے نبیؐ، کاش یہ تکلیف مجھ کو ہوتی جو آپ کو ہے'' اس پر دوسری بیویوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھا، اور آپس میں سرگوشی کی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور کہا ''جاؤ، اپنا منہ صاف کرو'' پھر فرمایا ''اس لیے کہ تم اپنی ساتھی کے ساتھ بدسلوکی کر رہی ہو۔ خدا کی قسم وہ بالکل سچ کہہ رہی ہیں اور پورے اخلاص سے کہہ رہی ہیں'' ۳۵۔

آمدورفت کی طاقت جب تک رہی آپؐ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے، ۷ ربیع الاول، چہارشنبہ کو مغرب تک کی سب نمازیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائی تھیں۔ ام فضلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی جس میں سورہ والمرسلات کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ نے ہم کو کوئی نماز نہیں پڑھائی کیونکہ آپؐ کی وفات ہوگئی ۳۶۔ سورۃ والمرسلات کی آخری آیت قرآن پاک کی جلالت شان کو آشکار کرتی ہے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ (۷۷: ۵۰) یعنی قرآن پاک کے بعد اور کس کلام پر ایمان لاؤ گے۔

امامت ابوبکرؓ

○ عشاء کی نماز کا وقت ہوا تو رسول اللہ کی طبیعت خاصی بوجھل تھی، محسوس کیا کہ آپؐ امامت نہیں فرما سکتے، خواہ بیٹھے ہی رہیں۔ اتنے میں حضرت بلالؓ معمول کے مطابق نماز عشاء کی اطلاع دینے حاضر ہوئے۔ پوچھا:

''نماز ہوگئی''

''یارسول اللہؐ! سب لوگ آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں''۔

آپؐ نے فرمایا: ''میرے لئے لگن میں پانی رکھ دو، تعمیل حکم ہوئی، آپؐ نے غسل فرمایا، پھر آپؐ نے اٹھنے کی کوشش کی مگر آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ افاقہ کے بعد پھر فرمایا: ''نماز ہو چکی'' وہی پہلا جواب ملا، آپؐ نے پھر غسل فرمایا اور پھر اٹھنا چاہا، تو غش آ گیا۔ افاقہ کے بعد پھر دریافت کیا۔ لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ مگر پھر وہی جواب ملا، آپ نے پھر غسل فرمایا، اور اٹھنا چاہا مگر پھر غش آ گیا، افاقہ ہوا تو فرمایا: ''بلالؓ! ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں'' (مروا ابابکر فلیصل بالناس)۳۷۔

بلالؓ پر یہ الفاظ بجلی بن کر گرے، وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ اتنے میں حضرت عبداللہؓ بن زمعہؓ در اقدس پر حاضر ہوئے اور اطلاع دی کہ نماز کے لیے سب آپؐ کے انتظار میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: لوگوں سے کہہ دو کہ وہ خود نماز پڑھ لیں (یعنی میرا انتظار نہ کریں) امامت کے لیے اس سے پہلے حضرت بلالؓ کو ہدایت فرما چکے تھے۔ اس لیے عبداللہؓ کے سامنے اس کا اعادہ نہ کیا، اجمالاً کہہ دیا کہ لوگ خود نماز پڑھ لیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب سنا کہ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے لیے امامت کا حکم دے رہے ہیں تو عرض کیا ''یارسول اللہ ابوبکر بہت حسّاس اور رقیق القلب ہیں وہ جب آپؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر ایسی رقت طاری ہوگی کہ لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے پھر وہ ایسی حالت میں لوگوں کو قرأت بھی نہیں سنا سکیں گے''۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان سے کہو کہ نماز کی امامت کریں''۔ جیسے حضرت عائشہؓ نے ان سے کچھ کہا ہی نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ نے دوبارہ وہی فقرے دہرائے اور آخر میں درخواست کی کہ حضرت عمرؓ کو امامت کے لیے کہہ دیں۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ فرمایا ''ابوبکرؓ سے کہو نماز کی امامت کریں''۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ کی جانب ملتجی

نگاہوں سے دیکھا مگر انہوں نے بولنا شروع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا ''تم ان عورتوں کی مانند ہو، جیسی زلیخا کی ساتھ والیاں تھیں''۔ ''ابوبکرؓ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ الزام دینے والو کو عیب چینی کرنے دو، اور حوصلہ مندوں کو توقعات رکھنے دو۔ اللہ اور اہل ایمان اس کے علاوہ کوئی دوسرا بندوبست قبول نہیں کریں گے''۳۸۔

○ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بعد ازاں ایک موقع پر بتایا کہ وہ اپنے والد کی امامت کو اس لیے ناپسند کرتی تھیں کہ ان کی خواہش تھی کہ ان کے والد (حضرت ابوبکرؓ) ایسی باتوں سے بالکل علیحدہ رہیں اس لیے کہ عزت و وجاہت خطرہ سے خالی نہیں ہوتی۔ اس میں ہلاکت کا اندیشہ ہے، مگر جس کو اللہ رکھے وہی دنیا کے فتنے سے بچ سکتا ہے۔ اور نیز یہ بھی اندیشہ تھا کہ جو شخص سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپؐ کی جگہ پر کھڑا ہوگا لوگ اس سے حسد کریں گے، اور کوئی بعید نہیں کہ حسد میں اس پر زیادتی بھی کریں اور ان کو منحوس بھی سمجھیں۔ لیکن جب اللہ کا حکم اور اس کی قضا و قدر یہی ہے کہ میرا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام بنے اور ان کی جگہ پر امامت کرے تو پھر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے باپ کو دنیا اور دین کے ہر خوفناک امر سے محفوظ و مامون رکھے''۔۳۹

صدیقؓ و صدیقہؓ دونوں کا دل دنیاوی جاہ و مال کی طمع سے بالکل پاک اور منزہ تھا، دیکھیے صدیقہؓ بنت صدیقؓ کی فہم و فراست۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ رسول اللہ کی نیابت، خلافت و امارت کا پیش خیمہ ہے، دل و جان سے اس کوشش میں رہیں کہ ان کا باپ نہ امام بنے نہ امیر بلکہ یہ امامت صغریٰ و کبریٰ ان کے باپ سے ہٹ کر کسی اور کے پاس چلی جائے، تاکہ ان کے والد (حضرت ابوبکر صدیقؓ) دین و دنیا کے فتنے سے بالکل محفوظ رہیں اور حضرت صدیق اکبرؓ نے بیعت کے وقت خطبہ دیتے ہوئے واضح طور پر فرمایا کہ ''خدا کی قسم! میں نے اس امارت و خلافت کی نہ کبھی دل سے تمنا کی نہ کبھی زبان سے دعا

مانگی، مسلمانوں میں فتنہ پیدا ہونے کے خوف سے اسے قبول کرلیا''۔

سرورِ کائنات کا واضح حکم تھا کہ ''ابوبکر سے کہو کہ نماز کی امامت کریں'' تو پھر کسی کو مجال انکار نہ تھی، یوں بھی سرورِ کائنات انہیں اپنی جگہ کھڑا کر رہے تھے جو اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ وہ عنایات ربانی اور تائید آسمانی جو نبی کے ساتھ تھیں ان کی بھی مددگار و دستگیر ہوں گی کیونکہ اللہ کا رسولؐ، اللہ کی رضامندی کے بغیر اپنا نائب اور قائم مقام مقرر نہیں کر سکتا۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مصلّے پر ابوبکر صدیقؓ کو کھڑا کرنا اس اعلان کے مترادف تھا، کہ یہی شخص اللہ کے رسول کے ولی عہد یا جانشین ہیں۔ چنانچہ ابوبکرؓ جو وہاں موجود تھے، وہ صف سے آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔ اور بیماری کے باقی دنوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی نماز پڑھاتے رہے۔ انہوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں باختلاف روایات سترہ یا اکتیس نمازیں پڑھائیں۔

یہ پہلا موقع تھا کہ اصحاب رسولؐ نے سرورِ کائناتؐ کے مصلّے کو ان کے بغیر دیکھا۔ حضرت عائشہؓ کا خیال درست نکلا۔ حضرت صدیق اکبرؓ غش کھا گئے۔ دوسرے صحابہؓ بھی زاروقطار رونے لگے اور فضا میں سسکیاں سما گئیں۔

مدینہ کے در و دیوار اداس تھے، انصارؓ آپؐ کی مہربانیاں اور عنایات کو یاد کر کے چپکے چپکے روتے تھے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ کا ایسے ہی چند اصحاب پر گزر ہوا۔ انہوں نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ انہوں نے بیان کیا کہ ''حضورؐ کی صحبتیں یاد آتی ہیں'' ان میں سے ایک صاحب نے جا کر رسول اکرمؐ سے یہ واقعہ بیان کیا۔

قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا

دوسرے دن کچھ افاقہ اور طبیعت میں ہلکا پن محسوس فرمایا۔ آپؐ نے تغار میں بیٹھ کر سات کنوؤں کی سات مشکوں کا پانی سر مبارک پر ڈلوایا۔ اس سے طبیعت کچھ مزید سنبھلی تو

آپؐ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؑ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ یہ ظہر کا وقت تھا، نماز کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے۔ آپؐ نے اشارہ سے روکا اور ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ وہ آپ کو ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دیں، آپؐ نے ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ حضرت ابوبکرؓ نے مکبّر کا فریضہ انجام دیا۔ ادائیگی نماز کے بعد، آپؐ منبر کی آخری سیڑھی پر بیٹھ گئے۔[۴۰] حالت یہ تھی کہ سر اقدس پر چادر کا کونہ بندھا ہوا تھا اور نقاہت و کمزوری کے باعث کھڑا ہونا ناممکن تھا۔ پھر جماعت سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

''تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں، جنھوں نے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، تم ایسا نہ کرنا۔[۴۱] میری قبر کو میرے بعد سجدہ گاہ نہ بنا لینا۔ اس گروہ پر اللہ کا سخت غضب مقدر ہوا جس نے قبور انبیاء کو سجدہ گاہ بنا دیا۔ میں تمہیں اس سے منع کر رہا ہوں۔ دیکھو، میں نے بات پہنچا دی، الٰہی تو خود اس کا گواہ ہے''[۴۲]۔

پھر فرمایا: ''مسلمانو! تم خدا تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں رہو وہی تمہارا حقیقی محافظ ہے اب بھی اور میرے بعد بھی''۔

''میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تقویٰ اور بندگی پر قائم رہنا۔ میں دنیا کو چھوڑنے والا ہوں، مجھے خبر ملی ہے کہ تم میری موت سے ڈرتے ہو، جتنے بھی انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں، کیا کوئی بھی ان میں ہمیشہ زندہ رہا۔ میں خدا سے ملنے والا ہوں اور تم بھی خدا کے پاس جانے والے ہو۔''[۴۳]

مہاجرین و انصار

○ ''میں وصیّت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے ساتھ بھلائی کریں اور مہاجرین اولین کو وصیّت کرتا ہوں کہ آپس میں حسن سلوک رکھیں اور تقویٰ اور عمل صالح پر قائم رہیں۔''[۴۴]

پھر سورہ عصر پڑھ کر فرمایا ''تمام معاملات خدا کے حکم پر چلتے ہیں، جس کام کے لیے تاخیر ہو، اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ، کسی کی عجلت پسندی کی وجہ سے خدا جلدی نہیں کرتا'' ۴۵
پھر انصار کے بارے میں نصیحت کرتے ہوئے ارشاد ہوا: ''میں انصار کے معاملے میں تم کو وصیّت کرتا ہوں کہ یہ لوگ میرے جسم کے پیراہن اور میرے لیے زادِ راہ ہیں۔ عام مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جائے گی لیکن انصار کم ہوتے جائیں گے اور آخر میں اتنے کم رہ جائیں گے، جتنے آٹے میں نمک، پس جب تمہیں حکومت ملے اور تم امت کے نفع ونقصان کے ذمہ دار بنائے جاؤ، تو تم انصار کی نیکیاں قبول کرنا اور ان کی کمزوریوں سے درگزر کرنا۔ وہ اپنا فرض ادا کر چکے اب تمہیں ان کا قرض ادا کرنا ہے۔ انہوں نے تم سے پہلے مدینہ کو اپنا وطن بنایا اور ایمان کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔ انصار نے اسلام اور ایمان کو ٹھکانہ دیا۔ کیا انہوں نے پھلوں میں تم کو اپنا شریک نہ بنایا؟ کیا انہوں نے تمہاری خاطر مکانوں میں وسعت نہ دی؟ کیا انہوں نے باوجود احتیاج کے تم کو اپنے آپ پر ترجیح نہ دی؟ دیکھو، اپنے آپ کو ان پر ترجیح نہ دو، سنو کہ میں پہلے جاتا ہوں، اور تم بھی مجھ سے آملو گے۔ حوض پر ملنے کا وعدہ ہے۔ ۴۶

قال اللہ تعالیٰ و یُؤثِرُونَ عَلٰی اَنفُسِہِم وَلَو کَانَ بِہِم خصاصہ

پھر ارشاد فرمایا:

''خدا نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ چاہے تو دنیا ومافیہا کو قبول کرلے اور چاہے تو وہ کچھ قبول کرے جو خدا کی بارگاہ میں ہے تو اس بندے نے اسی کا انتخاب کیا جو اس کے لیے خدا کی بارگاہ میں ہے''۔ ۴۶

فضیلت ابوبکرؓ

○ مزاج شناسِ رسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان الفاظ کے معانی سمجھ گئے۔ اور انہوں نے جان لیا کہ رسول اکرمؐ نے یہ دراصل اپنے بارے میں فرمایا ہے اور بندے کا اشارہ آپؐ

کی اپنی ذات گرامی کی طرف ہے، چنانچہ وہ رو پڑے اور کہا ''نہیں، ہماری جانیں اور اولاد سب آپؐ پر فدا ہیں''۔

آپؐ نے فرمایا: ''علیٰ رسلک یا ابابکر'' ابوبکر! سہولت سے کام لو۔

''ابوبکر ٹھہرو! جلدی نہ کرو، بلاشبہ کوئی شخص ایسا نہیں، جس نے اپنی جان اور مال سے مجھ پر اتنا احسان کیا ہے جتنا ابوبکرؓ نے کیا ہے، میں اگر بندوں میں سے کسی کو اپنا خلیل (حقیقی دوست) بناتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔ (مگر اللہ ہی میرا دوست ہے، اب جو چیز باقی رہ گئی ہے وہ) میری صحبت کا شرف اور ایمانی اخوت ہے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمیں اپنے پاس جمع فرمائے'' ۴۷۔

اس کے بعد فرمایا: ''یہ جو دروازے مسجد میں کھل رہے ہیں، ان سب کو بند کر دو، سوائے خدء (چھوٹا دروازہ) ابوبکرؓ کو باقی چھوڑ دو۔ ۴۸

جیش اسامہ

آپؐ کو یہ اطلاع بھی ملی تھی، کہ دو ایک آدمیوں نے حضرت اسامہؓ کی کم عمری اور خاندانی حوالے سے کچھ چہ میگوئیاں کی ہیں (ابن سعد کے بقول وہ لوگ منافقین میں سے تھے) کہ ایک لڑکے کو اکابر مہاجرین وانصار پر امیر مقرر کیا گیا ہے۔ آپؐ نے ٹھیک غدیر خم کے سے انداز میں فرمایا: ''اے لوگو! اسامہؓ کی فوج کو روانہ کرو، گو مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے اسامہ کے متعلق ایسی ایسی چہ میگوئیاں کی ہیں، کل تم نے ان کے والد کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ حالانکہ خدا کی قسم! وہ اس منصب کے مستحق تھے اور ان کے بعد ان کا بیٹا بھی اہل ہے۔ وہ (زید بن حارث) بھی ہم کو سب سے زیادہ محبوب تھے، اور اس کے بعد اس کا بیٹا (اسامہ) بھی ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہے''۔ ۴۹

پھر ارشاد فرمایا:

''حلال وحرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے۔ میں نے اسی چیز کو حلال کیا ہے

جو رب نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے۔ میں نے وہی چیز حرام کی ہے، جو خدا نے حرام کی ہے''۔

''انسان کی سزا و جزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے'' اور فرمایا ''اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہؓ اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہؓ، خدا کے ہاں کے لیے کچھ کرلو، میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا'' ۵۰۔

ان خطبات کو مختلف روایات میں مختلف اوقات سے متعلق بیان کیا گیا ہے مگر ایک رائے یہ بھی ہے، اور شاید یہی امر واقعہ ہو کہ یہ ساری باتیں ایک ہی خطبہ میں کہی گئیں۔ اتنا فرما کر آپؐ منبر سے اتر آئے اور سہارا دے کر حجرۂ عائشہؓ میں پہنچا دیے گئے۔ ادھر لوگ تیزی سے جیش اسامہؓ کے ساتھ جانے کے لیے تیاریوں میں لگ گئے۔ دوسری طرف اسامہؓ اس لشکر لے کر روانہ ہو گئے اور مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام جوف میں پڑاؤ ڈالا تاکہ پیچھے رہ جانے والے ان سے آملیں۔ اسامہؓ اور ان کے ساتھی سب وہاں رکے ہوئے تھے۔ ۵۱

واقعہ قرطاس

○ اس سے قبل اسی روز صحابہ کرامؓ مزاج پرسی کے لیے حجرہ عائشہؓ میں جمع تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کاغذ قلم لے آؤ تمہارے لیے کچھ لکھوا دوں تاکہ میرے بعد تم گمراہی سے محفوظ رہو''۔ اس موقع پر بعض حضرات نے کہا، ایسی حالت میں کہ جب شدت مرض کے باعث بار بار بے ہوش ہو رہے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ کی رائے بھی یہی تھی۔ بعض نے کہا، دوات قلم لا کر لکھوا لینا چاہیے۔ اس اختلاف رائے پر جو لوگ تحریر لکھوانے کے حق میں تھے ان میں سے کچھ لوگ بحث کرنے لگے اور انہوں نے کہا اھجر استفھموہ (آپؐ سے دوبارہ پوچھ لیا جائے) اس پر آپؐ کی طبیعت منغض ہو گئی اور آپؐ نے فرمایا ''میرے پاس سے اٹھ جاؤ،

مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو' میں جس حالت میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو'۔ بعد ازاں جب طبیعت ذرا سنبھلی تو حاضر صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:
''

(۱) یہود و انصار کو جزیرہ عرب سے نکال دینا

(۲) میں قرآن پر چلنے کی وصیّت کرتا ہوں ۵۲

بعض روایات میں ہے

(۲) وفود کو رخصت کرتے وقت ہدیہ و تحفہ دیا کرو، جس طرح میں ان کو دیا کرتا تھا

(۳) تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا، یا راوی بھول گیا ۵۳

بعض کہتے ہیں کہ تیسری بات یہ تھی کہ قرآن پر عمل کرنا یا جیش اسامہ کو روانہ کرنا یا میرے بعد میری قبر کو بت اور سجدہ گاہ نہ بنانا یا یہ کہ نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کا خیال رکھنا۔ بہرحال سلیمان الاحول کی روایت میں تیسری وصیّت بیان نہیں ہوئی، البتہ بخاری کتاب الوصایا میں عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اکرمؐ نے قرآن مجید کے متعلق وصیّت فرمائی تھی۔ اس موقع پر چونکہ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، اس لیے شیخین سے کدر رکھنے والوں نے حضرت عمرؓ پر خوب خوب اتہام باندھے ہیں حالانکہ اھـجـرا استـفھـمـوہ کہنے والوں میں حضرت عمرؓ شامل ہی نہ تھے، یہ ان لوگوں کا قول ہے جو وصیّت لکھوانے پر مُصر تھے اور ان کی بحث پر سرور کائناتؐ نے فرمایا ''میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔۔۔''

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اسی بیماری کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابوبکرؓ اور ان کے فرزند (عبدالرحمن) کو بلا کر ان کو وصیّت کر دوں اور ابوبکرؓ کو اپنا جانشین بنا دوں تا کہ کہنے والے کچھ نہ کہہ سکیں۔ اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں لیکن پھر میں نے یہ ارادہ بدل دیا کہ وصیت

کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ انکار کرے گا کہ سوائے ابوبکرؓ کے کوئی اور خلیفہ ہو، اور اہل ایمان بھی سوائے ابوبکرؓ کے کسی اور کی خلافت کو قبول نہیں کریں گے[۵۴]۔

بعض علماء نے وصیّت لکھوانے کی اس روایت پر جرح کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ روایت کتب حدیث میں حضرت ابن عباسؓ کے سوا کسی اور سے منقول نہیں ہے۔ حالانکہ ابن عباسؓ کے علاوہ کئی اکابر صحابہؓ موجود تھے اور ابن عباسؓ کی عمر اس وقت تیرہ چودہ سال تھی، روایت میں یہ بھی نہیں ہے کہ انہوں نے یہ واقعہ کس سے سنا اور حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ بہتان تراشوں کے قلعہ کو یوں مسمار کرتے ہیں کہ ''جس بات کے لکھوانے کی خواہش آپؐ نے ظاہر فرمائی تھی، اگر وہ بات لکھوانی ضروری ہوتی تو آپؐ اس کے بعد کسی وقت بھی قلمبند کرا سکتے تھے۔ جبکہ آپؐ اس کے بعد کئی دن امت میں موجود رہے اور مزید ہدایات بھی دیں اور وصیّتیں بھی فرمائیں۔ اس بنا پر عین ممکن ہے کہ جو وصیّتیں آپؐ نے تھوڑی دیر بعد زبانی ارشاد فرمائیں، انہی کو تحریر میں لانا مقصود ہو''۔

اور اگر البدایہ والنہایہ کی اس روایت کو سامنے رکھ لیا جائے تو معاملہ ہی صاف ہو جاتا ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''اے علی! خدا کی قسم تین دن کے بعد تو عبدالعصا (لاٹھی کا غلام) ہوگا یعنی کوئی اور حاکم ہوگا اور تم اس کے محکوم ہوگے۔ خدا کی قسم! میں یہ سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں وفات پائیں گے۔ بہتر ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کرلیں کہ آپؐ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اگر ہم میں سے ہوا تو معلوم ہو جائے گا ورنہ آپؐ اس کو ہمارے بارے میں وصیّت کر جائیں گے۔ حضرت علیؓ نے کہا ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بارے میں انکار فرمادیں، تو پھر ہم ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم میں آپؐ سے اس بارے میں ایک حرف بھی نہ کہوں گا'' اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں امہات المومنینؓ کے علاوہ یہی دو اصحاب یعنی حضرت عباسؓ اور حضرت

علیؓ آپ کی خدمت میں سب سے زیادہ رہے۔

رفیق اعلیٰ سے ملنے کا اشتیاق

○ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض الوفات میں بے ہوشی بہت طاری رہتی تھی، اور اس حالت میں آپؐ اپنی کوکھ پکڑ لیا کرتے تھے۔ ایک روز آپؐ اس قدر بے ہوش ہوئے کہ گھر والوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں حضورؐ اس حالت میں جان بحق نہ ہو جائیں۔ مرض کی شدّت دیکھ کر خیال ہوا کہ ذات الجنب نہ ہو، چنانچہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور حضرت ام سلمہؓ کی تجویز پر ذات الجنب کی دوا آپؐ کے منہ میں ٹپکا دی گئی، حالانکہ رسول اکرمؐ نے اشارہ سے منع بھی فرمایا، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، گھر والے یہ سمجھے کہ غالباً یہ طبعی ناگواری کے سبب ہے، جیسا کہ عموماً بیمار دوا سے نفرت کرتا ہے بعد میں آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا؟ تمہاری سزا یہ ہے کہ سوائے عباسؓ کے (وہ اس میں شریک نہ تھے)۔ تم سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے یہاں تک کہ میمونہؓ کا روزہ تھا، ان کا روزہ افطار کرایا گیا۵۵۔ تاریخ میں اس واقعہ کو لدود کا واقعہ کہتے ہیں اور یہ وفات سے ایک روز پہلے اتوار کے دن پیش آیا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سرور کائناتؐ کا یہ اقدام انتقامی نہیں بلکہ امت کے لیے تادیب و تعلیم کے طور پر تھا اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا کہنا ہے کہ ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس لیے کیا تا کہ اس سوء ادب پر خدا تعالیٰ گھر والوں سے قیامت کے روز مواخذہ نہ کرے''۔

اس بیماری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو خود علاج کیا اور نہ اپنے لیے دعاءِ صحت کی، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ''حضورؐ ہر تکلیف میں اس طرح عافیت کی دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃ (اے رب رحیم و کریم، میں تجھ سے بخشش و عافیت کی دعا کرتا ہوں) لیکن اس مرض میں بجائے دعائے عافیت کے نفس کو مخاطب کر کے فرماتے یَا نفسَ مَالکَ تلوذین کُل مَلاذ (اے نفس!

تجھے کیا ہوگیا کہ تو ہر پناہ کی جگہ پناہ لیتا ہے)۵٦۔

○ حافظ ابن حجرؒ نے طبرانی کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ''وفات سے کچھ دیر پہلے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ہوش آیا تو میں نے آپؐ کے سینہ مبارک کو سہلایا اور شفاء کے لیے دعا کی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا، نہیں یعنی دعائے صحت نہ کرو۔ میں تو رفیق اعلیٰ سے ملنے کی دعا کر رہا ہوں ۵۷۔

ایک دن قبل

○ رحلت سے ایک دن قبل سب غلاموں کو آزاد کر دیا، ان کی تعداد بعض روایات میں چالیس بیان ہوئی ہے۔ آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع میں رہن تھی اور آپؐ کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ اسے دے کر زرہ کو چھڑا سکتے۔ یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے ۵۸۔

○ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی، جس کو کوئی جاندار کھا سکتا، البتہ ذرا سا جو میری الماری پر رکھا ہوا تھا، میں نے اسی میں سے کچھ کھایا۔ وہ بہت دن چلا یہاں تک کہ میں نے ایک دن اس کی ناپ تول کی بس اسی دن وہ ختم ہو گیا۔ ۵۹

○ آخری شب صدیقہؓ نے چراغ کا تیل ایک پڑوسن سے عاریتاً منگوایا تھا ٦۰۔

وفات کے بعد ایک دن حضرت عروہؓ اپنے چند دوستوں کے ساتھ اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کے گھر گئے اور پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کیسی تھی؟ حضرت عائشہؓ اندر گئیں اور ایک موٹی چادر اور ایک کمبل نکال لائیں اور یہ دونوں کپڑے دکھا کر فرمایا ''سرور کائناتؐ نے جن کپڑوں میں وفات پائی وہ یہ ہیں'' ٦١

یوم الوصال

دوشنبہ کے دن عہد نبوی میں لوگ نماز فجر میں صفیں باندھے کھڑے تھے، کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ مبارک کا پردا اٹھایا اور کچھ دیر آپؐ یہ منظر دیکھتے رہے۔اس منظر کو دیکھ کر آپؐ کا روئے انور فرطِ مسرت سے دمکنے لگا۔ادھر صحابہؓ کی خوشی سے سرشار تھے۔صحابہ کرامؓ بیان فرماتے ہیں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ عائشہؓ کا پردہ کھولا اور کھڑے ہوئے ہمیں برابر دیکھ رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا روئے مبارک ورقِ مصحف ہے (یعنی سپید ہو گیا ہے) پھر آپ مسکرائے اور ہنس پڑے۔ہمیں یہ خیال ہوا کہ کہیں ہم لوگ بھی خوشی کی وجہ سے آزمائش میں نہ پڑ جائیں اور بے قابو ہو جائیں۔ہمیں یہ گمان ہوا کہ آپؐ نماز کے لیے باہر تشریف لانے والے ہیں (صدیق اکبرؓ نے ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹیں) آپ نے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کرو۔ضعف و ناتوانی کی وجہ سے زیادہ کھڑے نہ ہو سکتے تھے،آپؐ نے پردہ گرادیا اور اندر واپس تشریف لے گئے[۶۲]۔

یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہؓ نے جمال اقدس کی زیارت کی۔حضرت ابوبکرؓ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو سیدھے حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے اور آپؐ کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ''میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہؐ کو اب سکون ہے،جو کرب اور بے چینی پہلے تھی،وہ اب جاتی رہی'' پھر انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالائی مدینہ (سخ) جانے کی اجازت چاہی،یہاں ان کی دوسری بیوی حبیبہؓ اپنے خاندان کے ساتھ رہتی تھیں۔ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا:''یا نبی اللہ! میں دیکھتا ہوں کہ آپؐ نے اللہ کی نعمت اور فضل سے اچھی حالت میں صبح کی ہے اور آج میری ایک بیوی حبیبہؓ بنت خارجہ کی نوبت کا دن ہے،اگر اجازت ہو تو وہاں ہو آؤں۔آپؐ نے فرمایا: ''ہاں چلے جاؤ''۔

اور دوسرے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون ہے تو وہ بھی اپنے گھروں کو چلے گئے[۶۳]۔حضرت علیؓ حجرہ مبارکہ سے باہر آئے لوگوں نے حضرت علیؓ سے آپؐ کے مزاج دریافت کیے تو کہا بحمداللہ آپؐ اچھے ہیں۔یہی وہ مرحلہ ہے،جب

حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ میں رسول اللہؐ کے چہرے پر موت کی شکل پہچان رہا ہوں کیونکہ میں اپنے قبیلے کے لوگوں کے چہرے پر موت کے آثار شناخت کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہوں، اس لیے آؤ ان سے بات کر لیں، لیکن حضرت علیؓ نے ان کی اس تجویز کو رد کر دیا تھا[۶۴]۔

○ حضرت اسامہؓ نے مقام جوف پر پڑاؤ رکھا ہوا تھا، ام ایمنؓ برابر آپؐ کی خدمت میں موجود رہتیں اور اپنے بیٹے کو آپؐ کی حالت کی اطلاع دیتی رہتیں۔ ایک روز پہلے حضرت اسامہؓ کو ایسی خبر ملی کہ وہ مدینہ آ گئے اور روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپؐ اگرچہ پوری طرح ہوش میں تھے، لیکن اتنے کمزور کہ بول نہ سکتے تھے۔ اسامہؓ آپؐ کے اوپر جھکے اور آپؐ کو چوم لیا۔ رسول اللہؐ نے ہاتھ اٹھایا، ہتھیلی اوپر کی جانب کی، اللہ سے برکت مانگنے اور برکت پانے کے لیے۔ بعد ازاں آپؐ نے ایسا اشارہ کیا جیسے آپؐ کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کو اسامہؓ پر الٹ دے رہے ہیں۔ اسامہؓ غمگین اپنے کیمپ میں واپس گئے۔ رات انہوں نے بڑے اضطراب میں گزاری، صبح نماز پڑھتے ہی جوف سے چل دیے۔ وہ آئے تو اس اندیشے سے تھے کہ رسول اللہؐ کی صحت مزید خراب ہو گی لیکن آپ کو بہتر دیکھ کر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، اللہ کے رسولؐ نے ان سے کہا ''اللہ کی برکت کے ساتھ روانہ ہو جاؤ'' اور اسامہؓ سوار ہو کر جوف واپس آ گئے۔

قبروں کی پرستش کی مخالفت و مذمت

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری الفاظ یہ تھے کہ ''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ کرے، انہوں نے اپنی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا، سرزمین عرب میں بیک وقت دو مذہب نہ رہیں''[۶۵]۔

حضرت عائشہؓ و حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ''جب رحلت کا وقت قریب آیا تو ایک سیاہ دھاریدار چادر آپؐ پر پڑی ہوئی تھی، آپ اس کو کبھی چہرہ مبارک پر

ڈالتے جب تکلیف ہونے لگتی تو اس کو ہٹا دیتے، اسی حال میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ''یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا'' ٦٦

آخری وصیّت

○ وفات کے قریب آپ کی زیادہ تر وصیت یہ تھی کہ '' الصلاۃ وما ملکت ایمانکم '' (دیکھو نماز کا خیال رکھنا اور اپنے ماتحتوں اور ملازموں کا) یہ آپؐ برابر فرماتے رہے، یہاں تک کہ زبان سے ان الفاظ کا ادا کرنا مشکل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ آپ سینہ مبارک سے ان الفاظ کو ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ٦٧

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت یہی تھی، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اسی ارشاد کو رسول اللہؐ کئی بار دہراتے رہے ٦٨۔ حضرت علیؓ راوی ہیں کہ آپؐ نے اس موقع پر نماز، زکوٰۃ اور ماتحتوں اور ملازموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیّت فرمائی ٦٩۔

دن جیسے جیسے گزر رہا تھا مرض شدت اختیار کرتا جا رہا تھا، آپ پر بار بار غشی طاری ہو جاتی، پھر افاقہ ہو جاتا تھا۔ حضرت فاطمہؓ یہ دیکھ کر بولیں ''واکرب اباہ ''(ہائے میرے بابا کی بے چینی)'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہیں ہوگا۔''

پھر حسنؓ، حسینؓ کو بلایا، دونوں کو چوما اور ان کے احترام کی وصیّت کی ٧٠۔ پھر ازواج مطہرات کو بلایا اور انہیں نصیحتیں کیں، پھر علی مرتضیٰؓ کو بلایا ان کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا ان کو بھی نصیحت فرمائی۔ ٧١

عالمِ نزع

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''یہ فخر صرف مجھے حاصل ہے کہ سرور کائناتؐ نے میرے گھر میں میری باری کے دن اور میرے سینے اور ہنسلی کے درمیان وفات پائی اور یہ عزت بھی

میرے سوا کسی کو نہ ملی کہ اللہ تعالیٰ نے آخری وقت میں میرے اور آپ کے لعاب دہن کو ایک جگہ جمع کیا[۲]۔

ہوا یوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اب اپنے بستر پر آ گئے تھے۔ آپؐ لیٹے ہوئے تھے، آپؐ کا سر مبارک عائشہ صدیقہؓ کے سینے پر تھا۔ ایسا معلوم دیتا تھا کہ آپؐ کی ساری طاقت جواب دے گئی ہے۔ دریں اثنا حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن ایک مسواک ہاتھ میں لئے حجرے میں داخل ہوئے تو آپؐ نے عبدالرحمٰن کی طرف غور سے دیکھا، جیسے آپؐ ان سے کچھ چاہتے ہوں، ادا شناس بیوی سمجھ گئیں۔ عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ! کیا آپ کے لیے مسواک لے لوں''۔ آپؐ نے اشارہ فرمایا ''ہاں''۔ عائشہ صدیقہؓ نے بھائی سے مسواک لے کر پتے وغیرہ جھاڑ کر مسواک کو چبایا، نرم کیا اور پھر صاف کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیا۔ آپؐ نے بہت اچھے طریقے سے مسواک کی، جیسے آپؐ کبھی فرمایا کرتے تھے۔ پھر مجھے واپس کرنے لگے لیکن وہ آپؐ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی[۳]۔

فرماتی ہیں آپؐ کے سامنے پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا، درد سے بے تاب ہو کر آپ بار بار ہاتھ پانی کے اندر ڈالتے اور چہرہ پر پھیر لیتے اور اس کے بعد فرماتے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَات (خدا کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں)

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَالْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ مَعَ الرَّفِیْقِ الاعلی فِی الْجَنَّۃِ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ وَ عَلَیْھِم مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا[۴]۔

''اے رب عزوجل، موت کی تکلیف میں میری مدد فرما، الٰہی! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر، مجھے اچھے لوگوں کے ساتھ جنت میں ملا دے۔ ان لوگوں کے ساتھ جن پر تیرا

انعام ہوا، انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، اور یہ بڑے اچھے ساتھی ہیں"۔[۴۷]

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آپؐ پر غشی طاری ہوگئی، اور عائشہ صدیقہؓ نے سمجھا کہ یہ نزع کی حالت ہے لیکن ایک گھنٹے بعد آپؐ نے آنکھیں کھول دیں تب ان کو یاد آیا آپؐ فرمایا کرتے تھے، کہ "کوئی رسول مرتا نہیں ہے، جب تک کہ جنت میں اس کا مقام نہ دکھلا دیا جائے اور اس کو انتخاب کی یہ آزادی نہ دی جائے کہ چاہے اس دنیا میں رہے، چاہے تو موت سے ہمکنار ہو" وہ جان گئیں کہ یہ ضابطہ پورا کیا گیا ہے اور اب آپ کا آنکھ کھولنا آخرت کے مشاہدے سے واپسی ہے۔ انہوں نے اپنے جی میں کہا وہ اب ہم میں نہیں رہیں گے۔ پھر انہوں نے آپؐ کو زیرلب فرماتے سنا اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِیْقَ الاَعْلیٰ (اے اللہ میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں) فی الرفیقِ الاعلیٰ، فی الرفیق الاعلیٰ۔ یہ آخری الفاظ تھے جو آپؐ کی زبان سے ادا ہوئے جو انہوں نے سنے، بتدریج آپؐ کا سر ان کے سینے پر وزنی ہوتا گیا اور رسول اکرمؐ کا ہاتھ پانی میں ایک طرف لٹک گیا، پتلی اوپر کو اٹھ گئی[۵۷]۔ عائشہ صدیقہؓ نے سر مبارک اپنے سینے سے اٹھا کر تکیہ پر رکھ دیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ دوسری ازواج بھی اس غم میں شریک ہوگئیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

○ مغازی ابن اسحٰق کے مطابق چاشت کے وقت آپ کا وصال ہوا اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں زہری اور عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ زوال کے وقت وصال ہوا اور محققین کے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح ہے اور اختلاف معمولی ہے کہ چاشت اور زوال میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں، البتہ تاریخ وفات میں شدید اختلاف ہے، مشہور قول کی بنا پر وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ اس وقت عمر مبارک ۶۳ سال اور ۴ دن (بحساب چاند) تھی۔

صحابہؓ پر اثر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر صحابہؓ پر بجلی بن کر گری، اس کی وجہ ان کا وہ

عاشقانہ تعلق تھا، جس کی نظیر نہیں، وہ آپؐ کے سایۂ شفقت میں اس طرح رہنے کے عادی ہو گئے تھے، جس طرح بچے والدین کی آغوش محبت میں رہتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ وہ سرورِ کائناتؐ کو ایک نظر دیکھنے سے نئی زندگی حاصل کر لیتے تھے۔ ان کی نگاہوں میں زمین و آسمان گھوم گئے۔ تاریخ میں ایک زلزلہ آ گیا۔ حضرت عثمانؓ پر سکتہ طاری ہو گیا، حضرت علیؓ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن انیس کا دل ایسا شق ہوا کہ اسی صدمہ سے انتقال کر گئے۔ ازواجِ مطہراتؓ پر جو صدمہ اور الم کا پہاڑ گرا اس کا پوچھنا ہی کیا۔ حضرت عباسؓ بھی پریشانی میں سخت بے حواس تھے۔ عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ رسول اکرمؐ نے اس دنیا کو الوداع کہا، اس میں پیش پیش حضرت عمرؓ تھے۔ انہیں قرآن کی ایک آیت کی تاویل کرنے میں سہو ہوا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ رسول اکرمؐ ان سب، ان کے بعد آنے والی نسلوں اور ان کے بعد تک زندہ رہیں گے۔ حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں آئے اور تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے کہنے لگے "خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے"۔ ۶ے حافظ ابن کثیر نے بیہقی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کہہ رہے تھے کہ جس نے کہا رسولؐ اللہ فوت ہو گئے، میں اسے قتل کر دوں گا۔ ۷ے یہ منافقین کا گمان ہے، آپ ہرگز نہیں مرے بلکہ آپ تو اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر اللہ کے پاس گئے اور پھر واپس آ گئے۔ خدا کی قسم آپ بھی اسی طرح واپس آئیں گے اور منافقوں کا قلع قمع کریں گے۔ ۸ے

صدیق اکبرؓ کی استقامت

○ حضرت سالمؓ کہتے ہیں کہ ایسے میں جب کہ حضرت ابوبکرؓ کی تلاش تھی، آپ بالائی مدینہ گئے ہوئے تھے لیکن دل تو ادھر ہی تھا، جیسے ہی وفات کی خبر سنی، فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے، اور کیفیت یہ تھی کہ آنکھوں سے آنسو رواں تھے ہچکی بندھی ہوئی تھی اور سینہ سانس سے پانی کے گھڑے کی طرح ہل رہا تھا۔ مسجد نبوی کے دروازے پر گھوڑے سے

اترے اور رنجیدہ و غمگین حجرہ مبارک کی طرف بڑھے، عائشہ صدیقہؓ سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے۔ عائشہ صدیقہؓ کے سوا تمام ازواجِ مطہرات نے چہرہ ڈھک لیا۔ صدیق اکبرؓ سیدھے رسول ؐاللہ کی چارپائی کے پاس گئے۔ آپؐ کے چہرے مبارک سے چادر ہٹا کر آپؐ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور روتے ہوئے یوں مخاطب ہوئے، "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ زندگی اور موت دونوں ہی حالتوں میں اچھے ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، آپؐ کو اللہ تعالیٰ دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا۔"[9ے]

اس کے بعد چادر سے روئے مبارک کو اسی طرح چھپا دیا، اور مسجد نبوی میں آئے۔ حضرت عمرؓ کا سلسلہ کلام ابھی جاری تھا، انہوں نے عمر فاروقؓ سے مخاطب ہو کر کہا: "اے قسم کھانے والے رک جا، اے عمر! بیٹھ جا" لیکن جوش کلام میں انہوں نے ان کی بات نہ سنی۔ لٰہذا عمرؓ کو اپنے حال پر چھوڑتے ہوئے مجمع کو مخاطب کیا اور وہ تاریخی خطبہ دیا، جس نے ساری صورت حال کو واضح کر دیا۔ لوگوں نے جب حضرت ابوبکرؓ کو خطاب کرتے ہوئے دیکھا تو حضرت عمرؓ سے رخ پھیر کر ان کی بات سننا شروع کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے رب رحیم و کریم کی حمد و ثنا کے بعد کہا: "لوگو! تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا (وہ جان لے) بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور جو تم میں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھا (وہ جان لے) بیشک اللہ زندہ ہے اور اس کے لیے موت نہیں ہے۔" پھر انہوں نے سورۃ الزمر کی آیت ۳۰ اور سورہ آل عمران کی آیت ۱۴۴ پڑھیں:

"بے شک آپ فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی فوت ہوں گے" (سورہ زمر: ۳۰)

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں ان سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں

(دین اسلام سے) پھر جاؤ گے (یعنی مرتد ہو جاؤ گے)۔ اور جو الٹے
پاؤں پھرے گا (دین اسلام سے انحراف کرے گا) وہ اللہ تعالیٰ کو ذرّہ
برابر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو بڑا
اجر (ثواب) دے گا'' (آل عمران: ۱۴۴)

○ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے منہ سے یہ آیات سنیں تو ان کو ایسے معلوم ہوا کہ پہلے یہ نازل ہی نہیں ہوئی تھیں، انہیں سنتے ہی حیرت اور غفلت کا عالم دور ہو گیا، اور سب کو یقین ہو گیا کہ رسول اکرمؐ کا وصال ہو گیا ہے۔ اب جسے دیکھو انہی آیتوں کی تلاوت کر رہا تھا۔ ۸۰

سعیدؒ بن مسیّبؒ سے روایت ہے کہ ''بے شک عمرؓ نے کہا، اللہ کی قسم! جب میں نے ابوبکرؓ کو یہ آیات پڑھتے ہوئے سنا تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ میری کونچیں کاٹ دی گئی ہیں، میرے پاؤں میرا بوجھ اٹھانے سے عاجز آ گئے ہیں، لہٰذا میں زمین پر جھک گیا، اور حقیقت مجھ پر عیاں ہو گئی، بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں'' ۸۱

سقیفہ بنی ساعدہ

○ رسول اللہؐ کی وفات، پر ابھی لوگوں کی پریشانی اور شکوک دور نہ ہوئے تھے، کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کی خبر ملتی ہے، کہ لوگ آپؐ کے جانشینی پر غور کر رہے ہیں، چنانچہ مہاجرین کے اصرار پر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کو ساتھ لے کر وہاں جا پہنچے کیونکہ اندیشہ یہ تھا کہ مبادا عجلت میں کوئی ایسا فیصلہ کر بیٹھیں جو بعد میں فتنہ کا سبب ہو۔ اس مجلس میں پہنچ کر حضرت عمرؓ بات کرنے لگے تو حضرت ابوبکرؓ نے انہیں روک دیا اور خود مجمع سے مخاطب ہوئے اور آخر ارباب حل و عقد کی اس محفل میں ایک مختصر سی گفتگو۔ جس نے اتنا طول بھی نہ کھینچا اور جس میں اختلافی رنگ اتنی دیر بھی قائم نہ رہا جتنا کہ آج معمولی نوعیت کی انجمنوں کے عہدہ کے لیے ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی گئی۔ اس عجلت کا مقصد یہ تھا کہ شیطان کو ان کے دلوں میں پھوٹ ڈالنے اور

جماعت میں رخنہ اندازی کا موقع نہ ملے اور نفسانی خواہشات سر نہ اٹھا سکیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری سفر پر اس حال میں روانہ ہوں کہ مسلمان ایک رشتہ میں منسلک اور پوری طرح متحدہ وہم رنگ وہم آہنگ ہوں، ان کا امیر موجود ہو جو ان کے سارے معاملات کی دیکھ بھال کر رہا ہو حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور تدفین کا کام بھی امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کے ہاتھوں انجام پائے۔

بیعت سقیفہ بنی ساعدہ کے دوسرے روز مسجد نبوی میں حضرت ابوبکرؓ نے عامۃ المسلمین سے بیعت لی، اس موقع پر مجمع کو خطاب کرتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ نے کہا:

''لوگو! میں نے کل تم سے ایک ایسی بات کہی تھی، جسے میں نے کتاب اللہ سے نہیں لیا تھا اور نہ ہی رسول اللہ کے اقوال میں ہے۔ میرا اپنا خیال تھا کہ رسول اللہؐ ابھی مزید ہمارے معاملے کی اصلاح فرمائیں گے اور ہمارے بعد تک (سب سے آخر تک) زندہ رہیں گے۔ اس لیے میں نے وہ بات کہہ دی تھی، مگر خدا تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو اسے پسند تھا۔ ہمارے پاس کتاب اللہ موجود ہے اس سے تمہیں وہی ہدایت ملے گی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی رہی ہے'' ۸۲؎

سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی یہ دوسری بیعت تھی اور الہدایہ والنہایۃ اور ازالۃ الخفاء میں متعدد اسناد کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے اسی محفل میں آپ سے بیعت کر لی تھی، اور ان کا کہنا تھا کہ ''رسول اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کو ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا۔ پس کیا ہم ابوبکرؓ کو اپنی دنیا کے لیے پسند نہ کریں'' ۸۳؎ اور ابن حبان وغیرہ نے ابوسعید خدریؓ کی اس روایت کو صحیح بتایا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے شروع ہی میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ ۸۴؎

سقیفہ بنی ساعدہ سے فارغ ہوتے ہوئے اتنی دیر ہو چکی تھی کہ غروب آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین ممکن نہ رہی تھی، قبر کھودنے کا کام بھی غسل و کفن کے بعد شروع ہوا۔ اس لیے

دیر تک انتظار کرنا پڑا، پھر یہ کہ جس حجرہ میں آپؐ نے وفات پائی تھی، وہیں لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے نماز جنازہ ادا کرتے تھے، اس لیے بھی دیر لگی اور سہ شنبہ کا دن گزر کر رات کو فراغت ملی۔

رسول اللہؐ کی تجہیز و تکفین

رسول اللہؐ کے خلیفہ اول کی جب بیعت ہوگئی اور امت افتراق و انتشار سے بچ گئی، تو لوگ پر سکون ہو گئے اور تحیر و صدمہ کا اثر بدلی کی طرح چھٹ گیا، وہ ان کاموں میں مصروف ہو گئے، جو آپؐ نے ان کو تعلیم فرمائے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرمؐ کو غسل دینے میں صحابہ کرامؓ کو تردد ہوا، بعض اصحابؓ نے کہا کہ حضور کو غسل دینے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ تو طیب و طاہر ہیں۔ بعض کی رائے ہوئی کہ غسل تو ضرور دیا جائے، البتہ آپ کے کپڑے نہ اتارے جائیں حضرت عباسؓ نے کہا کہ ہم کسی کی ذاتی رائے سے رسول اکرمؐ کی سنت کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ یعنی میّت کو غسل دینا آپؐ کی سنت ہے۔ جب غسل کا ارادہ کیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کپڑے اتارے جائیں یا نہیں، ابھی کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ یک لخت سب پر غنودگی طاری ہوگئی اور لوگوں نے ایک آواز سنی "رسول اللہؐ کو کپڑوں میں غسل دو" اس طرح آپؐ کو پیراہن مبارک ہی میں نہلایا گیا اور بعد میں وہ نکال لیا گیا۔[85]

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کا معاملہ آپؐ کے اہل بیت کے سپرد کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیّت فرمائی تھی کہ مجھے بیر غرس کے پانی کے سات مشکوں سے غسل دیا جائے[86] یہ کنواں قبا سے تقریباً نصف میل ہے، جس کا رسول اکرمؐ پانی پیا کرتے تھے۔ وصیّت کے مطابق آپ کو اسی پانی سے غسل دیا گیا۔ پہلے آپؐ پر سادہ پانی ڈالا گیا، پھر بیری کے پتوں کا پانی بہایا گیا اور تیسری مرتبہ پانی میں کافور ڈال کر اس سے غسل دیا گیا۔[87]

فیصلہ یہ ہوا کہ آپ کے اہل بیت میں سے عباسؓ بن عبدالمطلب، علیؓ بن ابی طالب، الفضلؓ بن عباسؓ، قثم بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ اور آپ کے آزاد کردہ غلام صالحؓ غسل دینے میں شریک ہوں گے۔ دوسری روایت میں شقرانؓ کا نام بھی موجود ہے۔ جب طے پا گیا تو اوسؓ بن خولی انصاریؓ بدری صحابی نے حضرت علیؓ کو آوز دی۔

''اے علیؓ! میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا حصہ کہاں گیا؟''

علیؓ نے ان کو بھی شامل ہونے کی اجازت دے دی۔۸۸

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے لگے تو ہم نے لوگوں کو باہر کر کے دروازہ بن کر دیا۔ انصار نے ندا دی کہ ہم لوگ آپ کے ماموں ہیں، ہمارا مرتبہ اسلام میں وہ ہے جو سب جانتے ہیں۔ قریش نے پکارا ہم آپؐ کے جدی عزیز ہیں یعنی ہمیں شریک ہونے کا موقع دیا جائے، لیکن خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے ان کو سمجھایا کہ اے گروہ مسلمین! ہر قوم اپنے جنازے کی غیر سے زیادہ مستحق ہوتی ہے۔ اس لیے میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر روکتا ہوں، اگر تم اندر چلے گئے تو تم علیؓ، فضلؓ اور اسامہؓ کو غسل دینے سے روک دو گے۔ واللہ آپ کے پاس وہی جائے گا جسے بلایا جائے گا۔۸۹

اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ مہاجرین و انصار کو نہ روکتے تو جن کے بارے میں آپؐ کو غسل دینے کا فیصلہ ہوا تھا، وہ اپنی ذمہ داری نبھانے میں کامیاب نہ ہو سکتے۔

حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے کروٹیں بدلتے تھے، اسامہؓ اور شقرانؓ پانی ڈال رہے تھے، اور حضرت علیؓ غسل دے رہے تھے۔ وہ لمبے اونی لباس کے ہر حصے پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور کہہ رہے تھے، ''میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کی موت سے وہ چیز جاتی رہی جو کسی دوسرے کی موت سے نہ گئی، یعنی نبوت اور غیب کی خبروں اور وحی آسمانی کا انقطاع ہو گیا۔ آپ کی موت خاص صدمہ عظیم ہے، کہ اب سب مصیبتوں

سے دل سرد ہو گیا، اور ایسا عام حادثہ ہے کہ سب لوگ اس میں یکساں ہیں، اگر آپؐ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور آہ وزاری سے منع نہ فرمایا ہوتا، تو ہم آنسوؤں کو آپ پر برسا دیتے۔ پھر بھی یہ درد لاعلاج اور یہ زخم لازوال ہی ہوتا اور ہماری یہ حالت بھی اس مصیبت کے مقابلے میں کم ہوتی، اس مصیبت کا تو علاج ہی نہیں اور یہ غم تو جانے والا ہی نہیں۔ میرے والدین حضورؐ پر نثار۔ پروردگار کے ہاں ہمارا ذکر فرمانا اور ہم کو اپنے دل سے بھول نہ جانا۔'' ۹۰

ایک دن کے بعد بھی آپؐ کا جسم ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے بس آپ سو رہے ہوں سوائے اس کے نبض نہ چل رہی تھی اور سانس نہ آ رہی تھی، گرمی نہ تھی اور نرمی نہ تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام معمول سے ہٹ کر قمیص سمیت غسل دیا گیا اور غسل دینے کے بعد آپؐ کے اعضا سجدہ پر خوشبو لگائی گئی اور تین دفعہ عُود کی دھونی دی گئی، پھر آپؐ پر ایک کپڑا اڑھا نک کر تابوت میں رکھ دیا گیا اس کے بعد آپ کو کفنایا گیا ۹۱۔

کفن کے لیے پہلے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا، وہ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی لیکن بعد کو اتار لی گئی اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحول کے بنے ہوئے تھے، ان میں کفن دیا گیا۔ ان میں قمیض اور عمامہ نہ تھا ۹۲۔ ہاں وہ پیراہن بھی جس میں آپ کو غسل دیا گیا تھا، اتار لیا گیا تھا، حضرت عائشہؓ نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کفن کے بارے میں بھی تین چادریں ہی روایت کی ہیں۔ فرماتی ہیں: جب میرے والد بزرگوار بیمار پڑے تو ایک روز میں ان کے پاس گئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ پر ایک چادر پڑی ہوئی ہے جس پر زعفران کے دھبے ہیں۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے فرمایا: عائشہؓ! اس چادر کو دھو کر ایک تو اسی کو میرے کفن میں استعمال کرنا اور دو چادریں مزید لے لینا۔ میں نے عرض کیا ابا جان! یہ چادر تو پرانی ہے۔ فرمایا: ''زندہ آدمی مردہ سے زیادہ نئے کپڑوں کا محتاج ہوتا ہے''۔

غسل کے پانی کی برکت

حضرت علیؓ نے اپنے فہم وحافظہ کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا ''جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہلا رہا تھا، تو جو پانی آپؐ کی پلکوں میں جمع ہو جاتا تھا، اسے میں اپنی زبان سے اٹھا کر پی لیا کرتا تھا مجھے یقین ہے کہ یہ قوت حافظہ اس پانی کی برکت کا نتیجہ ہے''۹۳۔

اسی طرح ام المومنین ام سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ میں نے وفات کے روز آپؐ کے سینہ اطہر پر ہاتھ رکھا تھا، کئی ہفتے گزر گئے میں اس ہاتھ سے سارے کام کاج کرتی رہی، مگر عرصہ تک میرے ہاتھ سے مُشک کی خوشبو نہ گئی۔۹۴

غسل کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کو دفن کہاں کیا جائے۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ آپؐ کی قبر آپؐ کے ان اصحاب کے قریب ہونی چاہیے جن کی نماز جنازہ آپؐ نے پڑھائی تھی اور جن کو خود دفن کیا تھا، اور ابراہیمؓ اور آپؐ کی تین بیٹیوں کی قبروں کے قریب ہونی چاہیے۔ یہ قبریں بقیع غرقد میں تھیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ آپؐ کی تدفین مسجد میں عمل میں آنی چاہیے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ کا ارشاد یاد تھا کہ ''نبی کا جس جگہ انتقال ہوتا ہے اسے وہیں دفن کیا جاتا ہے''۹۵۔ حضرت علیؓ نے بھی حضرت صدیقؓ کی تائید کی، چنانچہ نعش مبارک کو اٹھا کر اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا، جہاں آپؐ کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ:

''آپؐ کو کسی میدان میں اس لیے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرطِ عقیدت سے میری قبر کو عبادت گاہ بنا لیں گے، بعد میں ان کی دار و گیر مشکل تھی، اس لیے حجرہ کے اندر دفن کیا گیا''۔

یہ سوال اٹھا کہ قبر کیسی بنائی جائے، تو مکہ والوں نے کہا کہ ''شق'' کھودی جائے۔ مدینہ والوں نے ''لحد'' کی رائے دی، ابوعبیدہؓ بغلی قبر اور ابوطلحہؓ لحد کھودنے میں ماہر تھے،

طے یہ ہوا کہ دونوں کو بلانے کے لیے آدمی بھیج دیا جائے۔ جو پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے۔ چنانچہ ابوطلحہؓ آپہنچے اور آپؐ کے لئے لحد تیار کی۔ چونکہ زمین نم تھی، اس لیے جس بستر پر آپؐ نے وفات پائی وہ قبر میں بچھا دیا گیا ۹٦۔

نمازِ جنازہ

تجہیز و تکفین کے بعد آپؐ کے جنازہ مبارک کو گھر ہی میں رکھ دیا گیا۔ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ منگل کے روز جب آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو جنازہ شریف ایک چارپائی پر قبر کے کنارے پر رکھ دیا گیا۔ ایک ایک گروہ حجرہ شریف میں آتا تھا اور تنہا نماز پڑھ کر واپس آجاتا تھا۔ کوئی کسی کی امامت نہ کرتا تھا۔ الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ کے واپس آجاتے تھے۔ ۹۷

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے، جواب دیا: ہاں جنازہ پڑھو، لوگوں نے کہا، کس طرح؟ ابوبکر صدیقؓ نے کہا: لوگوں کا ایک ایک گروہ حجرہ میں داخل ہو اور اسی طرح تکبیر کہیں اور پھر درود اور دعا کے بعد واپس آجائیں۔ اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں۔ ۹۸ حضرت علیؓ نے کہا، آپؐ کی نماز میں کوئی شخص امامت نہیں کرے گا، کیونکہ زندگی میں بھی آپ ہمارے امام تھے اور وفات کے بعد بھی امام ہیں۔ ۹۸

○ محمد بن ابراہیمؒ تیمی مدنی سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب پائی، اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ جب رسول اللہ کو کفنا کر چارپائی پر رکھا گیا تو ابوبکر الصدیقؓ اور عمر الفاروقؓ داخل ہوئے اور انہوں نے کہا، السلام علیکم یا ایھا النبی و رحمة الله و بر کاته۔ ان دونوں کے ساتھ مہاجرین اور انصار کے اتنے لوگ تھے جو آپؐ کے کمرے میں سما سکتے تھے۔ انہوں نے بھی ابوبکرؓ اور عمرؓ کی طرح سلام کیا، پھر سب نے صفیں بنالیں، ان میں کوئی بھی امامت کے لیے آگے نہ بڑھا۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ جو پہلی

صف میں تھے رسول اللہ کے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا ''اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ جو کچھ آپؐ پر نازل کیا گیا، آپؐ نے پہنچا دیا۔ آپؐ نے اپنی امت کی خیر خواہی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے دین کو عزت دے دی۔ اور اللہ کی باتیں پوری ہوئیں۔ آپ اسی پر (اللہ پر) ایمان لائے جو یکتا ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ اے ہمارے معبود ہمیں بھی ان لوگوں میں کر دے جو اس کلام کی پیروی کرتے ہیں جو آپؐ پر نازل کیا گیا۔ ہمیں اور آپؐ کو ایسا جمع کر دے کہ آپؐ ہمیں اور ہم آپؐ کو پہچان لیں۔ بے شک آپؐ مومنون کے ساتھ بڑے مہربان اور رحم کرنے والے تھے۔ ہم ایمان کے عوض نہ بدل چاہتے ہیں اور نہ ہی اس کے بدلے کوئی قیمت لینے کا خیال رکھتے ہیں''۔

لوگ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی دعا پر آمین آمین کہہ رہے تھے۔ اسی طرح لوگ کمرے میں داخل ہوتے اور نمازہ سے فارغ ہو کر باہر آتے۔ یہاں تک کہ مردوں اور عورتوں اور بچوں نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھ لی۔ 99

○ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مروی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب میرے غسل وکفن سے فارغ ہو چکو تو میری نعش رکھ کر باہر چلے جانا۔ سب سے پہلے جبریلؑ مجھ پر صلوٰۃ کریں گے، پھر میکائیل پھر اسرافیل، پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ، پھر گروہ در گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھے پر درود وسلام کرتے جاتا۔ 100

○ قاضی عیاضؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپؐ پر حقیقتاً نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ 101 اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ لوگوں نے الگ الگ نمازِ جنازہ پڑھی یہاں تک کہ مرد فارغ ہو گئے ان کے بعد عورتوں نے نماز پڑھی جب وہ فارغ ہوئیں تو بچوں اور غلاموں نے بھی نماز پڑھی۔ لوگوں کی کسی نے امامت نہ کرائی 102۔ ابن وحید فرماتے ہیں کہ تیس ہزار آدمیوں نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی اور یہ بھی روایت ہے کہ

آپؐ پر ۷۲ بار نماز پڑھی گئی اور یہ تعداد ملائکہ کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر معروف نمازِ جنازہ پڑھی گئی، وہ اس وقت جب حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت تمام ہوئی اور ان کی ولایت صحیح ہو گئی۔ اس سے قبل صرف یہ تھا کہ لوگ آ کر دعا کرتے اور لوٹ جاتے پھر جب حضرت صدیقؓ نے نماز ادا کی، اس کے بعد کسی نے رسول اکرمؐ کی نماز جنازہ نہ پڑھی جیسا کہ امام شمس الائمہ سرخسی کا قول ہے اور یہ ۷۳ ویں نماز جنازہ تھی ۱۰۳۔

تدفین

نماز جنازہ سے جب سب فارغ ہو گئے تو منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں سحر کے قریب آپ کو اسلامی تعلیم کے مطابق دفنا دیا گیا۔ قبر میں آپؐ کو حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت فضلؓ اور حضرت قثمؓ نے اتارا اور جسم اطہر کو پائنتی کی طرف سے لحد میں داخل کیا، سب سے آخر میں قثمؓ قبر سے نکلے اس لیے وہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں میرے بعد رسول اکرمؐ کے روئے انور کا دیدار کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ سب سے آخر میں میں نے آپؐ کی زیارت کی۔ لحد مبارک میں رکھنے کے بعد اس میں مٹی ڈال دی گئی۔ پھر زمین سے ایک بالشت بھر کوہان نما اونچی قبر بنائی گئی جس پر حضرت بلالؓ نے سر سے پائنتی تک مشکیزہ سے پانی چھڑکا ۱۰۴۔ ان للہ و انا الیہ راجعون

اس وقت شہر نور میں بڑا رنج والم تھا۔ صحابہ ایک دوسرے کو رونے سے روک رہے تھے، لیکن خود رو رہے تھے۔ ام ایمنؓ نے کہا "ہم ان کے لیے نہیں رو رہے ہیں" جب ان سے ان کے آنسوؤں کے بارے میں سوال کیا گیا تو بولیں "کیا میں جانتی نہیں ہوں کہ وہ جس دنیا میں تشریف لے گئے ہیں، وہ اس دنیا سے بہتر ہے، میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ آسمان سے ہم تک آنے والی خبروں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔" ۱۰۴ تدفین سے فارغ ہو گئے تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا: انس! کیا تمہارے دلوں نے یہ گوارا کر لیا کہ جسد مبارک پر مٹی

ڈالو'' ۱۰۵ؐ

یہ واقعہ سہ شنبہ کا ہے۔ یہ مدینہ کا ایک غمگین دن تھا، موذن رسول حضرت بلالؓ نے جب فجر کی اذان دی، تو آپؐ کو یاد کر کے بے ساختہ رونے لگے اور ان کی ہچکی بندھ گئی۔ اس منظر سے مسلمان جو پہلے ہی سے غمزدہ تھے اور گہرے رنج وغم میں ڈوب گئے۔ لیکن نہ کسی نے نوحہ کیا نہ ماتم، آنکھوں سے آنسو رواں تھے، اور زبان پر اللہ کی رضا کی باتیں۔

ام المومنین حضرت ام سلمیٰؓ کہتی تھیں ''یہ کتنی سخت مصیبت تھی جب ہم کو یہ مصیبت یاد آتی ہے تو ہر مصیبت اس کی وجہ سے ہیچ اور آسان معلوم ہوتی ہے''۔ ۱۰۶ؐ

رسول اللہؐ نے خود اپنے متعلق فرمایا تھا: ''اے لوگو تم میں سے (یا اہل ایمان میں سے) کسی کو بھی کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس مصیبت کے لیے جو اس کو دوسرے کے انتقال سے پیش آ رہی ہے۔ اس مصیبت سے تسلی حاصل کرے جو میری وفات سے اس کو پیش آئی ہے۔ اس لیے کہ میری امت میں کسی شخص کو میری وفات کے صدمہ سے بڑھ کر کوئی مصیبت پیش نہ آئے گی۔'' ۱۰۶ؐ

آپؐ کی وفات دوشنبہ (سوموار) کو زوال کے وقت ہوئی، یہ وہی دن اور وہی وقت تھا کہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ بدھ کی شب میں آپ دفن ہوئے۔ اس تاخیر کا ایک سبب امت میں اتحاد و ہم آہنگی کو برقرار رکھنے اور آپ کی تجہیز و تکفین اور تدفین سے قبل آپ کے جانشین کے انتخاب اور اس سے باقاعدہ بیعت کا مرحلہ تھا تاکہ نظم سلطنت میں کوئی خلل نہ آنے پائے۔ اور یہ مرحلہ منگل کی صبح تک طے پا سکا۔ دوسرا سبب یہ ہوا کہ نماز جنازہ ادا کرنے میں دیر ہوئی کیونکہ صحابہ کرامؓ کی مختلف جماعتوں نے باری باری ۳۷ دفعہ نماز ادا کی۔

اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد

حضرت اسماء بنت عمیسؓ کا بیان ہے کہ جب آپؐ وفات پا گئے تو میں نے اپنا ہاتھ

آپؐ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان پھیرا لیکن مہر نبوت کو نہ پایا، اس کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ واقعی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں ۱۰۷۔

حواشی

۱۔ مسلم روایتِ ابی موسیٰ اشعری
۲۔ ماثبت السنہ بحوالہ مسند حارث
۳۔ سورہ والضحیٰ
۴۔ طبرانی عن جابر
۵۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مراد ہے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ جب اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس سورہ میں اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے، نیز دیکھیے تفسیر ابن کثیر
۶۔ تفسیر در منثور، ج ۶ (سوہ النصر)
۷۔ بخاری باب بدء الوحی
۸۔ بخاری، روایت ابی ہریرہ
۹۔ بخاری مدارج النبوۃ
۱۰۔ سورہ مائدہ: ۳
۱۱۔ صحیحین
۱۲۔ مسلم عن جابرؓ
۱۳۔ اصح السیر باب حجۃ الوداع
۱۴۔ مدارج النبوۃ
۱۵۔ ابن ہشام، ج ۲
۱۶۔ سیرۃ ابن ہشام
۱۷۔ اسد الغابہ، تاریخ الکامل، الاستیعاب، البدایہ والنہایہ، سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، فتح الباری
۱۸۔ بخاری، کتاب المغازی، زرقانی
۱۹۔ ابن سعد
۲۰۔ فتح الباری، باب مرض النبیؐ
۲۱۔ بخاری باب مرض النبیؐ
۲۲۔ صحیحین
۲۳۔ صحیحین
۲۴۔ بخاری باب مرض النبی
۲۵۔ بخاری باب مرض النبی
۲۶۔ ماثبت بالسنۃ ذکر وفات رسول
۲۷۔ زرقانی، بیہقی
۲۸۔ بخاری
۲۹۔ بخاری باب مرض النبی
۳۰۔ ایضاً
۳۱۔ فتح الباری

۳۲۔ بخاری باب مرض النبی

۳۳۔ بیہقی، السیرۃ النبویہ ابن کثیر

۳۴۔ بخاری، مسلم

۳۵۔ ابن سعد

۳۶۔ بخاری باب مرض النبی

۳۷۔ بخاری، امام بخاری نے تقریباً چودہ مرتبہ اس روایت کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، اسی طرح یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، تاریخ اور رجال کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

۳۸۔ ابن سعد

۳۹۔ احیاء العلوم، امام غزالی

۴۰۔ زرقانی، ج ۴

۴۱۔ صحیحین، عن عروہؓ عن عائشہؓ

۴۲۔ مؤطا امام مالک

۴۳۔ بخاری، زرقانی

۴۴۔ بخاری، فضائل اصحاب النبی، زرقانی

۴۵۔ بخاری، فضائل اصحاب النبی

۴۶۔ زرقانی، سیرت النبی شبلی

۴۷۔ بخاری، کتاب الصلوٰۃ

۴۹۔ ابن ہشام

۵۰۔ مسند امام شافعی، الام، ابن سعد

۵۱۔ ابن ہشام، بخاری

۵۲۔ بخاری، مسلم

۵۳۔ بخاری، مسلم

۵۴۔ زرقانی، قسطلانی، فتح الباری

۵۵۔ فتح الباری

۵۶۔ اصح السیر بحوالہ مذاہب لدنیہ

۵۷۔ ماثبت بالسنۃ

۵۸۔ بخاری، باب مرض النبیؐ

۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ بخاری

۶۱۔ مدارج النبوۃ

۶۲۔ بخاری باب مرض النبی

۶۳۔ ابن ہشام

۶۴۔ ابن اسحاق

۶۵۔ مؤطا امام مالک، ابن کثیر

۶۶۔ بخاری باب مرض النبی

۶۷۔ بیہقی واحمد

۶۸۔ بخاری وخصائص الکبریٰ

۶۹۔ مسند امام احمد

۷۰۔ مدارج النبوۃ

۷۱۔ زرقانی بحوالہ ابن سعد

۷۲۔ بخاری، باب مرض النبی ووفاتہ

۷۳۔ بخاری باب مرض النبی، سیرت ابن کثیر

۷۴۔ فتح الباری

۷۵۔ بخاری، باب مرض النبی ووفاتہ

۷۶۔ بخاری، باب مرض النبی ووفاتہ

۷۷۔ سیرۃ الحلبیہ، البدایۃ والنہایۃ

۷۸۔ تاریخ کامل، سیرۃ ابن ہشام

۷۹۔ بخاری، باب مرض النبی ووفاتہ

۸۰۔ بخاری، سیرۃ ابن ہشام، زرقانی

۸۱۔ بخاری، باب مرض النبی

۸۲۔ سیرت ابن ہشام، البدایہ والنہایہ

۸۳	شرح الشمائل	۸۴	فتح الباری
۸۵	اصح السیر بحوالہ ابی داؤد	۸۶	ابن ماجہ
۸۷	مدارج النبوۃ	۸۸	البدایہ والنہایہ
۸۹	طبقات ابن سعد	۹۰	نہج البلاغہ
۹۱	ترمذی	۹۲	بخاری ومسلم
۹۳	مدارج النبوۃ	۹۴	ماثبت بالسنہ بحوالہ بیہقی
۹۵	ابن ماجہ	۹۶	زرقانی، ابن سعد
۹۷	ابن ماجہ	۹۸	البدایہ والنہایۃ
۹۹	ابن سعد، البدایہ والنہایۃ، سیرۃ الحلبیہ	۱۰۰	میتدرک علی الصحیحین، الخصائص الکبریٰ
۱۰۱	شرح الزرقانی، مؤطا امام مالک، الام، امام شافعی		
۱۰۲	طبری، ابن ہشام	۱۰۳	فتاویٰ رضویہ
۱۰۴	ابن ماجہ	۱۰۵	بخاری
۱۰۶	السیرۃ النبویہ ابن کثیر	۱۰۷	ماثبت بالسنۃ بحوالہ بیہقی

مؤلف : محمد ریاض قادری

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

مناقبِ رُومی

مولانا رومؒ کی رُوحانی اور باطنی زندگی کی ایک جھلک

تالیف

محمّد ریاض قادری

ناشر

پروگریسو بکس

اُردو بازار، لاہور

فون: ۷۳۵۲۷۹۵

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اُجالا کر دے

محمد نعیم نگوروی

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○
اُردو بازار ○ لاہور 7352795

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین

اردو ترجمہ کتاب مستطاب

منہاج العابدین

تصنیف

امام ہمام حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ حواشی

از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی

خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، لاہور

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور ☎ 7352795

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ
مرض الموت
سے لحد تک
مسالک اربعہ کے مطابق بیماری، علاج، موت، دفن، کفن
جنازہ، تعزیت، ترکہ اور وصیت کے بارے میں
جملہ مسائل کا حل
محمد ممتاز لیاقت
پروگریسو بکس